فاقصص القصص لعلهم يتفكرون

سوانحِ حیات

نیرِ تاباں، شیرِ یزداں، شیخ القرآن

حضرت مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہ

محمد عبد المعبود

کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ
راجہ بازار، راولپنڈی

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

سوانح حیات

نیّرِ تاباں، شبیرِ یزداں، شیخ القرآن

حضرت مولانا غلام اللہ خان نوّر اللہ مرقدہٗ

مؤلفہ

محمد عبد المعبود

کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی

ب

انتساب

اپنی اس قلمی کاوش کو بطلِ جلیل، مردِ حق آگاہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی برّد اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ ستودہ صفات سے منسوب کرتا ہوں، جنہوں نے ظلمت کدۂ ہند میں شمع توحید فروزاں کر کے برّصغیر کو جلا بخشی۔ اور جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کر کے گلشنِ توحید کو درخشندگی و تابندگی سے ہمکنار کیا۔

اس گلشن کو شیخ القرآن نے اپنے خونِ جگر سے سینچا، نالہ ہائے سحرگاہی سے پروان چڑھایا اور اپنی سحر بیانی سے ثمربار بنایا۔

محمد عبد المعبود عفی اللہ عنہ

یکم رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

یقیں دانم دریں عالم کہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ہُوْ
وَلَا مَوْجُوْدَ فِی الْکَوْنَیْنِ وَلَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ہُوْ

چوں تیغِ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری
مجو از غیرِ حق یاری کہ لَا فَتَّاحَ اِلَّا ہُوْ

فہرست

ابتدائیہ

بعد الحمد والصلاۃ۔ امت کے مایۂ ناز مشائخ، علماء اور زعماء کے نقوشِ زندگی دینِ مبین کی عملی تفسیر اور شریعتِ مطہرہ کی تابندہ تصویر ہونے کے باعث بنی نوعِ انسان کے لئے مشعلِ راہ اور موجبِ ہدایت و فلاح ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کے کمالات، حالات اور واقعات سانحۂ ارتحال کے دبیز پردوں میں مستور ہو جاتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ انقلاباتِ زمانہ انہیں لوگوں کے دل و دماغ سے محو کر دیتے ہیں۔ ملت کی اس متاعِ گرانمایہ کے تحفظ کی غرض سے مشائخ اور علماءِ کرام کے حالاتِ زندگی کو "اوراق پر نقشِ دوام" بنانے کا عمل یعنی سیرت نگاری قدیم زمانہ سے جاری ہے۔ اسی کی پیروی میں سوانحِ حضرت شیخ القرآن لکھنے کا حوصلہ کیا جا رہا ہے۔

یہ امر بعید اہمیت کا حامل ہے کہ کسی بھی صاحبِ فضل و کمال ہستی کی سوانحِ حیات لکھنا ان کے ہم پلہ اہلِ قلم ہی کو زیبا ہے۔ لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ دس سال کا طویل زمانہ بیت جانے کے باوجود نیرِ تاباں، شیرِ یزداں، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان نور اللہ مرقدہٗ کی شایانِ شان سوانحِ حیات کے دیدار کو آنکھیں ترستی رہ گئیں۔ لیکن کہیں سے اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی اُمید نظر نہ آئی۔ فاضل نوجوان جناب عبدالحفیظ صاحب ساکن راولپنڈی نے شیخ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک مختصر مگر قابلِ قدر

کتابچہ شائع کیا۔ پھر خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی دامت برکاتہم نے "میرے شیخ القرآن" کے عنوان سے شیخ کے ساتھ اپنے تعلقات اور شیخ کے بعض کمالات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مولانا ممدوح کے علم و فضل اور جلالت قدر کی ترجمانی کا حق ادا نہ ہوا۔

اگرچہ راقم الحروف کو حضرت شیخ کی کفش برداری کی سعادت عرصہ دراز تک حاصل رہی، مگر اپنی علمی بے مائیگی اور بعض دوسری وجوہ کی بنا پر اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کا اہل نہ سمجھتا تھا لیکن ایک شفیق دوست مولانا حافظ محمد اسحٰق مدظلہ مہتمم "جامعۃ العلوم الشرعیۃ" راولپنڈی کے شدید اصرار پر چاروناچار اس کا بیڑہ اٹھانا پڑا۔ اگرچہ حضرت شیخ کے علمی کمالات، تدریسی بلند پایہ خدمات، مذہبی گراں قدر کارہائے نمایاں۔ ملی اور ملکی شاندار خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ان کا احاطہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ جن خوش نصیب حضرات کو ان حالات و واقعات کے مشاہدات کا شرف نصیب ہوا، اور جو شیخ کی علمی عظمت کے بلاواسطہ راوی تھے وہ بھی داغِ مفارقت دے چکے ہیں تاہم تلاش و جستجو سے کچھ مواد حاصل کر لیا ہے لیکن اکثر واقعات اپنی یادداشت سے رقم کئے ہیں۔ بایں ہمہ نہ تو حضرت شیخ کے افکار و نظریات کی ترجمانی کا حق ادا ہوا اور نہ ہی ان کی علمی رفعتوں کو کما حقہ آشکارا کر سکا۔ البتہ ایک بنیاد فراہم کر دی ہے تاکہ مستقبل کا مورخ اس پر مولانا ممدوح کے افکار کی رفیع الشان عمارت کھڑی کر سکے

بندۂ بے نوا محمد عبدالمعبود غفرلہٗ

باب اول

ابتدائی حالات

نام و نسب

علوم و فنون کی تکمیل

تحصیلِ قرآنی علوم و معارف

اشتیاقِ علمِ حدیث

رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب

داستانِ عہدِ گل را از نظیری مشنو　　　عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

نام ونسب نام غلام اللہ خان اور لقب "شیخ القرآن" تھا۔ ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء کو ضلع اٹک کے علاقہ چھچھ کے گاؤں "دریا" میں ایک صاحب ثروت ووجاہت ملک فیروز خان نمبردار کے گھر فرزندِ ارجمند پیدا ہوا۔ جس کا نام "غلام خان" ان کی دادی صاحبہ نے رکھا، جو خاندان کی برگزیدہ اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ بعد ازاں آپ کی دینی خدمات اور علوم قرآن وحدیث کے ساتھ والہانہ تعلق کے پیشِ نظر ایک ولیِ کامل شیخ طریقت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے احباب کی مجلس میں مولانا موصوف کا تذکرہ جمیل سن کر غلام خان کے بجائے "غلام اللہ خان" کے نام سے نوازا۔ حالانکہ مولانا اس مجلس میں موجود بھی نہ تھے۔ اللہ والے کی زبان سے نکلا ہوا یہ نام نہ صرف عالمی شہرت

کا حامل بنا، بلکہ اُمّت کے مقتدر اور شہرۂ آفاق نامی گرامی علماء کی فہرست میں امتیازی حیثیت سے اُجاگر ہوا۔ جس کی تصدیق و توثیق حضرت شیخ اس طرح فرماتے تھے۔
"خاندانی نام کو چنداں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی، مگر اللہ والے کی زبان صدق ترجمان سے نکلے ہوئے نام کی صدا اطراف و اکنافِ عالم میں گونج گئی"۔

مولانا کے طالب علمی کے زمانہ ہی میں قرآن مجید کے ساتھ والہانہ عشق اور علومِ قرآنی سے گہری وابستگی مشاہدہ فرما کر ان کے مرشد و مربی رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شیخ القرآن" جیسے امتیازی نوعیت کا لقب عطا فرمایا تھا جو دائمی شہرت حاصل کر گیا۔ اور مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم مدیر ماہنامہ "الحق" کے بقول اسلامی تاریخ میں بھی یہ لقب منفرد و یگانہ ہے۔
" زبانِ خلق پر بھی وہ شیخ القرآن کے منفرد لقب سے معروف ہوئے۔ کیونکہ شیخ الحدیث کا لقب اور منصب تو تاریخِ اسلام میں چلا آرہا ہے مگر غالباً وہ پہلے بزرگ تھے جنہیں شیخ القرآن کے تمغۂ سعادت کے ساتھ شہرت ملی" (ماہنامہ الحق رجب ۱۴۰۰ھ)

موصوف کا نسبی تعلق امام محمد بن حنفیہ بن سیدنا علیّ المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے تھا۔ اور قبیلۂ اعوان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ " آفتابِ علومِ نبوت" علاقہ چھچھ کی " زرخیز" سرزمین میں " خاک کو اکسیر" بنانے والے زمیندار گھرانے میں چودھویں صدی کے ربعِ اول میں طلوع ہوا۔ والدین نے رائج الوقت تعلیم کے نفع بخش ثمرات سے بہرہ مند ہونے کی غرض سے اسکول میں داخل کرا دیا۔ ان کی نیک خواہشات اور مخلصانہ جد و جہد نونہال کو جدی اراضی کا وارث بنانے ہی تک محدود تھیں، لیکن قسامِ ازل اسے " أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ" کی ضیاء میں

وارثِ انبیاء اور خاندان کے جدّ اعلیٰ "وَعَلیٰٓ اٰبَآئِہَا" کی فقید المثال تفسیر بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور آپ کی تابناک سرشت میں سیادت و قیادت کا عکس جمیل ہویدا تھا۔

بنیادی تعلیم ناظرہ قرآن مجید اپنے گاؤں کے امام مسجد سے پڑھا۔ جبکہ پانچ سال کی عمر میں گاؤں سے دو میل دور موضع "بہادر خان" کے اسکول میں داخل ہوئے۔ جہاں مڈل تک تعلیم حاصل کی اور پھر ہائی اسکول میں نویں جماعت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ لیکن قدرت نے جس جوہرِ آبدار سے آپ کے قلب کو منور فرمایا تھا وہ انہیں علومِ اسلامیہ کے حصول پر برانگیختہ کرتا رہا۔ بالآخر آپ کے قلبِ صافی میں علومِ قرآن و حدیث کے حصول کا اشتیاق ایسا شعلہ زن ہوا کہ اس راہ میں حائل علاقائی اور خاندانی تمام رکاوٹیں پاش پاش کر کے علاقہ پوٹھوار کے دور افتادہ گاؤں "ججہ" نزد سکھو جا پہنچے۔ جہاں ایک درویش منش جید عالمِ دین استاذ العلماء حضرت مولانا احمد دین علوم و معارف کی ضیاء پاشی فرما رہے تھے۔

مولانا موصوف علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنت میں یادگارِ اسلاف تھے۔ جنہوں نے مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی اور علامہ سیف الرحمٰن نور اللہ مرقدہما جیسے نابغۂ روزگار علماء سے اکتساب علم کیا تھا۔ اور صرف و نحو جو عربی علوم کی اساس ہیں، پڑھانے میں مہارتِ تامہ اور خصوصی ملکہ رکھتے تھے۔ ان کا تالیف کردہ قانونچہ صرف کی تمام کتابوں سے مستغنی کر دیتا تھا۔ اور نحو میں ہدایت النحو تک پڑھ لینے سے کامل مہارت ہو جاتی تھی۔ اگرچہ اس علم کی گہرائیوں تک

رسائی حاصل کرنے کے لئے نحو کی تمام کتب انتہائی محنت سے پڑھاتے تھے جس کی شہرت علمی حلقوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

پرانی طرز کی یہ درسگاہ تکلفات سے مبرا، اسبابِ راحت و آرام سے بے نیاز صرف اہلِ دیہ کے "وظیفوں" پر قائم تھی۔ شیخ القرآن جس ناز و نعمت میں پلے اور جو خوراک و پوشاک عادتِ ثانیہ بن چکی تھی، سب کچھ یکسر ترک کر دیا۔ مسجد کے فرشِ خاکی پر وقت گذار کر اور نانِ جویں کھا کر اپنی علمی اور مجاہدانہ زندگی کا آغاز کیا۔ انتہائی محنت و کاوش اور جانفشانی سے فارسی نظم و نثر، صرف کی تمام کتب، نحو میں کافیہ تک اور فقہ کی ابتدائی کتب ان سے پڑھیں۔ بعد میں جب مولانا احمد دین حجب سے اپنے گاؤں "ٹھٹھہ" علاقہ سواں تشریف لے گئے تو دوسرے طلبار کے ساتھ مولانا غلام اللہ خان بھی ٹھٹھہ چلے گئے۔

استادِ محترم سے جو کچھ سنتے، لوحِ دل پر نقشِ دوام بن جاتا۔ صرف کی کتب زبانی یاد کرنے کے لئے جس جانگداز محنت سے کام لیا اس کی ایک حیرت انگیز جھلک ملاحظہ ہو۔ "موصوف ٹھٹھہ کے قریبی جنگل میں نکل جاتے اور ایک سو جنگلی بیر توڑ کر رکھ لیتے۔ پھر قسم کھاتے کہ جب تک میں پوری کتاب کا سبق ایک سو مرتبہ نہ پڑھ لوں یہاں سے اٹھنا اور کھانا پینا حرام ہے"۔ استاد نے بھی اپنے ذہین و فطین شاگرد کو سنگ سے سنگِ پارس بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور علم کی امانت بتمام و کمال ہونہار طالب علم کو ودیعت کر دی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

استاذ کے فیضانِ نظر نے آپ کو بہت جلد بامِ عروج کی طرف گامزن کر دیا۔

وہاں سے فائز المرام ہو کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دوسری جگہ چل دیئے۔ ہری پور ہزارہ میں مولانا سکندر علی اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد اسماعیل ساکن گوکل سے مختلف کتب کا درس لیا۔ پھر کچھ عرصہ موضع جسیال ضلع اٹک میں بھی زیر تعلیم رہے۔

علوم و فنون کی تکمیل شیخ القرآن جب اس بحر محیط کے غواص بن کر دُرہائے ناسفتہ اور گہر ہائے مکنونہ حاصل کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تو رحمتِ ایزدی کا سمندر بھی جوش میں آگیا جس نے آپ کی اعلیٰ علمی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور آپ پورے انہماک و استغراق سے معقولات و منقولات کی دولت سمیٹنے لگے۔

اس زمانہ میں موضع "اَنّی" تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے مدرسہ حسینیہ میں معقولات کے امام علامہ غلام رسول اور ان کے نامور داماد مولانا ولی اللہؒ معاون کی حیثیت سے علمی جواہر پارے بکھیرنے میں مشغول تھے۔ حضرتِ شیخ بھی اس چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کے متمنی تھے۔

حضرت علامہ غلام رسول کے دل میں دو حضرات کی بیحد قدر اور عظمت تھی۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتی چھچھ والے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ کی۔ جب شیخ القرآن نے علامہ موصوف سے اکتساب علم کا ارادہ فرمایا تو کسی واقفِ حال دوست نے مشورہ دیا کہ آپ علامہ غلام رسول کو یہ بتا دینا کہ میں علاقہ چھچھ سے آیا ہوں، اس طرح وہ ضرور داخل کر لیں گے۔ چنانچہ حضرت شیخ جب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک دو یوم بعد ان کی خدمت میں اپنا مدعا عرض کیا۔ موصوف نے دریافت فرمایا۔ کہاں سے

آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا علاقہ چھچھ سے۔ اسباق کے متعلق استفسار فرمایا کہ کون کون سے پڑھتے ہیں؟ حضرت نے اسباق کی تفصیل بتادی۔ علامہ موصوف نے اس شرط کے ساتھ داخلہ کی اجازت مرحمت فرمادی کہ سبق اذانِ فجر سے پہلے پڑھنا ہوگا۔ شیخ نے اس شرط کو صمیمِ قلب کے ساتھ قبول کر لیا۔ اور پھر دو تین سال جتنا عرصہ وہاں قیام رہا، پابندی کے ساتھ اذانِ فجر سے پہلے ہی اپنے اسباق پڑھ لیا کرتے تھے۔

جن بلند پایہ اور ذی شان علوم و فنون کا اکتساب علامہ موصوف سے کیا تھا ان میں فقہ، اصولِ فقہ، معانی، کلام، عقائد، منطق، فلسفہ، ریاضی، حدیث (مشکوٰۃ) تفسیر (جلالین، بیضاوی) اور ترجمۂ قرآن شامل تھا۔

اہلِ علم حضرات اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ علوم عالیہ و فنونِ آلیہ کے اسباق کے لئے کتنا وقت درکار ہوتا ہے۔ اور پھر شیخ الکل علامہ غلام رسول سے پڑھنا، گویا اس شعر کا مصداق تھا ؎

یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید۔

راحت و سکون کی پُر لطف گھڑیوں اور نیند کی کیف پرور لوریوں کو خیر باد کہہ کر معلم و متعلم تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ پر عمل پیرا ہو کر تعلیم و تعلم جیسے ذی وقار مشغلہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں علم کے اس سمندر کو اپنے سینہ ہمچوں آئینہ میں سمیٹ لینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اس کی وجہ سے شب خیزی کا یہ عمل تا زیست معمول بہ رہا۔

حضرت شیخ نے خداداد ذہانت اور غیر معمولی محنت و کاوش کو بروئے کار لاکر

بہت جلد علمی اعتبار سے ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ آپ کی قابلِ رشک علمی وجاہت پر نہ صرف ہم سبق طلبار کو رشک آتا تھا بلکہ اساتذہ بھی دادِ تحسین دئیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ موضح "اَنّی" کے طالب علمی کے زمانہ میں بہت سی کُتب طلبار کو پڑھاتے بھی تھے جو شیخ القرآن کی علمی مہارت کی نادر الوجود مثال ہے۔ گویا کہ ایک ہی وقت میں متعلم اور معلم کی صفت سے متصف تھے۔

قرآنی علوم و معارف کی تحصیل

علامہ غلام رسول رح کا معمول تھا کہ اپنے تلامذہ و مسترشدین کو معقولات و منقولات سے فراغت کے بعد اپنے مرشد کی خدمت میں قرآنی علوم و معارف سے بہرہ یاب ہونے کے لئے واں بھچراں بھیج دیتے تھے جہاں پیرِ طریقت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفۂ ارشاد اور محدّث یگانہ، فقیہِ زمانہ قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے مایۂ ناز اور جلیل القدر تلمیذ رئیس المفسرین الشیخ حسین علی رح میانوالی کے تپتے ہوئے ریگزاروں میں قرآن و حدیث کے انمول موتی لٹا رہے تھے۔ موصوف بہت بڑے زمیندار تھے وضع قطع، لباس اور خوراک مبالغہ کی حد تک سادہ تھی۔ ظاہر بیں انہیں دیکھ کر عالم ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن "ولی را ولی مے شناسد" کے مسلمہ اصول کے مطابق اہل علم حضرات کے ہاں وہ آسمان علم و دانش کے آفتابِ عالمتاب تھے۔

قدرت نے موصوف کو یہ شرف بھی عطا فرمایا تھا کہ قرآنی علوم و معارف حاصل کرنے میں صرف تین واسطوں سے نابغۂ روزگار، جامع العلوم والحکم امام شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی رح کے تلمیذ رشید تھے۔

حضرت مولانا محمد[1] مظہر نانوتوی، حضرت مولانا شاہ[2] محمد اسحاق دہلوی اور حضرت مولانا شاہ عبد[3] العزیز محدث دہلوی۔

علامہ حسین علی فنافی التوحید، علمبردارِ توحید وسنت، ترجمانِ حق وصداقت اور پروانۂ سنتِ سیدالاصفیاء والازکیاء صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ انہوں نے توحید کی ایک ایسی دلرُبا شمع فروزاں کر رکھی تھی جس پر قرآن وسنت کے عشاق پروانہ وار جانیں نچھاور کرتے تھے۔ شیخ العرب والعجم سیّد حسین احمد مدنی رح نے موصوف کے سانحۂ ارتحال کو ملتِ اسلامیہ کا نقصانِ عظیم قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔

"مولانا سید حسین علی صاحب میانوالی توحیدِ الٰہی کے بیان میں سیفِ عریاں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبلِ استقامت اور اعلاءِ کلمۃ الحق میں لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کی شان کے حامل تھے"۔ (جمعیۃ علماء ہند ج ۲ ص۹۱۶ مطبوعہ اسلام آباد)

علامہ غلام رسول رح نے اپنے شاگردِ رشید مولانا غلام اللہ خان رح کو بھی حسبِ دستور رئیس المفسرین مولانا حسین علی رح کی خدمت میں علمِ تفسیر حاصل کرنے کی غرض سے بھیجدیا۔ حضرت شیخ کے دل میں بھی یہ ولولہ اور جذبہ موجزن ہوا کہ کسی شہرۂ آفاق مفسرِ قرآن کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کر کے قرآنی جواہرات حاصل کروں۔ تاکہ اب تک کی محنت ثمر بار ہو سکے۔ چنانچہ آپ رختِ سفر باندھ کر واں بھچراں روانہ ہو گئے۔

جب وہ حضرت کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے اور آمد کا مقصد عرض کیا

تو انہوں نے ایک ایسا سوال پوچھا جو بظاہر سادہ اور معمولی تھا لیکن اس کی پہنائیوں میں علمی اور تحقیقی مباحث مضمر تھے۔ آپ پر سکتہ طاری ہو گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ اب تک جو کچھ حاصل کیا تھا وہ تو قرآنی علوم کے سمندروں میں سے ایک قطرہ کی مانند بھی نہیں۔ گویا کہ قرآنی رموز و اسرار سے ابھی تک تہی دامن ہوں۔

حضرت شیخ کا سوال یہ تھا کہ سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے ایمان والو اپنے وعدے پورے کرو۔ تمہارے لئے چارپائے حلال ہیں" اس میں ایفائے عہد کے ساتھ حِلّتِ اَنعام کا کیا جوڑ ہے؟

اگر سوال فلسفہ، منطق یا ریاضی کا ہوتا تو ایسی جامع مانع تقریر جھاڑ دی جاتی جو سامعین کو مبہوت کر دیتی اور مزید سوال کی گنجائش ہی نہ رہتی مگر یہاں تو حقائق و معارفِ قرآنی کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جواب میں آپ کی بے بسی کو دیکھ کر شیخ نے فرمایا "پھر یہیں سے قرآن شروع کر لو۔"

حضرتِ شیخ رَبطِ آیات و سُوَر، تفسیری مباحث، تحقیق و تدقیقِ آیات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے مشکل سے مشکل آیات حل کرنے میں خاص کمال حاصل تھا۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رح تفسیر القرآن کے سبق میں شامل ہو گئے لیکن علاقہ غیر مانوس، دلکش مناظر سے خالی اور دشت و صحرا پر مشتمل تھا۔ دلجمعی کے اسباب میسر نہ آئے اور واپسی کا ارادہ کر لیا۔ مولانا عبدالرؤف ہزاروی کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے مشفقانہ ترغیب و تحریص کے ذریعہ ارادہ

ملتوی کرنے پر رضامند کرلیا۔ بعدہٗ حضرت الشیخ کی بلند پایہ علمی صلاحیتوں اور علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ بصیرت مشاہدہ کرنے اور قرآنی اسرار و رموز سے مستفید ہونے پر طمانینتِ قلبی نصیب ہوگئی اور مولانا عبدالرؤف کے سپاس گذار بن گئے اور عمر بھر احسانمندی کے ساتھ انہیں نیک دعاؤں سے نوازتے رہے۔

شیخ القرآن اپنی عدیم النظیر محنت و کاوش، بے مثال ذہانت و فطانت اور پورے انہماک کے ساتھ شیخ کے افاداتِ عالیہ سے مستفید و مستفیض ہونے لگے۔ شبانہ روز کی جان گداز محنت کے نتیجہ میں سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن مجید سے ایسی گہری وابستگی پیدا ہوگئی کہ تا دمِ واپسیں ان کے رگ و ریشے میں سرایت کئے رہی۔ قرآن مجید کے ساتھ غایت درجہ عشق اور علمی کمالات کے پیشِ نظر شیخِ مکرم نے فرمایا تھا "آپ تو شیخ القرآن ہیں"

اپنے شاگرد رشید کی خداداد صلاحیتوں اور علوم و فنون میں بدرجہ اتم مہارت کے پیش نظر شیخ کو بجا طور پر امید وابستہ تھی کہ میرے اشاعتِ توحید و سنت کے مشن کو تابندہ و پائندہ رکھنے کی پوری استعداد کے مالک ہیں لہذا یہ میرے مشن کے علمبردار ہوں گے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ استادِ محترم کے گلشنِ توحید کی آبیاری شیخ القرآن نے اپنے خونِ جگر سے کی۔ اور اسے برگ و بار سے ہمکنار اور پُر از میوہ و بہار بنا دیا۔

عمرہا در کعبہ و بتخانہ مے نالد حیات تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

شیخ القرآن علم و دانش کے چشمہ حیواں کی تلاش و جستجو میں نکلے اور پھر سیراب و کامیاب واپس آئے۔ آپ نے ظاہری علوم و معارف کے استفادہ کے ساتھ

ساتھ باطنی اصلاح وتربیت کے لئے عارف باللہ علامہ حسین علی ہی کو اپنا مربی ومرشد بنالیا۔ جن کے تلقین کردہ اوراد و وظائف گوناگوں مصروفیات کے باوجود پابندی سے ادا کرتے رہے۔ شیخ سے آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی تھی۔

رئیس المفسّرین مولانا حسین علی نوّر اللہ مرقدہٗ کی شخصیّت

الشیخ العالم الصالح حسین علی بن الحافظ میاں محمد عبداللہ الحنفی، النقشبندی الوانی واں بھچراں ضلع میانوالی میں ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا سنِ ولادت ۱۲۸۵ھ تھا۔[1]

مولانا سجاد بخاری صاحب نے ۱۲۶۳ھ کا قول اختیار کیا ہے جبکہ شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدین رح نے ۱۲۸۵ھ ذکر کیا ہے۔[2]

حضرت کی ابتدائی تعلیم مقام شادیا نزد واں بھچراں اور بمقام تلہریاں جو تھل میں ایک موضع ہے، میں ہوئی۔[3] بعد میں کانپور کا سفر اختیار فرمایا۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رقمطراز ہیں۔

وقرأ سائر الکتب الدرسیة	اور معقولات اور منقولات کی تمام
علی مولانا احمد حسن کانپوری	درسی کتب مولانا احمد حسن کانپوری سے
معقولا ومنقولا[4]	پڑھیں۔
وقرأ الحدیث علی الامام	امام وقت مولانا رشید احمد گنگوہی بن
رشید احمد بن ہدایت احمد	مولانا ہدایت احمد سے صحیح بخاری

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸: ۱۲۱ [2] فیوضات حسینی: ۷، [3] ایضاً [4] نزہۃ الخواطر: ۱۲۲

الگنگوھی، قرأ علیہ الصحیحین   صحیح مسلم، سنن ترمذی اور سنن ابو داؤد پڑھی
وسنن الترمذی وسنن ابی
داؤد۔

مولانا سجاد بخاری لکھتے ہیں۔

۱۳۰۳ھ میں عارف ربانی حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہو کر تفسیر پڑھی اور ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن صاحب سے کانپور میں منطق و فلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ وطن واپس آنے کے فوراً بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور تقریباً ساٹھ برس تک پاک و ہند کی سرزمین میں شمعِ ہدایت فروزاں کئے رہے۔ آخر چار دانگِ عالم میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلانے اور علوم و معارف کا نور بکھیرنے کے بعد اپنے وقت کا وہ بہت بڑا محدث اور عظیم مصلح رجب ۱۳۶۳ھ میں اپنے رب رحیم اور مولائے رؤف سے جا ملا[۱]۔

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں :۔

شیخ نے توحید اور دینِ خالص کی تبلیغ میں بہت زیادہ جد و جہد کی شرک کی جملہ انواع و اقسام کا رد پوری قوت سے کیا۔

مولانا سید احمد رضا بجنوری لکھتے ہیں :۔

"الشیخ المحدث العارف مولانا حسین علی نقشبندی حنفی قدس سرہ (۱۳۶۴ھ) حضرت مولانا گنگوہی رح کے تلمیذ حدیث، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رح کے

---

[۱] ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ نومبر ۱۹۶۵ء، فیوضاتِ حسینیہ ص ۸

تلمیذِ تفسیر، حضرت خواجہ محمد عثمان رح کے خلیفۂ مجاز، پنجاب کے مشہور و معروف مقتدار و شیخِ طریقت تھے۔ تقریباً پچاس سال تک اپنی خانقاہ واں بھچراں میں درسِ قرآن و حدیث اور افادہ باطنی کے مبارک مشاغل میں منہمک رہے۔ دن رات اکثر اوقات تعلیم و تربیت سے معمور رہتے تھے۔

راقم الحروف کو بھی حضرت الاستاد شاہ صاحب قدس سرہٗ کے ارشاد پر آپ کی خدمت میں حاضری، بیعت اور ۲۲، ۲۳ روز قیام کر کے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ پڑھنے اور دوسرے استفادات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ طلبہ و مسترشدین پر حد درجہ شفیق تھے۔[۱]

سید صاحب موصوف بیعت کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں :۔

"دار العلوم سے فراغت کے بعد بیعتِ سلوک کی طرف رجحان ہوا حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ (علامہ انور شاہ کشمیری رح) سے استشارہ کیا، کہ کس سے بیعت ہوں۔ تو حضرت نے شیخِ وقت مولانا حسین علی صاحب میانوالی قدس سرہٗ کا مشورہ دیا۔ احقر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور تا حیات استفادات کرتا رہا۔"[۲]

سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہ اپنے پیر بھائی کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں :۔

"مولوی حسین علی صاحب قوم میانہ ساکن واں بھچراں سلمہ اللہ تعالےٰ از خاصۂ اصحاب و اعظمِ خلفائے حضرت قبلۂ ما قلبی و روحی فداہ اند۔ عالم فاضل، جید،

---

[۱] مقدمہ انوار الباری جلد ۲ صفحہ ۲۶۳ [۲] ایضاً صفحہ ۲۷۵

صوفیٔ کامل، خوش استعداد ظاہری و باطنی و استاذ حضراتِ صاحبزادگان اند..... صاحبِ حالات اند، کشفہائے صحیح میدارند، واکثر اوقات خوابہائے خوب خوب می بینید۔ اگرچہ حالاتِ باطنی ایشاں بسیار اند و لیکن بسبب طولِ عبارت در تحریر اندراج اختصار کردہ شد۔[۱]

مولانا سجاد بخاری رح لکھتے ہیں :۔

"اللہ تعالےٰ نے اس "بندۂ صحرائی" کو نہایت بلند فکری اور ذہنی صلاحیتوں سے نوازا۔ اور علومِ اسلامیہ میں مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی۔ پھر فقیہ النفس، محدّث وقت مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ، عارفِ ربانی حضرت ملّا محمد مظہر نانوتوی المتوفی ۱۳۰۲ھ، جامع منقول و معقول حضرت مولانا احمد حسن کانپوری اور جامع شریعت و طریقت، واقفِ اسرارِ حقیقت حضرت خواجہ محمد عثمان المتوفّٰی ۱۳۱۴ھ قدس اسرارہم ایسے اُساتذہ و شیوخ کی مشفقانہ تعلیم و تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور ان کی فطری صلاحیتوں اور اکتسابی خوبیوں کو چار چاند لگا دیئے۔

آپ کے شیخِ طریقت حضرت خواجہ صاحب قدس سرّہٗ کو آپ کی فقہی اور دینی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ مسائلِ اختلافیہ میں آپ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اپنے فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ محمد سراج دین قدس سرّہٗ کی تعلیم ان کے سپرد فرما رکھی تھی۔[۲]

مولانا عبدالحمید سواتی رقمطراز ہیں :۔

"حضرت مولانا حسین علی رح کو اللہ تعالےٰ نے بڑا وسیع علم عطا فرمایا تھا خصوصًا

---

[۱] فوائد عثمانی صفہ ۱۲۱،۱۲۰ بحوالہ اقامت البرہان صفہ ۱۰ [۲] اقامت البرہان صفہ ۴

علم حدیث اور تفسیر، فقہ، علم کلام اور تصوف وسلوک میں بڑی وسیع دستگاہ رکھتے تھے۔ اور بڑی ٹھوس علمیت اور استعداد کے مالک تھے۔ علم اسماء الرجال میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی۔ حدیث کی نقد وجرح میں کامل تھے اور مختلف احادیث کی تطبیق میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے ترجمہ اور مطالب بیان کرنے میں اور مضامین کے استحضار اور آیات اور سورتوں کا ربط بیان کرنے میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔

مثنوی مولانا رومی اور رضی شرح کافیہ پر بڑا عبور تھا۔ نحوی تحقیقات حسبِ موقع رضی سے کرتے تھے۔ اور کئی مسائل میں رضی کی عبارتیں زبانی پڑھ کر سُنا دیتے تھے۔ اسی طرح مثنوی کے اشعار بکثرت زبانی پڑھ کر بے شمار مسائل میں خصوصاً علم کلام اور تصوف وسلوک اور حقائق ومعارف کے بیان میں سنا دیتے تھے۔

تحفۂ ابراہیمیہ سے ہی ناظرینِ کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت کی شخصیت بڑی حد تک جامع تھی۔ آپ کو علم وعمل دونوں میں اللہ تعالےٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں بہت ذاکر شاغل اور فنا فی التوحید تھے۔"[۱]

مولانا عبد الحمید سواتی مزید لکھتے ہیں :۔

"جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے حضرت مولانا حسین علی رح نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور اپنے علاقہ کے بعض دوسرے علماء سے حاصل کی لیکن اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو ہندوستان کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ حضرت گنگوہی، مولانا محمد مظہر نانوتوی رح

---

[۱] فیوضات حسینی ص۱۳

اور مولانا احمد حسن جیسے اکابر سے علم حاصل کیا۔

چنانچہ مولانا حسین علی رح خود اپنی سند میں فرماتے ہیں کہ "میں نے قرآن کریم کی تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر رح سے پڑھی جو حضرت شاہ اسحٰق رح کے شاگرد تھے اور وہ شاہ عبدالعزیز رح کے اور وہ شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے۔

پھر میں نے دوبارہ قرآنِ کریم کی کچھ تفسیر اپنے شیخ فی الحدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھی جو شاہ عبدالغنی رح کے تلمیذ تھے اور وہ شاہ اسحٰق کے شاگرد تھے۔ اور اسی طرح مجھے قرآن مجید کی اجازت اپنے مرشد خواجہ محمد عثمان سے بھی حاصل ہے ان کو اپنے مرشد حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری سے اور ان کو شاہ احمد سعید سے ان کو حضرت ابوسعید سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز سے، اس کے بعد کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی اسناد وکتب میں درج ہے جو انتہا میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے[۱]۔

حضرت شیخ القرآن بیان فرماتے تھے، جب میں حضرت شیخ کی خدمت میں پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تو ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ ہم طلبا نمازِ فجر کے لئے اُٹھتے تو وضو کے لئے کوزے بھرے ہوئے موجود ہوتے جبکہ کنواں بہت زیادہ گہرا تھا اور اس سے پانی نکالنا خاصا دشوار تھا۔ میں نے اپنے ساتھی مولانا نذر شاہ صاحب جو کالیا سے پوچھا کہ طلباء کے لئے پانی کون بھرتا ہے، وہ کہنے لگے چھوڑ دو۔ تمہیں اس سے کیا ہے حضرت کا کوئی مرید یا عقیدتمند بھر دیتا ہوگا۔ میں نے کہا

۱۔ فیوضات حسینی ص۲۴

مریدوں کو طلباء کے ساتھ اس قدر ہمدردی کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس جستجو میں رات بھر بیداری میں گذاری۔ رات کے آخری حصہ میں جب پانی کے برتنوں کے اٹھانے رکھنے کی آواز آئی تو میں دبے پاؤں مسجد میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ بنفسِ نفیس پانی کھینچ کر کوزے بھر رہے ہیں۔ میں نے ان سے ڈول لے کر خود پانی بھرنا چاہا لیکن شیخ نے مجھے اجازت نہ دی اور فرمایا "یہ طالب علم اللہ کا قرآن پڑھنے آئے ہیں، ان کی خدمت کرنا میرا حق بنتا ہے"۔

حضرت الشیخ کی حیثیت ایک شفیق باپ اور ایک مہربان مربی کی سی تھی۔ وہ طلباء میں گھل مل کر رہتے تھے، ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ ان سے خدمت لینے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا بلکہ خود ان کی خدمت کرنے میں فخر محسوس فرماتے تھے۔ طلباء کی خورد و نوش کا سارا انتظام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک طالب علم شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے دورۂ تفسیر پڑھ کر حضرت شیخ کی خدمت میں واں بھچراں حاضر ہوا تو ساری رات اس سے مختلف آیات کے متعلق دریافت فرماتے رہے کہ اس آیت کے متعلق حضرت لاہوری کیا فرماتے تھے۔ اس آیت کا ربط ماقبل اور مابعد کی آیات کے ساتھ کس طرح بیان فرماتے تھے۔ یہ میرے شیخ کی قرآن مجید کے ساتھ گہری وابستگی کا عالم تھا اور ساتھ ہی قرآن کی خدمت کرنے والوں کی قدردانی کا مظہر بھی تھا۔

اشتیاقِ علمِ حدیث

شیخ القرآن جب معارفِ قرآنیہ کا گراں مایہ خزینہ اور علومِ فرقانیہ کا بیش بہا

گنجینہ حاصل کر چکے تو عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مقتضی ہوا کہ اپنے آقا اور مولا، مولائے کُل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ طیبہ کے انمول موتی بھی حاصل کئے جائیں جس طرح احسان و تزکیہ کے حصول اور قرآنی رموز و معارف کی روح پرور سیرابی کے لئے مردِ حق آگاہ اور خضرِ راہ قدوۃ السالکین، رئیس المفسرین مولانا حسین علی برّد اللہ مضجعہ جیسا مربی مل گیا، اسی طرح علمِ حدیث کے گنجہائے گرانمایہ سے سرفراز ہونے اور وادیٔ علم و ادب کو کامیابی اور فتحمندی سے طے کرنے کے لئے مشیّتِ ایزدی نے جامعِ معقول و المنقول خاتم المحدثین علّامہ انور شاہ کاشمیری جیسا خضرِ راہ عطا فرمایا۔

تائیدِ غیبی کے طور پر یہ واقعہ رُونما ہوا کہ شیخ القرآن کے فنون کے ہم سبق ساتھی مولانا عبدالقدیر نے (موجودہ شیخ الحدیث دار العلوم تعلیم القرآن)، جو ڈھابیل میں دورۂ حدیث میں شریک تھے، خط لکھا کہ علامہ کاشمیری اکثر بیمار رہتے ہیں لہٰذا وقت کو غنیمت سمجھیں اور جس قدر جلد ممکن ہو، ان سے استفادہ کریں۔ شیخ القرآن نے اس ارادہ سے اپنے مرشد کو آگاہ کیا تو انہوں نے برضا و رغبت جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کاغذ کے معمولی سے پُرزے پر چند تعریفی اور سفارشی الفاظ تحریر فرما کر علمِ حدیث کے انوار سے فیضیاب ہونے کے لئے پیکرِ علم و فضل، نابغۃ العصر بحر العلوم علامہ سیّد انور شاہ کاشمیری کی خدمت میں ڈھابیل بھیج دیا۔ علامہ موصوف معارف و اسرارِ قرآن و حدیث اور علومِ عقلیہ و نقلیہ کے بحرِ بیکراں تھے۔ ان کا حلقۂ درس حَدَّثَنَا وَاَخبَرَنَا کے زمزموں سے زعفران زار بنا ہوا تھا اور پوری دنیا میں ان کے فضل و کمال کا طوطی بول رہا تھا۔

شیخ القرآن کو ڈھابیل پہنچنے پر معلوم ہوا کہ امام العصر علالت کے باعث گھر پر

تشریف رکھتے ہیں۔ آپ خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے اور امام العصر کو بسترِ علالت پر پایا۔ آپ کی خدمت میں قدوۃ المفسرین علامہ حسین علی رح کا گرامی نامہ پیش کیا۔ موصوف مولانا کا اسمِ گرامی سن کر بے ساختہ فرمانے لگے، مجھے بٹھایا جائے۔ بیٹھ کر رقعہ، ادب سے چوما اور بغایت عزت واحترام سے آنکھوں پر لگایا۔ پھر فرمایا۔ حضرت کا فرمان سر آنکھوں پر، لیکن افسوس کہ علالت کے باعث آپ کی علمی تشنگی بجھانے سے سرِدست قاصر ہوں۔ بہتر ہے کہ آپ دارالعلوم (دیوبند) تشریف لے جائیں تاکہ آپ کی علمی تشنگی کا مداوی ہو سکے۔

شیخ القرآن جو عزم و استقلال کے پہاڑ تھے اس واقعہ سے کبیدہ خاطر ہو کر ہمت ہارنے کی بجائے فی الفور دارالعلوم تشریف لے گئے جہاں شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی علومِ نبوت کے موتی بکھیر رہے تھے۔ حسبِ دستور اُستاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی نے آپ سے داخلہ کا امتحان لیا۔ موصوف آپکی اعلیٰ صلاحیت، بے مثال قابلیت اور علمی تفوق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لئے انہوں نے سفارشی نوٹ لکھا۔ "طالب علم بیحد ذہین و فطین اور ذی استعداد ہے لہٰذا قیام وطعام کی خصوصی سفارش کے ساتھ داخلہ کی اجازت دی جاتی ہے۔"

آپ نے دیوبند کے اجلّہ شیوخ سے کسب فیض شروع کیا۔ مگر علامہ انور شاہ صاحب کی طلب و تڑپ میں دل مضطرب رہتا۔ چنانچہ جب اللہ تعالےٰ نے انہیں صحت کی نعمت سے نوازا اور اسباق شروع کرا دئیے تو شیخ القرآن یہ مژدہ جاں فزا سنتے ہی ڈھابیل خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر "انوری خزینہ" سے علم کے انمول موتیوں سے دامن بھرنے لگے۔ امام العصر کے تبحرِ علمی کو دیکھ کر بے ساختہ یہ زبان پر آتا تھا۔

کہ خزانۂ قدس کے لدُنّی سرچشمے تک ان کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب و کوشش سے اس مقام تک رسائی ممکن نہیں۔

بہرحال شیخ القرآن مرحوم نے جس ذوق و شوق، ولولہ و انہماک سے معقولات و منقولات کا علم حاصل کیا تھا وہی استغراق اور جاں سوز محنت علم حدیث کے حصول میں بھی کارفرما تھی۔ آپ کا محیّر العقول حافظہ اور بلند پایہ صلاحیتیں امام العصر کی خصوصی توجہ اور باطنی عنایات کا مرکز بن گئیں۔ دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہدِ عدل ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے "پیشِ مردِ کاملے پامال شو" پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ شیخ القرآن کو بھی اللہ کریم نے جس بلند علمی مقام سے نوازا تھا وہ ان کی ذہانت، ذکاوت اور علمی استعداد سے کہیں زیادہ امام العصر کے فیضانِ نظر کا مرہونِ منت تھا۔

شیخ القرآن کے علمی کمالات پر اس فقید المثال واقعہ نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ جہاں آپ امام العصر سے علوم نبوت سے بہرہ مند اور فیضیاب ہو رہے تھے وہاں منطق اور فلسفہ کے اسباق کے علاوہ رئیس المفسرین علامہ حسین علی کے طرز پر بنگالی طلباء کو تفسیر قرآن بھی پڑھا رہے تھے۔ یہ اعزاز اور سعادت مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے کہ بیک وقت طالب علم بھی ہو اور شیخ التفسیر بھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۝

این سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب یہ قابلِ صد افتخار اطلاع امام العصر کے گوش گذار ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگردِ رشید کو ایک عمدہ و نفیس خلعت مرحمت فرما کر اپنی مسرت و انبساط کا اظہار فرمایا

امام العصر اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی آپ کے حدیث کے اُساتذہ میں سے ہیں۔ اس طرح ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغ حاصل کی۔

شیخ القرآن اب علوم عقلیہ، نقلیہ، قرآنی معارف و اسرار اور حدیثِ سیّد الابرار کے عرفان و رموز سے کماحقہٗ بہرہ یاب اور سیراب ہو چکے تھے۔ علم کا یہ سمندر طلاطم خیز تھا۔ مشاہیر اہلِ علم کے فیضانِ نظر نے انہیں فضیلت و سعادت کا ماہتاب اور زمانے کا مقتدا بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کا جلیل القدر اور رفیع المرتبت مشن لے کر تعلیم و تعلم کے میدان میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ امام العصر نے اپنے ظلِّ عاطفت میں ایک سال کامل جامعہ اسلامیہ ڈھابیل میں اعزازی معلّم کی حیثیت سے تدریس پر مامور فرمایا ؎

یہ رتبۂ بلند مِلا جس کو مل گیا ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

حضرت شیخ فرماتے تھے "علامہ عثمانی ترمذی میں میرے اُستاد تھے۔ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ جب وہ مسلم شریف کی شرح فتح الملہم لکھ رہے تھے تو فرماتے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی تدوین میں آپ میرے پاس رہیں۔ لیکن وطن کی طرف مراجعت کے باعث اس خدمت میں خاطر خواہ حصہ نہ لے سکے۔

اِکرام القادری

شیخ القرآن

مولانا غلام اللہ خانؒ

ہر قدم اٹھتا تھا تیرا دیں کی عظمت کے لیے
عمر بھر لڑتا رہا توحید و سنت کے لیے

اے فدائے سرورِ کونین اے مستِ اَلست
تُو نے جھیلے ہیں مصائب ملک و ملت کے لیے

وہ ترا عشقِ رسالت وہ ترا سوزِ دروں
وہ ترا جوشِ جنوں ختمِ نبوت کے لیے

اُمتِ سرکارِ طیبہ پر ترے احسان ہیں
تُو نے کیا کچھ نہ کیا اس خیرِ اُمت کے لیے

جیسی جُرأت تجھ کو بخشی تھی خدائے پاک نے
اب ترستا ہے زمانہ ایسی جُرأت کے لیے

قریہ قریہ بستی بستی تیری تقریروں کی گونج
تُو نے تن من دھن لٹا ڈالا شریعت کے لیے

جو تری اک اِک ادا پر جان و دل سے ہیں فدا
اب کہاں جائیں گے وہ تکمیلِ سیرت کے لیے

وقف کر ڈالا تھا تو نے لمحہ لمحہ زیست کا
خواجۂ کونین کے یاروں کی مدحت کے لیے

میزبانی کے تری قصے جہاں میں عام ہیں
مستعد تھا اپنے بیگانوں کی خدمت کے لیے

تیرا مسلک حُبِ اصحابؓ نبیؐ و اہلِ بیتؓ
تیرا دم تھا وجہِ تسکیں اہلِ سنت کے لیے

اہلِ حق کے واسطے اکرام ابریشم تھا وہ
خنجرِ خونخوار تھا وہ اہلِ بدعت کے لیے

بابِ دوم

دینی خدمات

آغازِ تدریس

راولپنڈی آمد

دارالعلوم تعلیم القرآن کا قیام

دورۂ تفسیر اور اس کی خصوصیات

علمی وجاہت

آغاز تدریس

وطن مراجعت کے بعد ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں مدرسہ برکات الاسلام وزیر آباد سے تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔ بعد ازاں گجرات عیدگاہ والی مسجد میں منتقل ہو گئے تھے۔ عنفوانِ جوانی اور نو وارد ہونے کے باوجود شیخ کی قابلِ رشک صلاحیتوں اور قابلیت کی شکوہ و سطوت طلباء کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی اور دور دراز سے طلباء پروانہ وار آنے لگے اور بیک وقت ساٹھ سے زائد طلباء شریک درس ہوتے تھے۔

شیخ نے جس طرح محنتِ شاقہ، جاں فشانی اور عرق ریزی سے علوم و فنون کی دولت حاصل کی تھی، اسی طرح پڑھانے میں بھی بے مثل شغف و انہماک، دلچسپی اور شوق کارفرما تھا۔ موصوف کا اصلی ذوق اور افتادِ طبع مطالعہ ہی تھا، جو ان کی غذا اور لازمۂ زندگی بن گیا تھا۔ حسب ذیل معرکۃ الآراء کتب پڑھاتے تھے مطول، مختصر معانی، مولوی، حسامی، توضیح و تلویح، مسلم الثبوت، صغریٰ کبریٰ تا میر زاہد، ملا حسن

ملاجلال، امورِ عامہ وغیرہ نیز مشکوٰۃ، ہدایہ وغیرہم۔

استعداد کامل، فکرِ صائب اور ذہن رسا کے باعث بہت جلد علم کے اس مقام رفیع تک پہنچ گئے جسے حاصل کرنے کے لئے کہنہ مشق شیوخ اپنی عمریں کھپا دیتے ہیں۔ اسی زمانہ میں کچھ عرصہ بھیرہ ضلع سرگودہا مولانا ظہور احمد بگوی دیوبندی کے مدرسہ میں بھی رونق افروز رہے۔ شیخ القرآن مرحوم کے نامور تلمیذ رشید مولانا عبدالہادی موجودہ نائب شیخ الحدیث دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی بیان فرماتے ہیں۔ جب حضرت شیخ گجرات سے بھیرہ تشریف لے گئے تو ہم ۶۳ طلبا بھی ان کے ساتھ گئے تھے۔ "بھیرہ" کے بعض نامور تلامیذ کے اسماء یہ ہیں۔ مولانا محمد اکرم اللہ سرو ضلع سرگودھا مولانا عبدالقادر جھاوریاں ضلع سرگودھا، مولانا قاضی مظہر حسین چکوال، مولانا محمد اسلم ضلع سرگودھا، مولانا محمد زمان میانوالی۔ مولانا علی محمد میاں وال۔ مولانا عبدالقیوم خان حال خطیب برطانیہ، مولانا عظیم خان چھچھ، مولانا محمد یوسف مانسہرہ، مولانا حافظ محمد رمضان علوی اور مولانا چن پیر حویلیاں۔

اگرچہ آپ کی علمی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور آپ طلبا کے ملجا و ماویٰ تھے لیکن علاقہ کے لوگوں کے مشرکانہ عقائد اور بدعات کے خوگر ہونے کے باعث شیخ القرآن کی خالص توحید کے موضوع پر تقریریں ان کے مزاج کیخلاف ہونے کے باعث ان کی طبیعتیں مکدر ہونے لگیں اور بجائے اصلاح پذیری کے آمادہ فساد ہوئیں تو مولانا ظہور احمد بگوی مہتمم مدرسہ نے شیخ کو بھیرہ سے گجرات منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ اور کہا اسی میں بہتری ہے۔

چنانچہ آپ ۱۹۳۶ء میں "مدرسہ شاہ حسین" گجرات تشریف لے گئے اور فرائض

تدریس انجام دینے لگے۔ اندرون شہر دولی گیٹ چھوٹی مسجد نظام دین میں شیخ کا قیام تھا جب کہ طلبہ وٹنی والی مسجد میں رہتے تھے۔ اگرچہ وزیرآباد اور گجرات کے قیام کا مجموعی زمانہ صحیح معلوم نہیں ہو سکا لیکن یہ امر یقینی ہے کہ آپ نے ابتداء وزیرآباد سے فرمائی پھر گجرات تشریف لے گئے بعدازاں بھیرہ میں تقریباً ایک سال گذارا اور پھر گجرات تشریف لے آئے۔

مولانا عبدالرحمٰن خطیب سنہری مسجد فیصل آباد بیان کرتے ہیں کہ شیخ فرمایا کرتے تھے۔ دو سال وزیرآباد، ایک سال بھیرہ اور چھ سال گجرات قیام کیا تھا۔ وزیرآباد میں دس روپے مشاہرہ ملتا تھا، گجرات میں بیس روپے مشاہرہ پر تعیناتی ہوئی تھی اسی اثنا میں آپ کے والد جناب ملک فیروز خان کو اطلاع ملی کہ "غلام خان" گجرات میں قیام پذیر ہے۔ شفقتِ پدری موجزن ہوئی اور ملک صاحب ملاقات کی غرض سے گجرات روانہ ہو گئے۔ ملک صاحب رنجیدہ خاطر تھے کہ میرے بیٹے نے منافع بخش تعلیم حاصل نہیں کی۔ اگر اسکول کالج کی تعلیم حاصل کرتا تو کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا اور بڑے بڑے لوگ ملنے آتے، میری عزت افزائی ہوتی اور خاندان کا نام روشن ہوتا۔

لیکن ملک صاحب یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ گجرات کی قدیم طرز کی تعمیر شدہ مسجد کے صحن میں ایک بوریا نشین براجمان ہے، سامنے درسِ نظامی کے منتہی طلبہ حلقہ نما ہیں۔ ذی وقار، صاحبِ جبہ و دستار علماء، نامور زمیندار اور بڑے بڑے رئیس قدم بوسی کے لئے نیازمندانہ حاضری دے رہے ہیں۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

بارِ خدایا! میں تو اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ دنیا دار صاحبِ عزت و وقار

ہوتا ہے لیکن علمِ دین کی برکات دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ اور عقل مسحور ہوگئی کہ میرا بیٹا "غلام خان" شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ لوگوں کے دلوں پر بادشاہی کر رہا ہے۔ حقیقی عزت اور شرف و مجد دین ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر والد گرامی قدر کا دل باغ باغ ہو گیا۔ ع

نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است

"تکلفات کی سحر انگیزی سے مبرّا سادگی کا زمانہ تھا۔ ملک صاحب متمول زمیندار ہونے کے باوجود ایک سادہ لوح دیہاتی تھے جہاں دسترخوان کی زینت ایک ہی قسم کا کھانا ہوتا تھا۔ لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ "غلام خان" کے دسترخوان پر چند قسم کے کھانے دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ پہلے کونسا کھایا جائے اور بعد میں کون سا۔ آخر کہنا پڑا "غلام خان ماں دس تنے سہی پہلے کیہڑا کھاواں" اب تو علم دین کی عظمت اور بھی آشکارا ہوگئی اور خوشی میں کہنے لگے "ماں کیہ پتہ اے جے توں اتنا امیر ہو گیا ایں"۔ حضرت شیخ نے گجرات کا مشہور تحفہ "چارہ کاٹنے والی مشین" والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا جسے دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور علم دین کے متعلق جس قدر بدگمانیاں دل میں تھیں سب کافور ہوگئیں اور بیٹے کی شادی خانہ آبادی کی فکر دامنگیر ہوگئی۔ چنانچہ والد صاحب کی پیش کش پر آپ وطنِ مالوف چھچھ تشریف لے گئے اور ازدواجی سلسلہ میں منسلک ہو گئے۔

حضرت شیخ بیان فرمایا کرتے تھے کہ جب والد صاحب نے میری شادی کا اہتمام کر لیا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ شادی کی تقریب میں میرے شیخ ضرور شریک ہوں۔ چنانچہ میں خود ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنی قلبی خواہش

کا اظہار کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ "بھلا لوگ وہاں مجھ سے قرآن سنیں گے"۔ مجھے اپنے گھر اور گاؤں کا حال معلوم تھا۔ اس لئے میں نے عرض کیا "حضرت کوئی اور نہیں سنے گا تو میں سننے کے لئے ضرور موجود ہوں گا"۔ یہ سنکر شیخ مطمئن ہو گئے۔ بس بس ہم ضرور چلیں گے۔ بات تو وہی ہوئی جس کا مجھے ڈر تھا۔ شیخ جب میرے گاؤں تشریف لائے، تو نہ صرف یہ کہ میرے والد صاحب نے کوئی خاص توجہ نہیں کی اور نہ ان کی خدمت کی بلکہ میرے گاؤں کے گدّی نشین پیر صاحب نے بھی ہر ممکن کوشش کی کہ شیخ کسی بھی وقت نمازیوں کے سامنے قرآن بیان نہ کرنے پائیں اور نہ ہی گاؤں کے لوگوں کو شیخ کی باتیں سننے کا موقع مل سکے۔ صرف میں اور میرے دو ایک دوست شیخ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہے۔ البتہ علاقہ چھچھ کے علماء کو جب شیخ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ خاصی تعداد میں جمع ہو گئے اور تین دن تک علمی محفلیں جمتی رہیں اور ہم نے خوب استفادہ کیا۔

واپسی پر اگرچہ میں بڑا فکرمند تھا اور شرمندہ بھی مگر شیخ کو قطعاً کوئی ملال نہیں تھا۔ وہ بیحد خوش اور مطمئن دکھائی دیتے تھے اور چلتے وقت بار بار کہہ رہے تھے۔ "شکر ہے کہ مسئلہ بیان ہو گیا"۔

گجرات کے قیام کے دوران تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ کے مواعظ کا مرکزی موضوع توحیدِ خداوندی تھا۔ ایمان وعقائد کا یہ اساسی مسئلہ علماءِ کرام کی بے اعتنائی کا شکار ہو چکا تھا۔ عوام تو درکنار علماء تک کو یہ ادا پسند نہ آئی، وہ آباء و اجداد کی مشرکانہ رسومات وعقائد کو چھوڑنا ذلت و رسوائی سمجھتے تھے۔ بعض لوگوں نے پند و نصائح کے ذریعہ شیخ القرآن کو یہ

موضوع ترک کرنے کی ترغیب دی۔ بعض نے اس کے سنگین نتائج کی دھمکی دی۔ مگر شیخ القرآن نے کسی کی مخالفت و موافقت کی پرواہ کئے بغیر اپنا مشن جاری رکھا۔ بالآخر کسی دل جلے کو سوجھی کہ مولانا حسین علی کو بلا کر خالص توحید بیان کرائی جائے تاکہ لوگ شیخ القرآن کے جانی دشمن بن جائیں اور انہیں مسجد سے نکال دیں چنانچہ کسی نے شیخ کی طرف سے جعلی خط حضرت مولانا حسین علی کی خدمت میں لکھ دیا "کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور مسئلہ توحید بیان فرمائیں۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ کا وعظ سننے کے مشتاق ہیں"۔ شیخ القرآن ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت تشریف لے آئے۔ حیرت کے ساتھ عرض کیا حضرت کیسے تشریف آوری ہوئی۔ فرمایا: "اللہ راضی تھیوے تینڈا خط ملیا اے جے آکے مسئلہ سُنا جاؤ" بہرحال پھر حضرت نے پوری شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ توحید بیان فرمایا۔ لیکن لوگ غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے اور شیخ القرآن کو ۱۹۳۸ء میں مسجد سے جواب مل گیا۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ القرآن نے لولاك لما خلقت الافلاك کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ جس طرح یہود نے عزیر علیہ السلام، نصارٰی نے عیسٰی علیہ السلام اور روافض نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بے بنیاد نظریات قائم کر لئے ہیں، اسی طرح مسلمانوں نے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسی نوعیت کی موضوع اور ضعیف روایات کا سہارا لیا ہے۔ اس وجہ سے بھی لوگوں میں اشتعال اور نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ بہرحال آپ کو گجرات سے رخصت ہونا پڑا۔

اگرچہ وقتی طور پر مخالفین اور حاسدین اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو گئے، لیکن مشیتِ ایزدی ان پر خندہ زن تھی اور ہفت افلاک سے اوپر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ گجرات کے مدرسہ حسینیہ کا فاضل مدرس "راولپنڈی" جیسے مرکزی شہر میں علوم و فنون کا ایک ایسا عظیم الشان مرکز قائم کرے جس کی نورانی شعائیں مسلمانانِ عالم کے دلوں کو منور کر دیں۔ ع

عدو شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

راولپنڈی آمد

قیامِ گجرات کے دوران شیخ عبدالغنی گجراتی ثم ڈھیری حسن آبادی آپ کی تقاریر سے بے حد متاثر ہوئے۔ اُن کی خواہش تھی کہ راولپنڈی میں واقع ان کے "اسلامیہ ہائی اسکول" میں عربی ٹیچر کی خدمات انجام دیں تو کتنا ہی اچھا ہو۔ آخر موصوف کی کوشش اور مولانا سیف الرحمٰن کی سعی سے آپ اسلامیہ ہائی اسکول میں معلم دینیات تعینات ہو گئے۔ آپ نے شیخ عبدالغنی سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے ساتھ طلباء بھی ہوں گے، اگر ان کے قیام کا انتظام ہو سکے تب میں اسکول میں بھی کام کروں گا۔ چنانچہ اسکول کے دو کشادہ کمرے آپ کے سپرد کر دئے گئے۔ اس زمانہ میں آپ کی رہائش شیخ عبدالکریم، شیخ عبدالرشید کے مکان میں محلہ شاہ نذر دیوان میں تھی۔

چونکہ اللہ تعالےٰ نے اشاعتِ توحید و سنت کا جلیل القدر منصب شیخ القرآن کے سپرد کرنا تھا اور اس کے لئے ایک "مرکز" درکار تھا۔ چنانچہ اس مقصدِ عظیم کے حصول

کی خاطر تائیدِ غیبی کے طور پر راہ ہموار اور حالات ساز گار ہونے لگے۔ چنانچہ پنڈی گھیب ضلع اٹک کے جلسہ میں امام التفسیر، قطب دوراں مولانا حسین علی قدس اللہ سرہ تشریف لائے۔ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ شیخ الحدیث قاضی شمس الدین، شیخ القرآن مولانا عبدالرؤف اور مولانا منور دین وغیرہ شریک ہوئے۔ حضرت شیخ کو تقریر کے لئے کہا گیا مگر اپنے شیخ کی موجودگی میں تقریر کرنے سے معذرت پیش کی۔ مگر شدید اصرار سے مجبور ہو کر آپ نے تقریر شروع کی۔ تقریر اس قدر مدلل اور مؤثر تھی کہ سبھی نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ استادِ مکرم کی دعائیں تو شاملِ حال تھیں ہی مگر موصوف کسی معنی خیز خاموشی میں محو تھے۔ پھر آپ یوں گویا ہوئے۔ "غلام خان! کاش ان علمی صلاحیتوں کو دین کی خدمت کے لئے صرف کرتے مگر تم نے اسکول کی ملازمت اختیار کر لی ہے"۔ اس پر شیخ الحدیث قاضی شمس الدین مولانا عبدالرؤف اور مولانا منور دین قدس سرہم کی مخلصانہ کوششوں سے آپ اسکول کی ملازمت چھوڑ کر صرف دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

اسی دوران ایک اور واقعہ بھی رونما ہوا کہ اسلامیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر قطب دین مرزائی تھا جس کی رہائش پرانا قلعہ کی مسجد کے قریب تھی۔ شیخ نے اس مسجد میں جمعہ کے دن مرزائیوں کے خلاف سخت تقریر کی جس سے مشتعل ہو کر ہیڈ ماسٹر نے آپ کو اسکول سے فارغ کر دیا۔

بہرحال اللہ رب العزت نے آپ کو تبلیغ دین کے لئے ایک مسجد عطا کر دی۔ جو مستقبل میں عظیم الشان دارالعلوم کے قیام کی بنیاد ثابت ہوئی۔

اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ جامع مسجد حنفیہ پرانا قلعہ میں مولانا پیر عبدالرحمٰن نقشبندی مجددی فاضلِ دیوبند خطیب تھے۔ انہوں نے اپنی مسجدِ عیدگاہ میں جمعہ شروع کر دیا اور مسجد خطیبِ جدید کا انتظار کر رہی تھی۔ شیخ القرآن کا جوشِ خطابت روبترقی تھا۔ آپ کی شعلہ بار تقاریر نے آپ کو عوام و خواص میں بہت جلد مقبول بنا دیا۔ شیخ کی جادو اثر تقریروں سے متاثر ہو کر مسجد پرانا قلعہ کی انتظامیہ نے پندرہ روپے مشاہرہ پر آپ کو خطابت کی پیشکش کی۔ موصوف نے فرمایا مجھے تنخواہ کی ضرورت نہیں، میں بلامعاوضہ محض اللہ کی رضا کے لئے امامت و خطابت کی خدمت انجام دوں گا۔ میری شرط صرف یہ ہے کہ میری بات سنی جائے اور مجھے قرآن بیان کرنے کی پوری طرح آزادی حاصل ہو۔

لیکن کچھ عرصہ بعد محلہ کے لوگ صرف اس وجہ سے آپ کے مخالف ہو گئے کہ آپ "توحیدِ خالص" بیان کرتے ہیں۔ اور کسی طرح کی لگی لپٹی نہیں رکھتے اور کسی کو بھی معاف نہیں کرتے۔ مخالفت کی شدت کے باعث آپ کو مسجد سے نکال دینے کی سازش ہونے لگی۔ حُسنِ اتفاق سے خان محمد یوسف خان جو حضرت شیخ پر فریفتہ تھے انہیں خیال آیا کہ ہماری دادی اماں بیان کیا کرتی تھیں کہ جامع مسجد پرانا قلعہ والی جگہ ہماری موروثی تھی اور ہمارے اجداد نے یہ مسجد بنائی اور وہی اس کے متولی تھے۔ چنانچہ یوسف خان موصوف نے محکمۂ مال سے نقول حاصل کیں۔ جن میں مسجد کی جگہ کی ملکیت اور اس کی تولیت ثابت ہو گئی۔ بنابریں خان صاحب نے وہ تمام کاغذات بمع جدید تولیت بنام شیخ القرآن، حضرت کے سپرد کر دیئے۔ اس طرح آپ دلجمعی سے دین کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہو گئے۔

اب تک آپ کی شہرت ایک کامیاب مدرس، نامور منطقی، نکتہ رس فلاسفر اور شعلہ نوا مفکر کی حیثیت سے تھی لیکن راولپنڈی میں آمد نے نہ صرف آپ کی علمی زندگی میں عہد آفریں اور تاریخ ساز انقلاب بپا کیا بلکہ پورے ملک میں خالص اسلامی عقائد و نظریات کے انقلاب کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔

باز آمد شاہِ من در کوئے من　　　باز آمد آبِ من در جوئے من

دارالعلوم تعلیم القرآن کا قیام

۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ پرانا قلعہ کی چھوٹی سی مسجد میں شیخ القرآن نے دارالعلوم تعلیم القرآن کی داغ بیل ڈالی جو راولپنڈی کی تاریخ میں پہلی مستقل دینی درسگاہ تھی اور جس نے اس شہر کو علمی دنیا میں لازوال تابندگی و درخشندگی سے نوازا۔ دارالعلوم اپنے عہدِ طفولیت ہی سے شائقینِ علوم و فنون کی توجہ کا مرکز اور مرجع بن گیا ابتدائی کتب سے منتہی تک تمام اسباق شیخ خود پڑھاتے تھے۔ طلبا کی تعداد پچاس ساٹھ تک ہوتی تھی۔ طلباء کے لئے دونوں وقت گھر سے کھانا آتا تھا۔ آپ کی ایثار پیشہ اور سعادتمند اہلیہ محترمہ اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کرتی تھیں ابتدائی دور میں مدرسہ کی آمدن بہت ہی کم تھی۔ مدرسہ اکثر زیرِ بار رہتا تھا۔ احقر کے بڑے بھائی مولوی محمد عبدالواحد بیان کرتے ہیں کہ میں ۱۹۴۰ء میں حضرت شیخ کی ملاقات کے لئے پرانا قلعہ حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں مدرسہ کے قرض کا ذکر آیا جس پر مجھے صدمہ ہوا کہ شیخ طلباء کے اخراجات کتنی تکلیف سے پورے

کرتے ہیں۔ میں فوج میں ملازم تھا اور ہماری یونٹ ایبٹ آباد میں تھی۔ اتفاق سے ماہ رواں قریب الاختتام تھا اور پہلی تاریخ کو تنخواہ ملنے والی تھی میں نے اپنے صوبیدار کو تعلیم القرآن کی مالی حالت سے آگاہ کیا اور کہا کہ تنخواہ کے موقع پر سب سے تھوڑا تھوڑا چندہ جمع کر لیا جائے تو مدرسہ کی کچھ خدمت ہو جائے گی چنانچہ میں نے پیسے جمع کرنے شروع کر دئیے اگرچہ صرف بیس یا ئیس روپے ہی جمع ہو سکے تھے جو بذریعہ منی آرڈر شیخ کی خدمت میں روانہ کر دئیے۔ کچھ دنوں بعد پھر حاضری کا موقع ملا تو شیخ نے بیحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ فرمانے لگے بنیے کے پیسے دینے تھے اور وہ تنگ کر رہا تھا۔ تمہارا منی آرڈر ملنے پر میں نے فوراً بنیے کا قرض ادا کر دیا اور میرا دل بیحد خوش ہوا۔ اس طرح کچھ عرصہ بھائی صاحب تعاون کرتے رہے۔

اس زمانہ میں گندم کا نرخ تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنے من تھا۔

ایشیا کی اس اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم تعلیم القرآن کا علمی فیضان عالمی شہرت کا حامل بن گیا اور تشنگانِ علومِ قرآنیہ اس شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے اور پرانا قلعہ کی مسجد تنگیٔ داماں کا شکوہ کرنے لگی۔

اِدھر تقسیمِ ملکی کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ موجودہ دارالعلوم تعلیم القرآن والی جگہ قیامِ پاکستان سے قبل "شوالہ جوگیاں" کے نام سے مشہور تھی۔ ۱۹۴۷ء میں شوالہ کے مالکان نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا تو اس خیال کے پیشِ نظر کہ ایک مذہبی ادارہ بہر حال مذہبی ادارہ ہی رہے انہوں نے شوالہ کی جائیداد مولانا غلام اللہ خان کے نام منتقل کر دی جہاں بعد میں شیخ القرآن نے عظیم الشان مسجد اور دار العلوم

تعلیم القرآن تعمیر کرایا۔ اس طرح سادھوؤں کی تربیت گاہ لطفِ خداوندی سے توحید وسنت کے متوالوں کی تربیت گاہ میں تبدیل ہوگئی۔

حضرت شیخ نے مسجد کی تعمیر کا پروگرام اس طرح بنایا کہ اس جگہ ایک مارکیٹ تیار کر کے اس کی چھت پر مسجد بنائی جائے۔ جس کے سامنے مشرق میں دارالعلوم کی دو منزلہ عمارت جلوہ نما ہو۔ مارکیٹ بنانے کی غرض وغایت تو یہ تھی کہ دکانوں کے کرایہ سے مسجد اور دارالعلوم کے اخراجات میں مدد ملے گی اور کافی حد تک مدرسہ اور مسجد خود کفیل ہو جائیں گے۔ حضرت شیخ نے اس مقصد کا اظہار ایک مرتبہ مفتی محمد حسن صاحب سے کیا تو انہوں نے برجستہ فرمایا "مولانا یہ مارکیٹ بنے گی یا مار پیٹ" مفتی صاحب کا یہ فرمان "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کا مصداق ثابت ہوا۔

خدا کی شان کہ ابھی مارکیٹ زیرِ تعمیر تھی کہ محکمۂ اوقاف نے نہ صرف مارکیٹ بلکہ مسجد اور مدرسہ بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ جس کا تذکرہ ماہنامہ تعلیم القرآن نومبر ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں اس طرح کیا گیا۔

"محکمۂ اوقاف نے دارالعلوم اور اس کی ملحقہ جائیداد جولائی ۱۹۶۰ء میں اپنی تحویل میں لے لی۔ مدینہ مارکیٹ کی اڑتالیس دکانیں شیخ القرآن تعمیر کرا چکے تھے جبکہ بقیہ چالیس دکانیں محکمۂ اوقاف کے زیرِ نگرانی تکمیل پذیر ہوئیں۔ اس طرح اٹھاسی دکانوں کا یہ عظیم تجارتی مرکز قائم ہوا۔ مارکیٹ کی تعمیر ۲۵ جون ۱۹۶۱ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ تعمیری اخراجات کچھ تو شیخ القرآن کی ذاتی کوششوں سے پورے ہوئے اور بقیہ رقوم ان لوگوں سے حاصل کی گئیں جن کے نام دکانیں الاٹ ہوئی تھیں۔"

حضرت شیخ اکثر مفتی صاحب کی بات کو بیان کرتے اور فرماتے کہ ایک ولی اللہ نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ مدینہ مارکیٹ اوقاف کے زیرِ تصرف ہونے کے باعث نہ صرف مدرسہ کے اخراجات میں سہولت سے محرومی ہوئی بلکہ محکمۂ اوقاف کی طرف سے نت نئی پابندیاں عائد ہونے سے طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔

چونکہ مدرسہ کے اخراجات بہت زیادہ تھے جب کہ مدینہ مارکیٹ کی آمدنی نسبتاً کمتر تھی۔ اس بنا پر چند سال بعد اوقاف نے مدرسہ واگزار کر دیا۔ البتہ مسجد اور مارکیٹ اوقاف کی تحویل میں رہی۔ محکمۂ اوقاف نے حضرت شیخ کو بطور خطیب معقول تنخواہ کی پیش کش کی مگر شیخ نے محض اس بنا پر اسے ٹھکرا دیا کہ تنخواہ دار خطیب حق گوئی کا فریضہ ادا نہیں کر سکتا۔ حکومت کا ملازم حکومت کی خلافِ اسلام سرگرمیوں پر تنقید کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ لہذا میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض انجام دیتا رہوں گا۔ بایں ہمہ محکمہ اوقاف کے تربیتی کورس کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے۔

بعدازاں جب شیخ القرآن کے فرزند اکبر مولانا قاضی احسان الحق علوم متداولہ سے فارغ ہوئے تو محکمہ اوقاف نے انہیں مسجد کا خطیب تعینات کر دیا تھا۔ باوجودیکہ مسجد اوقاف کی تحویل میں تھی لیکن ہر ایک مذہبی و سیاسی تحریک کا مرکز ہی رہی۔ جس کے باعث حکومت کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔

دورۂ تفسیر

اگرچہ شیخ القرآن نے راولپنڈی تشریف لانے کے بعد بھی فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ، ریاضی، عقائد، معانی اور کلام وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا لیکن یہاں آپ "مُعلِّمِ قُرآن" کی حیثیت سے آسمانِ علم و فضل پر ایسے چمکے کہ پوری علمی دنیا آپ کی تحقیق و تدقیق پر ناز کرنے لگی جس سے آپ کو ملک گیر بلکہ عالمگیر لازوال شہرت نصیب ہوئی اور پوری دنیا میں "شیخ القرآن" کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر سینکڑوں فضلاء اس چشمۂ علم سے سیراب ہو کر دستار و سندِ فضیلت کے ساتھ دنیا کے گوشے گوشے میں درس و تدریس، افتاء و تبلیغ کے فرائض انجام دینے اور تشنگانِ دین و مذہب کو سیراب کرنے میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ موصوف اپنے شیخ رئیس المفسرین علامہ حسین علی برّد اللہ مضجعہ کی مجسّم تصویر، ان کے علوم کی امین اور ان کے علمی اسرار کے آئینہ دار تھے بنا بریں شیخ کی طرز پر قلعہ کی مسجد ہی میں ۱۲ رجب سے ۲۲ رمضان المبارک تک دورۂ تفسیر پڑھانا شروع کر دیا پہلے سال نو طلباء نے شرکت کی۔ بعد میں تعداد بڑھتی گئی جو سینکڑوں تک جا پہنچی۔

شیخ القرآن کے ایک مایۂ ناز شاگرد مولانا بشیر احمد مہتمم مصباح العلوم خوشاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۱۹۴۲ء میں تفسیر القرآن کے دورہ میں شمولیت کی۔ اس سال پچیس طلبہ دورہ میں شریک تھے۔ پھر یہ تعداد ہر سال زیادہ ہونے لگی اور پرانا قلعہ کی

مسجد اپنی تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگی۔

اگرچہ دورۂ تفسیر میں دوسرے مدارس کے فارغین کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء بھی شامل ہوتے تھے تاہم داخلہ کے لئے کسی ادارہ کا مستند ہونا ضروری نہ تھا۔ بلکہ تھوڑے بہت پڑھے لکھے طلباء کو بھی اس نظریہ کے پیش نظر داخل کر لیتے تھے کہ کم از کم "مسئلہ توحید" تو سمجھ جائے گا"۔

یوں تو نفسِ ترجمہ و تفسیر مختلف مدارس میں پڑھانے کا معمول پایا جاتا ہے۔ تراکیبِ عربیہ کا حل، فقہی مسائل پر مفصل بحث، مسائلِ سلوک کا استنباط اور دیگر مسائل پر سیر حاصل تحقیق ہوتی ہے لیکن قرآن مجید کی جامعیت کے پیشِ نظر انواع و اقسام کے دیگر موضوعات کے علاوہ سب سے بنیادی اور مرکزی مسئلہ توحیدِ خداوندِ قدوس ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو مبعوث کیا گیا اور اسی مسئلہ کی اشاعت و ترویج شیخ کا مطمح نظر تھا۔

اس بوریا نشین مردِ قلندر نے جس دَور میں توحید و سنت کی آواز بلند کی اس وقت پنجاب ہی نہیں بلکہ سارا ملک ظلمتِ کدۂ شرک بنا ہوا تھا۔ احبار و رہبان کی اکثریت لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ لیکن گلشنِ توحید کے اس "مالی" نے جان کی بازی لگا کر گلشن کی آبیاری کا حق ادا کر دیا۔

ڈاکٹر علامہ شیر علی شاہ پی ایچ ڈی مدینہ یونیورسٹی بیان کرتے ہیں۔

"میں نے ایک مرتبہ شیخ القرآن کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ نے اپنے درس کے دوران فرمایا۔ پنجاب میں سب سے

پہلے قرآن مجید کا ترجمہ حضرۃ العلامہ حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے شروع کیا۔ حضرت مولانا حسین علی مکمل ترجمہ نہیں پڑھاتے تھے۔ بلکہ چند سورتوں کا ترجمہ پڑھا کر طلبہ کو میرے پاس لاہور بھیجتے اور خط میں مجھے حکم فرماتے "مولانا احمد علی۔ السلام علیکم۔ حامل رقعہ مولوی فلاں کو میں نے فلاں فلاں سورتوں کا ترجمہ پڑھا دیا ہے۔ بقیہ سورتوں کا ترجمہ آپ پڑھا دیں۔ اور آخر میں تحریر فرماتے۔

لاشئے حسین علی۔

مولانا حسین علی کے وصال کے بعد میں نے لاہور میں مکمل ترجمہ و تفسیر کا آغاز کیا۔ مولانا غلام اللہ خان اور مولانا عبداللہ درخواستی دونوں نے تراجم کا سلسلہ میرے بعد شروع کیا۔ میں ان دونوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ لاہور قرآنی تراجم کا گڑھ ہے اور یہ دونوں میرے بچہ ہیں۔ مولانا غلام اللہ خان کے ساتھ مجھے ایک مسئلہ میں اختلاف ہے مگر میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ پنجاب میں انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں مسئلۂ توحید کی یہ انہی کا حق ہے۔ اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔"

شیخ القرآن یہ باتیں سن رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان پر یہ الفاظ تھے "ان اکابر کی دعاؤں اور توجہات کی بدولت مجھے یہ دینی خدمات انجام دینے کا موقع میسر ہوا ہے۔"

جس طرح امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "الفوز الکبیر" میں قرآن فہمی کے زریں اصول بیان کئے ہیں، اسی طرح شیخ القرآن کے "مقدمہ جواہر

القرآن" میں کچھ اصطلاحات اور رہبر اصول ایسے حُسنِ انداز سے بیان کئے ہیں کہ جن سے مشکل مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں اور ان کی جامعیت اور بلاغت سے علماء اور طلباء یکساں طور پر مستفید ہو رہے ہیں۔ نیز قرآنی تعلیمات کے اصل محور، مرکزی نکتہ اور پیغام ابدی پر ایک مفصل باب "مسئلہ الٰہ" کے عنوان سے زینتِ قرطاس بنایا ہے۔ اور جسے درج ذیل عنوانات کے ذریعہ بڑے سلیقہ سے آشکارا کیا ہے۔ اِلٰہ کے معنیٰ کی تشریح، قانون لفظِ اللہ اور لفظِ اِلٰہ کی تحقیق۔ ان اصول و قواعد کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد طلباء کو تفسیر شروع کراتے تھے۔ اور آپ کا تفسیری اسلوبِ بیان کئی خوبیوں اور خصوصیات کا حامل تھا۔

ربطِ آیات، ربطِ سور، خلاصہ، مسئلہ الٰہ، تحریمات غیر اللہ اور فرق باطلہ کے دلائل اور ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات وغیرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن بنیادی موضوع مسئلہ توحید ہی ہوتا تھا۔

ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے کے لئے ایسا مفید ترجمہ اور عمدہ تفسیر بیان کرتے جس سے تمام اشکال کافور ہو جاتے۔ اسی طرح ایک سورت کا دوسری سورت کے ساتھ ربط اور ان کے مضامین کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے بے حد آسان اور عام فہم تفسیر کی جاتی جس سے نہ صرف آیات کی پیچیدگیاں رفع ہو جاتیں بلکہ آیات و سور اور مختلف مضامین موتیوں کی لڑی کی طرح منظم اور مربوط نظر آتے۔

"خلاصہ" شیخ القرآن کے ہاں ایک مایۂ ناز اصطلاح تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک ماہر دواساز کسی چیز کا عرق کشید کرتا یا عطر ساز "روح" کشید کرتے ہیں۔

یا پھر آج کل کے ماہرین جس طرح ہر چیز کا "جوہر" نکالتے ہیں۔ اسی طرح بڑی سے بڑی سورت بلکہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ صرف چند جملوں میں بیان فرما دیتے تھے۔ جس کی چند ایمان افروز اور روح پرور جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے۔ لکل شیء لباب ولباب القرآن الحوامیم۔ (ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا خلاصہ حوامیم ہیں) (حوامیم سے وہ سات سورتیں مراد ہیں جن کی ابتداء میں لفظ حٰمٓ آیا ہے) اور تمام حوامیم کا مبدأ سورۂ زمر ہے۔ اور سورۂ زمر میں یہ دعوٰی مذکور ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ جبکہ حوامیم سبعہ کا دعوٰی یہ ہے کہ حاجات و مشکلات میں غائبانہ صرف اللہ ہی کو پکارو۔ اور صرف اسی سے استمداد و استعانت کرو۔ اس طرح سورۂ زمر کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں آگیا۔ اس اعتبار سے سارے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آگیا اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں موجود ہے اور بِسْمِ اللہ کا خلاصہ اس کی "ب" میں پایا جاتا ہے۔ گویا سارے قرآن کا اصل مقصد بائے استعانت میں مضمر ہے۔ اب پورے قرآن کا خلاصہ یہ نکلا کہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔ مالک ومختار، متصرف اور کارساز اللہ ہی ہے۔ لہٰذا غائبانہ حاجات میں اسی کو پکارا جائے اور اسی سے استعانت کی جائے۔ (تفسیر جواہر القرآن۔ جلد اول ص ۲،۳)

حضرت شیخ نماز کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا کرتے تھے "کچھ کہنا اور کچھ کرنا"

حضرت شیخ فرماتے تھے "میرے شیخ مولانا حسین علی رح سورۂ محمّد کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے "مشرکوں کی نیکیاں بوجہ شرک کے برباد اور مومنوں کی بدیاں بوجہ ایمان کے معاف"

حضرت شیخ القرآن اس نظریہ کے داعی تھے کہ قرآن مجید اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ کائنات کی تخلیق اور انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی توحیدِ باری تعالےٰ کی توضیح کرنا ہے۔ اور اس مسئلہ کی وضاحت وصراحت اور تبلیغ واشاعت پر قرآن مجید کا ہر حرف دلالت کر رہا ہے جسے متعدد سورتوں میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

سورہ حٰمٓ الاحقاف کی آیت ۳ میں ہے :۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔

ترجمہ۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان واقع ہے مگر حق (یعنی توحید) کے لئے۔

اور سورۂ انبیاء کی آیت ۲۵ میں ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ٥

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ۔ لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

قرآن مجید کا لب لباب کیسے دلفریب انداز میں بیان کرتے ہیں :۔

پورے قرآن مجید میں بنیادی طور پر صرف چھ مضامین بیان کئے گئے ہیں یعنی:

توحید، رسالت، قیامت و آخرت، احکام۔ تخویف اور تبشیر۔ باقی مضامین بطور دلائل وشواہد اور قصص بطور عبرت کے بیان کئے گئے ہیں۔

جن اعمال و افعال کی اصلاح کے لئے قرآن نے زیادہ زور دیا ہے اس کا تصور اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

"نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کے علاوہ عبادات کی زیادہ تر چار قسمیں بیان ہوئی ہیں غائبانہ حاجات میں پکارنا، نذر و نیاز دینا، سجدہ کرنا اور طواف کرنا"۔

قرآنی سورتوں کے مختلف اور منتشر مضامین ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:۔

"ہر سورت کا مرکزی مضمون جسے دعویٰ یا موضوع کہا جاتا ہے بمنزل محور کے ہوتا ہے اور سورت کے باقی مضامین اس کے گرد گھومتے ہیں۔ یا اس کی مثال بیج اور تخم کی سی ہے۔ جس طرح درخت کے ہر پتے اور شاخ میں تخم کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے بعینہٖ اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل موضوع سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ اور اس موضوع کی بنا پر ایک سورت دوسری سے ممتاز نظر آتی ہے"۔

اس قاعدہ کے مطابق ہر سورت کا دعویٰ یا موضوع "توحید" ہی قرار دیتے ہوئے شیخ القرآن فرمایا کرتے تھے:۔

"قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں توحید کا بار بار بیان بالکل اسی طرح ہے جس طرح ذی الحجہ کی ساتویں، نویں اور گیارہویں تاریخ کو احکامات حج بیان کرنے کے لئے تین خطبے دئے جاتے ہیں۔ جو احکام ساتویں تاریخ کو بیان کئے جاتے ہیں،

نویں تاریخ کو یاد دہانی اور تاکید کے طور پر انہی کا اعادہ کیا جاتا ہے اور مزید احکام بھی بیان کر دئیے جاتے ہیں۔ پھر گیارہویں تاریخ کو ساتویں اور نویں تاریخ کے احکام ہی کا تکرار اور کچھ مزید خصوصی احکام کا ذکر ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی سورت کی خصوصیت مذکور ہوتی ہے۔"

ربطِ سُوَر

سورتوں کے مضامین و احکام کو سلکِ مروارید میں پرو دینا شیخ القرآن رح کی تفسیری خصوصیات کا امتیازی شاہکار ہے۔ جس کی ایمان افروز جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

سورۂ النساء کا سورۂ آلِ عمران کے ساتھ ربط :-

"سورۂ النساء کا سورۂ آلِ عمران کے ساتھ دو طرح کا ربط ہے۔ ایک اسمی دوسرا اسمی :-

اِسمی ربط :- جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ سورۂ فاتحہ سے سورۂ مائدہ تک سورتوں کا اسمی ربط اس طرح ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ وَلَا نَعْبُدُ وَلَا نَسْتَعِیْنُ البقرۃ کما فعلت الیھود والمشرکون ولا اٰل عمرٰن کما فعلت النصارٰی ونؤدی حقوق النساء۔

معنوی ربط :- سورہ بقرہ میں چار بنیادی مضامین (توحید، رسالت، جہاد، انفاق) بیان کئے گئے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ امورِ انتظامیہ اور امورِ مصلحہ بھی مذکور تھے۔ بقرہ میں توحید کا بیان اور شرک کا رد ہر پہلو سے تھا نفی شرک فعلی، نفی شرکِ اعتقادی اور نفی شفاعتِ قہری۔ سورۂ آلِ عمران میں توحید و

رسالت سے متعلق شبہات کا ازالہ کیا گیا اور شرکِ اعتقادی کی نفی کی گئی۔ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی۔ اب مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر منظم کرنے کے لئے سورۂ نساء میں تفصیل سے امورِ انتظامیہ بیان کئے گئے اور ساتھ ہی ایک امر مصلح یعنی نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز امورِ انتظامیہ پر عمل درآمد کرنے میں ممد ومعاون ہے گویا کہ سورہ بقرہ کے مضامین میں سے ایک مضمون یعنی امورِ انتظامیہ کو سورۂ نساء میں شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر جواہر القرآن جلد اول ص ۲۰۷)

سورۂ رعد

سورۂ رعد کو سورۂ یوسف کے ساتھ ربطِ اسمی یہ ہے کہ مسئلہ توحید اس قدر اہم ضروری اور واضح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں بھی اس کی تبلیغ کی اور خواب کی تعبیر پوچھنے والوں کو پہلے مسئلہ توحید سمجھایا اور بعد میں خوابوں کی تعبیر بتائی۔ اور رعد فرشتہ اور دوسرے تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں اور ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور ہر قسم کے شرک سے اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں۔

دونوں سورتوں کے درمیان معنوی ربط یہ ہے کہ سورۂ یوسف میں ایک بہت بڑی اور مفصل نقلی دلیل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پیغمبر کوئی ولی، کوئی فرشتہ اور کوئی جن و بشر عالم الغیب اور کارساز نہیں۔ سورۂ یوسف میں یہ دونوں دعوے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر دئے گئے۔ یہاں تک کہ اب مسئلہ توحید نظری نہیں رہا بلکہ بدیہی ہو گیا۔ معاندین اب محض ضد و عناد کی وجہ سے نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود احتمال تھا کہ یہ دعوے اب تک کسی پر مخفی رہ

گئے ہوں۔ اس لئے ان دونوں دعوؤں کی مزید توضیح و تفہیم کے لئے سورۂ رعد میں گیارہ دلائل بطور تنبیہ ذکر کئے گئے ہیں۔ (تفسیر جواہر القرآن جلد دوم ص۵۴۵)

سورۂ زمر

"سورۂ زُمر کا سورۂ صٓ کے ساتھ اسمی ربط یہ ہے کہ سورۂ صٓ میں واضح کیا گیا کہ جن کو تم شفعاء سمجھتے ہو وہ تو خود بطور امتحان و ابتلاء بعض جسمانی تکالیف میں ماخوذ ہیں۔ اس لئے اللہ کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب نہیں۔ اب سورۂ زمر میں بیان کیا جائے گا کہ اہلِ توحید اور اہلِ شرک (غیر اللہ کو شفیعِ غالب ماننے والے وغیرہ) مختلف گروہوں (زُمر) میں بٹ جائیں گے۔ اہلِ توحید جنت میں اور اہل شرک جہنم میں جائیں گے۔

سورۂ زمر کا ماقبل کے ساتھ معنوی ربط یہ ہے کہ سورۂ سبا میں نفی شفاعت قہری کا مضمون مذکور تھا اور سورۂ فاطر میں بطور تفریع مذکور تھا کہ کارساز اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حاجات میں مافوق الاسباب صرف اسی کو پکارو۔ اس کے بعد سورۂ یٰسین، صافات اور صٓ سورۂ سبا پر مرتب ہیں کیونکہ ان تینوں سورتوں میں علی السبیل الترقی نفیٔ شفاعتِ قہری کا ذکر ہے۔ اور سورۂ زُمر سورۂ فاطر پر مرتب ہے اور اس کا کچھ حصہ سورۂ سبا پر بھی مرتب ہے یعنی وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (ع ۱) اور اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ (ع ۵) جب اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں اور نہ اس کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب ہے تو ہر قسم کی عبادت صرف اسی کی بجالاؤ اور حاجات میں صرف اسی کو پکارو۔

(جواہر القرآن جلد سوم ص ۱۰۲۲)

سورۂ مومن

سورۂ مومن کا سورۂ زمر کے ساتھ ربط یہ ہے کہ سورۂ زمر میں دعویٰ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ گزرا ہے۔ اب اس سورہ حٰم مومن میں اس دعوی کی تفسیر کی جائے گی کہ فَاعْبُدِ اللّٰهَ سے فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ہے یعنی عبادت کی جزوِ اعظم پکار ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کو غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔

منسوخ آیات

منسوخ آیات کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "فوز الکبیر" میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اس میں دو مذہب ہیں۔ ایک متقدمین کا جو مطلق تغیر وصف آیت کو نسخ کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک پانچ سو بلکہ اس سے بھی زیادہ آیات منسوخ ہوں گی۔ دوسرا مذہب متاخرین کا ہے جن کے نزدیک کسی آیت کا حکم مع القراءۃ یا بدون القراءۃ منسوخ ہو گا۔ اس پر شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب اتقان میں نہایت بسیط تقریر فرمائی اور کہا کہ بیس آیات سے زیادہ منسوخ نہیں ہیں۔

پھر شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان میں سے سولہ آیات کے شافی جوابات دے کر ثابت کیا کہ یہ آیات منسوخ نہیں مگر چار آیات کو شاہ صاحب نے بھی منسوخ تسلیم کر لیا لیکن علامہ حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چار آیات کو بھی منسوخ

تسلیم نہیں کیا اور ان کا جواب دیا ہے۔

۱۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝[۱]

مفسرین کے نزدیک اس آیت کو يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ نے منسوخ کر دیا ہے کہ پہلے والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کا حکم تھا لیکن وراثت کے حصص متعین ہو جانے پر وہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ صاحب مدارک کا کہنا ہے یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ یہ آیت مشرک ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں نازل ہوئی تھی اور حکم استحبابی ہے وجوب کے لئے نہیں۔

لیکن علامہ حسین علی نور اللہ مرقدہٗ اس کی توجیہ اس طرح فرماتے ہیں :۔

یہاں وصیت والدین اور اقربین کے لئے نہیں بلکہ والدین اور اقربین کو ہے۔ اور المعروف سے مراد حکم شرعی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں[۲]۔

۲۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ	اے نبی شوق دلائیں مسلمانوں کو لڑائی کا
عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ	اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے
عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا	والے تو غالب ہوں گے دو سو پر۔
مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ	اور اگر سو ہوں تو ہزار کافروں پر
مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ	غالب ہوں گے۔

---

[۱] تفسیر جواہر القرآن سورۂ بقرہ ۱۸۰ [۲] تفسیر جواہر القرآن سورۂ بقرہ حاشیہ ۳۳۵ ص۸۵

كَفَرُوْا۔[۱]

عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اس سے بعد والی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ یعنی :-

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ	اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے
اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ وَاِنْ يَّكُنْ	اور جانا کہ تم میں سستی ہے۔ سو اگر ہوں
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا	تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے
مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ	تو غالب ہوں دو سو پر۔ اور اگر ہوں
اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ	تم میں ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار
اللّٰهِ۔	پر، اللہ کے حکم سے۔

حضرت شیخ (امام المفسرین مولانا حسین علی رح) فرماتے ہیں کہ اگر حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ کو منسوخ مانا جائے تو یہ صحیح نہیں، غلط ہے کیونکہ اس میں ترغیب الی الجہاد ہے جو بالاتفاق منسوخ نہیں۔

اور اگر اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ الخ کو منسوخ مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ احکام میں ہوتا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے بیس مسلمانوں پر دو سو کافروں سے جنگ کرنا فرض تھا۔ اب اس آیت سے فرضیت منسوخ ہو گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

شَقَّ ذٰلك على المسلمين اذ فرض عليهم ان لا يفر واحد من

---

[۱] سورۃ انفال رکوع ۹۔

عشرۃ فجاء التخفیف (روح ج ۱ ص۳۲)[1]

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا	اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار
الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ	اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو اس
فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ	میں سے اور کہہ دو ان کو بات معقول۔
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (النساء رکوع ۱)	

یعنی ورثاء میں یتامٰی اور مساکین بھی ہوں تو ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے کھانے کے لئے انہیں کچھ دے دیا کرو اور ان سے کہہ دیا کرو، اب ترکہ تقسیم نہیں کر رہے ہیں جب تقسیم کریں گے تم کو بھی بلا لیا جائے گا۔ کیونکہ ترکہ میں غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم بیک وقت ممکن نہیں ہے۔ اس آیت میں اولوا القربٰی سے ورثاء مراد ہیں اور والیتٰمٰی والمساکین کا عطف تفسیری ہے اور فَارْزُقُوْھُمْ بمعنی فَاَطْعِمُوْھُمْ ہے۔ اور اُولُوا الْقُرْبٰی کے بعد یتٰمٰی اور مساکین کی تخصیص ان کے حقوق کی نگہداشت کے پیش نظر ہے تاکہ ان کے حقوق ضائع نہ کئے جائیں۔ اس طرح یہ آیت منسوخ نہیں ہے (تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص۲۱۲، حاشیہ ۹)

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ	اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرنا چاہو
الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ	رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے
یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَۃً[2]	سے پہلے خیرات۔

اس سے بظاہر صدقہ دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔ یہ حکم صرف چند یوم یا صرف ایک ساعت جاری رہا، اس کے بعد منسوخ ہو گیا (ابن کثیر،

---

[1] تفسیر جواہر القرآن جلد ۱ ص۲۱۲/۲۱۱ [2] سورہ مجادلہ رکوع ۲۔

مدارک وغیرہ)

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حکم صدقہ کے بعد منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے مقصد سرگوشیاں کرنے سے رُک گئے تھے اس لئے مسلمانوں پر آسانی کے لئے اس حکم کو اٹھالیا۔ کیونکہ اب منافقین حسب سابق سرگوشیاں کرنے سے شرماتے تھے کہ حکم صدقہ کے دوران مشورے نہیں کرتے تھے۔ لہذا اب بھی نہ کریں۔ حضرت شیخ کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حکم استحبابی تھا اور اس کا استحباب اب بھی باقی ہے۔ اگر باہمی مشورہ سے قبل صدقہ کرلیا جائے تو بہتر ہے۔[1]

مشکل آیات کے مابین آسان ربط

طٰہٰ ٥ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ٥ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ٥

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کثرتِ صلوٰۃ میں اس قدر تکلیف اٹھاتے کہ آپ کے قدم مبارک متورّم ہوجاتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اگرچہ اپنی جگہ درست ہے، لیکن آیت کی تفسیر کے مناسب وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ اس کی تبلیغ واشاعت میں اگر کوئی مصیبت اور تکلیف آبھی جائے تو کوئی بات نہیں، اسے مردانہ وار برداشت کریں۔ کیونکہ یہ حکمنامہ اس شہنشاہ کا ہے، جو ساری کائنات کا خالق و مالک

---

[1] تفسیر جواہر القرآن۔ جلد ۳ ص ۱۲۳۵

ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اگر اس کی راہ میں کوئی تکلیف آجائے تو کیا حرج ہے۔ ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است　　نازکی کم راست آید بارِ می باید کشید

(سورہ طٰہٰ حاشیہ ۲)

سورہ: لقیمۃ کی آیت ۱۶ تا ۱۸۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝

ان آیتوں کی سباق و سباق سے مناسبت، تو اس میں کئی وجوہ ہیں۔ وجہ اول ممکن ہے گذشتہ آیتوں کے نزول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کر دیا ہو تاکہ یاد ہو جائے اور کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے تو اللہ تعالٰے نے اسی وقت یہ آیتیں نازل فرما کر آپ کو اس سے روک دیا ہو (تفسیر کبیر)

وجہ دوم، جو حضرت شیخ مولانا حسین علی رح بیان فرماتے تھے۔ یہ آیتیں ایک لطیف نکتہ بیان کرنے کے لئے یہاں لائی گئی ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالٰے ایسا قادر ہے کہ ہر انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال کی خبر دے سکتا ہے تو وہ آپ کے سینے میں قرآن کو بھی جمع کر سکتا ہے۔ اس لئے آپ غم نہ کریں۔

وجہ سوم:- جس طرح اللہ تعالٰے اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدوں ادنیٰ فروگذاشت اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے، کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے اور پچھلے اعمال

جن میں سے بعض کو کرنے والا بھی بھول چکا ہوگا۔ سب جمع کر کے ایک وقت میں سامنے
کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلا دے۔ اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو
سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرما دے
بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ پر قادر ہے (تفسیر عثمانی)

(سورۃ القیمہ حاشیہ ع۸)

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۭ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک حصہ میں اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے۔ تاکہ اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں۔ بیشک وہ ذاتِ سبحان ہر چیز کی سننے والی اور ہر چیز کو دیکھنے والی ہے

یعنی بے شک وہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس
کے سوا کوئی سب کچھ سننے اور دیکھنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا عبادت میں، دعا
اور پکار میں اس کا شریک بھی کوئی نہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ حاشیہ ع۵)

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَاۗءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے دستورِ ہدایت مقرر کیا۔ اس میں ہم نے ان کو حکم دیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کو کارساز مت بناؤ۔ اور اللہ کے سوا کسی کو حاجات میں غائبانہ مت پکارو۔

(سورہ بنی اسرائیل حاشیہ ع۳)

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ ذرّیت ان کی جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔ بیشک وہ اللہ کا شکر گذار بندہ تھا۔

یہاں تک تینوں آیتیں بظاہر غیر مربوط معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان کے ظاہر کو دیکھ کر کئی مفسرین کو تطبیق میں سخت اشکال پیش آیا۔ کیونکہ پہلے واقعہ معراج کا ذکر ہے۔ اس کے بعد وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ میں موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ میں ایک نئی بات مذکور ہے۔ لیکن ہماری مذکورہ بالا تقریر سے یہ آیتیں بالکل باہم مربوط ہو جاتی ہیں۔ اور بے ربطی کا کوئی اشکال نہیں رہتا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْ الخ میں فرمایا کہ اس اللہ کو شرک سے پاک سمجھو جس نے مسئلہ توحید منوانے کے لئے معجزۂ اسراء دکھایا۔ اس کے علاوہ عقلِ سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ ہر شرک سے پاک ہے کیونکہ وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور ساتھ ہی کتبِ سابقہ مثلاً تورات کی بھی یہی تعلیم ہے۔ لہٰذا اے اہلِ مکّہ ہم تمہیں بھی حکم دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو مان لو، جو دلیلِ وحی اور دلائل عقل و نقل سے ثابت ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل حاشیہ ۷)

شیخ القرآن کی قرآن مجید سے والہانہ عقیدت، عشق اور وابستگی ہی کا کرشمہ تھا کہ چالیس سال کے طویل عرصہ میں نامساعد حالات کے باوجود کسی سال بھی دورۂ تفسیر کا ناغہ نہ ہوا۔ بارہا حق گوئی کی پاداش میں شہر بدر، ضلع بدر اور نظر بند اور زباں بند کیا گیا۔ مگر آپ جہاں اور جس حال میں بھی ہوئے، رجب، شعبان اور

رمضان کے مقدس مہینوں میں اپنی دل آویز آواز میں قرآن کی نغمہ سرائی میں مشغول ہو جاتے۔ سارا سارا دن تفسیر پڑھانے میں مصروف و منہمک رہتے۔ کئی کئی گھنٹے مسلسل پڑھاتے۔ نہ بیٹھنے سے اکتاتے، نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا اور نہ ہی گرجدار آواز تغیر پذیر ہوتی۔ طلبا تھک کر نڈھال ہو جاتے مگر قرآن کا یہ سچا عاشق اپنی جبینِ نیاز پر شکن تک نہ آنے دیتا۔ طلبا بھی رات کے بارہ بجے تک مطالعہ اور تکرار میں مشغول رہتے۔ اور حضرت شیخ عموماً آدھی رات کے وقت ایک ایک کمرہ میں جاکر طلبا کی نگرانی کرتے کہ کہیں کوئی طالب علم سویا ہوا تو نہیں ہے۔ طلبا کی تعداد عموماً سات سو تک ہوتی تھی۔ ان کے خورد و نوش اور قیام کے انتظامات کے علاوہ ہر ایک طالب علم کو قرآن مجید کا ایک نسخہ اور لکھنے کے لئے کاغذ اور قلم دوات بھی فراہم کی جاتی تھی۔

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دئے واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دئے کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جِلا کر چل دئے

علوم و معارف، اسرار و حکم اور تشریعی احکامات قرآنِ حکیم کے اساسی موضوعات ہیں۔ تاہم اگر جذبات کی جِلا اور سوز و گداز، کیف و سرور کی کیفیات مطلوب ہوں، تو اِن کا بھی سب سے بڑا منبع و سرچشمہ خود قرآن ہی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے حواشیٔ قرآن میں اپنے والد گرامی قدر کے یہ حد درجہ سادہ مگر پُر تاثیر اشعار نقل کرتے ہیں۔

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو کان بہرے ہو گئے دل بے مزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی کو جس سے خاشعاً متصدعاً ہونے کو ہے

لیکن بد قسمتی سے عصرِ حاضر کے مدارس اور خانقاہیں عموماً قرآنی تعلیم و تذکیر سے خالی ہیں۔ جن مدارس میں علومِ متداولہ کی تکمیل کا انتظام ہے وہاں بھی قرآنی علوم سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ اور خانقاہوں کی حالت تو انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ وہاں چنگ و رباب، ساز و سرود کی گرم بازاری ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال اس پس منظر کو کس سوزِ دروں کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

صوفیِ پشمینہ پوشِ حال مست　　از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش　　در نمی سازد بقرآں محفلش

۱۹۵۴ء میں احقر کو بھی اللہ رب العزت نے حضرت شیخ سے قرآنی اسرار و رموز حاصل کرنے کی سعادت سے بہرہ یاب فرمایا۔ دورۂ تفسیر کے دوران ایک بیحد تعجب انگیز اور نصیحت آموز واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ حضرت شیخ القرآن نے رمضان المبارک کے ابتدائی دنوں میں ایک دن ایک سپارہ سے زیادہ سبق پڑھایا۔ جبکہ دوسرے دن کچھ دیر سبق پڑھا کر کچہری ایک مقدمہ کی پیشی پر چلے گئے۔ طلباء کو سبق کے متعلقات لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ بعد میں چند طلبا نے باہمی مشورہ سے یہ تجویز طے کی کہ اگر شیخ روزانہ سپارہ سپارہ پڑھائیں تو ہم رمضان کے نصف تک فارغ ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح ہم جلد اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ اکثر طلبا اس تجویز پر رضامند ہو گئے اور ایک درخواست لکھ کر طلبا سے دستخط کروا لئے۔ درخواست میں لکھا کہ ہمیں ایک سال ہونے کو ہے کہ ہم اپنے والدین، بیوی بچوں اور گھر بار سے دور ہیں۔ اگر آپ زیادہ پڑھائیں تو ہم نصف رمضان تک گھر جا سکتے ہیں۔

احقر کو بھی دستخط کرنے کو کہا گیا مگر میں نے محض اس بنا پر دستخط کرنے سے پہلو تہی کی کہ حضرت شیخ ذاتی طور پر مجھے جانتے تھے اور میرے والد صاحب سے گہرا تعلق تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ حضرت شیخ والد صاحب سے شکایت کریں گے۔ بہر حال حضرت شیخ کچہری سے فارغ ہو کر روزہ کی حالت میں گرمی کی شدت میں عین دوپہر کو دارالعلوم پہنچے۔ طلباء نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، درخواست پیش کر دی حضرت شیخ نے درخواست پڑھی تو آگ بگولہ ہو گئے مقدمہ کی فکر انگیز گرمی کو "روزہ" کی گرمی نے دوچند کر رکھا تھا اور پھر دوپہر کا وقت اور جون کا مہینہ۔ گرمی ہی نہیں آگ کا الاؤ تھا۔ چہرہ انار کی طرح لال سرخ ہو گیا۔ آواز میں غضب کی تیزی، شدید غضبناک ہو کر یوں گویا ہوئے۔

"تم نے قرآن کو حلوہ سمجھ رکھا ہے کہ منہ میں ڈالا تو فوراً حلق سے اُتر جائے گا۔ منطق، فلسفہ اور ریاضی پڑھتے وقت تو بیوی بچے اور گھر یاد نہ آیا۔ اب قرآن پڑھتے وقت گھر یاد آ گیا"۔

پھر سوال کیا کہ ایک آدمی نے اللہ کے نام کی نذر مانی اور اس کا ثواب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو اس لئے پہنچایا کہ وہ متصرف فی الامور ہیں اگر انہیں خوش نہ کیا گیا تو وہ نقصان پہنچائیں گے۔ کیا یہ نذر جائز ہے یا حرام؟

احقر کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے چوتھے طالب علم سے فرمایا۔ تم جواب دو۔ وہ جواب نہ دے سکا اور خاموش رہا۔ شیخ نے سخت شرمندہ کیا پھر اس کے ساتھ والے طالب علم سے پوچھا۔ اس نے کہا جائز ہے۔ اس پر اس کی بھی خوب درگت بنائی۔ میرے ساتھ مولانا شمس الدین بیٹھے ہوئے تھے جو دارالعلوم

میں نماز بھی پڑھاتے تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ امام صاحب تم بتاؤ۔ وہ بھی بالکل خاموش رہے۔ اس کے بعد میری باری آگئی میں نے صرف اتنا کہا "حرام ہے" اس پر گرجدار آواز میں درشت لہجہ میں کہا۔ کیوں حرام ہے اس لئے کہ اللہ کے نام کی نذر مانی ہے؟ میں نے عرض کیا "اس لئے حرام ہے کہ وہ شیخ عبدالقادر کو متصرف فی الامور سمجھتا ہے۔"

الحمدللہ کہ اس پر سوال کرنے کا سلسلہ چھوڑ دیا اور سبق شروع کرا دیا لیکن غصہ فرو نہ ہوا۔ مسلسل پڑھانا شروع کر دیا۔ ظہر تک پڑھائی جاری رہی۔ نمازِ ظہر سے عصر تک بھی سبق جاری رہا۔ عصر کے بعد تھوڑی سی دیر کے لئے چھٹی رہی۔ نمازِ مغرب کے بعد پھر شروع کر دیا۔ نمازِ عشا اور تراویح کے لئے وقفہ کیا بعد میں پھر سبق شروع کر دیا جو رات گئے تک جاری رہا۔ پھر تھوڑی سی دیر آرام کی اجازت ملی۔ سحری کھانے کے بعد سبق شروع ہو گیا جو دوپہر تک جاری رہا۔ درمیان میں صرف نمازِ فجر کے لئے تھوڑا سا وقفہ دیا۔ تین دن مسلسل اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً ۲۰ گھنٹے روزانہ پڑھائی ہوتی رہی۔ تین دن بعد خدا خدا کر کے غصہ زائل ہوا۔ تب جا کر معمول کے مطابق پڑھائی ہونے لگی۔

دورۂ تفسیر دارالعلوم تعلیم القرآن کی روحِ رواں اور شیخ القرآن کا طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کا یہ علمی فیضان ملکی سرحدوں سے تجاوز کر کے براعظم ایشیا اور افریقہ تک جا پہنچا۔ عرب ممالک کے علاوہ افغانستان، ایران، انڈونیشیا، ملایا اور برما وغیرہ سے مشتاقانِ علومِ قرآنیہ کشاں کشاں آتے اور اس چشمۂ علم و حکمت سے سیراب ہوتے۔ ایشیا کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء بھی صرف قرآنی

اسرار و حکمت حاصل کرنے کی غرض سے حضرت شیخ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کرنے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ ابدی علمی فیضان اس آیۂ مبارکہ کی عملی تعبیر تھا۔

کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم　　　شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

علمی وجاہت

حضرت شیخ القرآن متبحر عالم، شعلہ نوا مقرر، کہنہ مشق مدرس اور کامیاب مناظر تھے۔ موصوف حد درجہ ذہین و فطین تھے۔ فنون کی کتابیں مستحضر تھیں۔ اگرچہ حافظِ قرآن نہیں تھے لیکن جستہ جستہ اکثر قرآن ازبر یاد تھا۔ منطق کی مغلق اور لاینحل عبارات نوکِ زبان پر تھیں۔ معقولات اور منقولات پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قرآنی علوم میں گہرا شغف اور جذبۂ تحقیق سے سرشار تھے۔ بیشمار آیات کی تشریح و توضیح میں مقتدر مفسرین کی پوری پوری عبارات یاد تھیں۔ حضرت ممدوح کے فضائل و کمالات کے گلدستہ میں اس فضیلت و کمال کو گلِ سرسبد کی حیثیت حاصل تھی۔ علم حدیث میں آپ کی نگاہ بہت غائر تھی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں فِرق باطلہ کی رد میں کامل دسترس حاصل تھی جس کے مناظر دورۂ تفسیر کے دوران قابلِ دید نی ہوتے تھے۔

اگرچہ تمام علوم میں کامل مہارت حاصل تھی لیکن دو علوم، تفسیر قرآن مجید اور منطق نہایت ذوق اور وجدان کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ بلند پایہ اساتذہ اور جیّد مدرسین کی صفِ اول میں شمار ہوتے تھے۔ آخر وقت تک تدریسی ذوق روبترقی رہا۔ قرآن مجید اور مسلم شریف کے درس کا سلسلہ جاری رہا۔ علم و فضل، فہم و فراست

اور اصابتِ رائے میں اپنے معاصر علماء میں بلند مقام کے مالک اور امت کے مقتدر اور شہرۂ آفاق علمائے کرام میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ علمی مباحث میں اکثر علماء آپ کا سامنا کرنے سے گریزاں تھے۔

حضرت شیخ کی علمی وجاہت کا ایک انتہائی اہم واقعہ شیخ الادب، قاضی غلام مصطفیٰ مرجان والوں سے صاحبزادہ قاضی احسان الحق دامت برکاتہ اور مولانا حافظ محمد اسحٰق مہتمم جامعہ علوم الشریعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ الحدیث قاضی شمس الدین، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور شیخ الادب۔ قاضی غلام مصطفیٰ پنڈی گھیب کے ایک جلسہ میں شمولیت کے لئے گاڑی میں سوار اکٹھے جا رہے تھے۔ دورانِ سفر شیخ الحدیث کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ شیخ القرآن نے پوچھا کیا پڑھ رہے ہیں؟ قاضی صاحب نے فرمایا۔ اُمورِ عامہ کا مطالعہ کر رہا ہوں واپس جا کر طلباء کو سبق پڑھانا ہے۔

شیخ نے کہا بھلا امورِ عامہ کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے، یہ تو آسان سی کتاب ہے۔ آپ پڑھیں، میں اسے بیان کر دیتا ہوں۔ چنانچہ شیخ الحدیث صاحب نے عبارت پڑھی اور شیخ القرآن نے بلا تامل پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ اس کا مطلب بیان کر دیا۔ شیخ الحدیث جیسے شیخ الکل موصوف کی علمی وجاہت دیکھ کر ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ ۵

این سعادت بزورِ بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شیخ کے تلمیذِ رشید علامہ ڈاکٹر شیر علی شاہ بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے ایک سال دارالعلوم تعلیم القرآن میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں شیخ القرآن

نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے ملا حسن کا سبق خود شروع کرایا۔ آپ تبلیغی اسفار سے واپس آتے ہی مجھے بلا لیتے اور پانچ پانچ صفحات بغیر مطالعہ کے پڑھا دیتے انتہائی مغلق مقامات منٹوں، سیکنڈوں میں حل فرما دیتے۔

اگرچہ مطوّل میں نے مدرسہ میں شروع کر رکھی تھی لیکن استاد کی تقریر سے تشفی نہ ہوتی اور مشکل مقامات سمجھ نہ آتے تھے۔ میں اپنی مشکل لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو شیخ بغیر کسی ادنیٰ تامل کے فوراً ایسی جامع مانع تقریر کرتے کہ تمام مشکلات حل ہو جاتیں اور میں پوری طرح مطمئن ہو جاتا۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے میں نے حمد اللہ سات مرتبہ پڑھی ہے کاش کہ میری زندگی علم حدیث کی خدمت میں صرف ہوتی۔ حمد اللہ اور عبد الغفور جیسی شہرۂ آفاق کتابیں شیخ کو از بر یاد تھیں"

حضرت شیخ نے "بدھو والا بابا" سے بھی حمد اللہ پڑھی تھی۔ حمد اللہ میں بابا جی موصوف کو جو مہارتِ تامہ و کاملہ حاصل تھی، اس کے پیشِ نظر فخریہ کہا کرتے تھے" میں حمد اللہ پڑھاؤں، جبریئل پڑھنے والا ہو اور خدا سننے والا ہو، تو خدا میری علمی رفعتوں پر مجھے شاباش دئیے بغیر نہ رہ سکے"

حضرت شیخ کے رفیقِ خاص، علاقہ چھچھ کے ممتاز عالم دین قاضی عبد الشکور ساماں والے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ کے ہاں رات کو ٹھہرا ہم دونوں پرانا قلعہ کی مسجد کی گیلری میں رات کو سوئے تھے۔ سحری کے وقت شیخ اٹھے۔ نماز تہجد پڑھی اور بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم آیا۔ جسے پڑھانے کے لئے آپ نے سحری کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے منطق کی مشہور کتاب "قاضی" کا سبق پڑھا۔ میں شیخ کی علمیت اور علم منطق پر کامل دسترس پر بے حد حیران تھا کہ قاضی

جیسی انتہائی مشکل کتاب اس آسانی اور روانی سے پڑھا رہے ہیں جیسے کوئی ماہر اور تجربہ کار استاد بچوں کو قاعدہ پڑھاتا ہے۔ جب وہ طالب علم فارغ ہو کر چلا گیا تو میں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن شیخ نے سوائے تبسم فرمانے کے کچھ نہیں کہا۔

علامہ شبیر علی شاہ دامت برکاتہٗ بیان کرتے ہیں۔

"میں دو مرتبہ شیخ القرآن کے ساتھ رئیس دارالافتاء معالی شیخ عبدالعزیز بن باز کی ملاقات کے لئے ریاض گیا۔ پہلی مرتبہ موصوف کا تعارف کرایا تو وہ کہنے لگے میرے علم میں ہے کہ مولانا کے علمی، مذہبی اور تبلیغی کارہائے نمایاں بے حد قابلِ ستائش ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ ہمارے اکابر اساتذہ میں سے ہیں۔ انکی ساری زندگی مسئلہ توحید کی اشاعت و ترویج میں گذری ہے۔ شیخ بن باز نے شیخ القرآن کو بہت دعائیں دیں اور اپنی گاڑی میں انہیں اپنے دفتر دارالافتاء لے گئے۔ جبکہ میں دوسری گاڑی میں گیا۔ تین چار گھنٹے شیخ بن باز دفتری کام میں مصروف رہنے کے بعد گھر کھانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ وہاں حسنِ اتفاق سے فیصل آباد کے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ممتاز استاذ شیخ عبدالغفار حسن اور استاذالقراء قاری عبدالقوی بھی تشریف لے آئے۔ شیخ بن باز نے ان تینوں سے استفسار کیا کیف تجدون الشیخ غلام اللہ خان تو ہر ایک نے شیخ القرآن کی عظیم الشان قربانیوں اور مسئلہ توحید میں ان کی نمایاں خدمات جلیلہ کا صمیمِ قلب سے اعتراف کیا۔

اس کے بعد میں نے شیخ بن باز کی خدمت میں عرض کیا کہ مولانا کی تفسیر جواہر القرآن

اردو کی تمام تفاسیر میں اس لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں مسئلۂ توحید سے وابستہ مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا دارالافتار کی طرف سے جب دیگر مصنفین کی کتابیں مفت تقسیم کی جاتی ہیں تو تفسیر جواہر القرآن کی تقسیم سب سے زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ اسی وقت موصوف نے مناسب قیمت پر کئی ہزار نسخے حاصل کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حکم کن عوارضات کی وجہ سے اب تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

تصانیف

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ جس طرح جلیل القدر مفسر اور محدث تھے اسی طرح تصنیف و تالیف میں بھی بدِطولیٰ حاصل تھا۔ لیکن تبلیغی اور تدریسی مصروفیات نے اس فن میں کمالات کے اظہار کا موقع بہت کم فراہم کیا۔ بایں ہمہ نادر الوجود اور محققانہ تصانیف باقیات الصالحات کے طور پر یادگار چھوڑی ہیں۔

بلغۃ الحیران :۔ رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری نکات و افادات کا بیش بہا مجموعہ ہے۔ جو اثنائے درس حضرت شیخ القرآن نے قلمبند کئے تھے اور مولانا سید نذر حسین شاہ بھی اس کام میں معاون تھے۔ تفسیر کے دیباچہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ ... یہ تقریریں جو آگے آتی ہیں حضرت صاحب نے غلام خان سے قلمبند کرائی ہیں اور بذاتِ خود ان پر نظر فرمائی ہے" اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر کی ترتیب و جمع میں حضرت خود شریک اور ذمہ دار تھے۔ یہ مختصر مگر جامع مانع تفسیر ذخیرۂ تفاسیر میں منفرد حیثیت کی حامل ہے۔

تفسیر جواہر القرآن چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کی لاتعداد تفاسیر زینتِ قرطاس بنی ہیں مگر تفسیر جواہر القرآن کا اسلوبِ نگارش توحید کے بنیادی عقیدہ کو آشکارا کرنے سے متعلق ہے۔ اپنی انفرادیت اور افادیت کے اعتبار سے اردو تفاسیر کی سرتاج ہے۔ تین ضخیم جلدوں پر مشتمل لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو چکی ہے۔ حضرت شیخ نے آخری عمر میں نظرِ ثانی کر کے مفید اضافات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو چھ ضخیم جلدوں میں تکمیل پذیر ہونا تھا جس کی صرف ایک جلد سات سو صفحات پر محیط تھی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور یہ پروگرام تشنۂ تکمیل رہ گیا۔

جواہر التوحید۔ اس میں مسئلہ توحید کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے براہینِ قاطعہ سے لبریز ہے۔ اس کی تصنیف بھی شیخ نے بعض اسلاف کی پیروی میں پسِ دیوارِ زنداں انجام دی۔ جیسا کہ موصوف فرماتے ہیں۔ "مدت سے ارادہ تھا کہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح اور انہیں کفر و شرک سے بچانے کے لئے توحید کے مفصل اور قطعی دلائل سے مخالفین کے اعتراضات کے مدلل اور باحوالہ جوابات لکھے جائیں۔ تاکہ کسی سنجیدہ آدمی کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ مگر عدیم الفرصتی مانع تھی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ راولپنڈی کے ڈپٹی کمشنر حماد رضا نے جو مذہباً شیعہ تھا اور شیعیت میں نہایت متعصب تھا، مجھے کلر سیداں میں تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا کیونکہ وہ توحید و سنت کی اشاعت کی بابت میری سرگرمیوں سے ناخوش تھا۔ چنانچہ میں نے نظر بندی کی اس مدت کو غنیمت سمجھ کر اپنی دیرینہ خواہش کے

مطابق "توحیدی پاکٹ بک" لکھنا شروع کر دی۔ گو کہ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا لیکن امید واثق ہے کہ جلد تکمیل پذیر ہو جائے گا۔ اگرچہ اس موضوع پر بزرگانِ دین پہلے بھی لکھ چکے ہیں مگر میری خواہش ہے کہ جانبین کے دلائل استیعاب اور تفصیل کے ساتھ لکھوں تاکہ اللہ کے فضل سے اس موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو منظور فرمائے اور لوگوں کے لئے مفید اور میری نجات کا ذریعہ بنائے[1]۔

دارالعلوم تعلیم القرآن کے شعبہ جات

دارالعلوم تعلیم القرآن حضرت شیخ کی زندۂ جاوید علمی یادگار حسبِ ذیل شعبوں پر مشتمل ہے:۔

<u>شعبۂ تفسیر</u>:۔ غالباً ۱۹۴۰ء میں شیخ القرآن نے دورۂ تفسیر شروع فرمایا تھا۔ یہ شعبہ انفرادی اور امتیازی شان کا حامل ہے۔ اس کی تعلیمی مدت ۱۲ رجب سے ۲۳ رمضان تک ہے جس میں اندرون و بیرونِ ملک کے سینکڑوں طلباء ہر سال سندِ فراغ حاصل کرتے ہیں۔

<u>شعبۂ حدیث</u>:۔ اس شعبہ میں پانچ کہنہ مشق اساتذہ جو احادیث کی جرح و تعدیل میں کماحقہ عبور رکھتے ہیں، اپنے علمی فیوضات سے طلباء کو مستفیض کر رہے ہیں۔ اس شعبہ سے ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام فیضیاب ہو کر دنیا کے مختلف ممالک میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

---

[1] ماہنامہ تعلیم القرآن صفحہ ۲۸ فروری ۱۹۵۸ء

دارالعلوم کے قیام کے بعد جلد ہی یہ شعبہ قائم کر دیا گیا تھا۔ اب تک شیخ الحدیث کے منصب رفیع پر حسبِ ذیل شیوخ فائز رہ چکے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحنانؒ آف چھچھ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف آف ہزارہ، شیخ الحدیث مولانا ابرار شاہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالشکور صاحب، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب آف ضلع صوابی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد ایوب صاحب اور مفتی عبدالرشید صاحب نے بھی کچھ عرصہ بخاری شریف پڑھائی ہے۔ احقر نے انہی سے بخاری شریف پڑھی تھی۔ اور اب شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحب ۹۱ برس کی عمر میں حدیث پاک کی تدریس میں مصروف ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے زمانہ میں پشتون طلبار زیادہ ہونے کی وجہ سے دورۂ حدیث پشتو میں پڑھایا جاتا تھا جس کے باعث پشتو نہ سمجھنے والے شائقین حدیث اس نعمت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر علماءِ کرام نے حضرت شیخ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ ملک کا بہت بڑا حصہ علمِ حدیث حاصل کرنے سے قاصر ہے چنانچہ شیخ نے ۱۹۶۸ء میں اردو اور پشتو دونوں میں دورۂ حدیث کا انتظام فرمایا۔ اور یہ بھی کہا کہ آئندہ سال صرف اردو میں پڑھایا جائے گا۔

جس سال پشتو اور اردو دونوں زبانوں میں پڑھائی ہوئی تھی، اردو میں پڑھنے والے صرف چار طلبار تھے۔ مولانا محمد امین صاحب موجودہ خطیب جامع مسجد محلہ قاسم آباد راولپنڈی، مولانا محمود احمد غازی موجودہ ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی و خطیب فیصل مسجد، اسلام آباد۔ ایک کشمیری مولوی صاحب اور راقم السطور۔

شعبۂ درسِ نظامی :- اس شعبہ میں درسِ نظامی کی تمام کتب پورے اہتمام اور معقول انتظام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔ متعدد تجربہ کار اور محنتی اُساتذہ تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جبکہ طلباء کی تعداد دو سو سے زائد ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں شعبہ حفظ، شعبہ تجوید و قرأت، شعبہ افتاء اور شعبہ نشر و اشاعت اپنی کارکردگی میں اچھی شہرت کے حامل ہیں۔

مدرسۃ البنات

بچیوں کے لئے حفظ، تجوید اور درس نظامی کے ساتھ ساتھ دستکاری اور سلائی وغیرہ کی تربیت کا بہترین انتظام ہے۔

دارالعلوم حسینیہ

شیخ نے اپنے آبائی علاقہ کو علمی فیوضات سے مستفیض کرنے کی غرض سے "دریا" میں ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم حسینیہ کی بنیاد رکھی۔ جو ۱۹۶۸ء تک بھرپور انداز سے علوم اسلامیہ کی خدمت انجام دیتا رہا۔ بعد میں اسے صرف درجہ حفظ تک محدود کر دیا گیا اور اس دارالعلوم کو اٹک شہر میں منتقل کر دیا گیا۔

جامعہ اشاعت الاسلام

شیخ القرآن نے ۱۹۶۸ء میں اٹک شہر میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا۔ جس کا نام جامعہ اشاعت الاسلام تجویز کیا اور ساتھ ہی ایک وسیع اور عالی مرتبت

مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اس نو تعمیر شدہ مسجد اور قائم شدہ مدرسہ کی طرف شیخ کا قلبی میلان بہت زیادہ تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر مدرسہ نے قابل قدر ترقی کی اور علمی حلقوں میں اچھی شہرت کا حامل بن گیا۔ حضرت شیخ کی آخری آرامگاہ بھی اسی مدرسہ کے احاطہ میں مرجعِ خلائق بنی ہوئی ہے۔

کتب خانہ

دارالعلوم تعلیم القرآن کے کتب خانہ کے علاوہ حضرت شیخ کا ذاتی کتب خانہ مختلف علوم و فنون کی نایاب کتب پر مشتمل ہے۔ آپ کو قلمی مخطوطات اور نادر الوجود کتب کی فراہمی کا بے حد ذوق تھا۔ جو ساری زندگی جواں رہا۔ کتبِ تفاسیر، کتب احادیث، شروحِ احادیث، کتب اسماء الرجال، کتبِ فقہ، کتب اصول و شروحِ فقہ۔ کتب تاریخ اور لغت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ مختلف فرقوں کی کتابیں، اور ان کے رد میں لکھی جانے والی کتب بھی بہت زیادہ ہیں۔ بالخصوص مرزائیوں اور بریلویوں کی کتب بڑی مقدار میں موجود ہیں۔

کچھ عرصہ یہ کتب دارالعلوم کے دفتر کی کھلی الماریوں میں رکھی ہوئی تھیں جہاں سے بہت سی کتب غائب ہوگئیں۔ جس کی وجہ سے کتب خانہ پرانا قلعہ کی مسجد کی بالائی منزل میں منتقل کرنا پڑا۔ انتہائی نفیس اور مضبوط لکڑی کی الماریاں بنوائیں۔ اپنے نام کا رجسٹر کتب طبع کروایا اور راحقر کو کتابوں کی ترتیب پر مامور فرمایا۔ مزید ارشاد فرمایا کہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف میں کتب خانہ کی ترتیب بہت اچھی ہے۔ تم دونوں کتب خانوں کی ترتیب دیکھ لو۔ اور پھر دونوں میں سے

جو ترتیب زیادہ اچھی ہو اس کے مطابق میرا کتب خانہ مرتب کرو۔ نیز یہ بھی دیکھنا کہ جس فن کی کتب ہمارے ہاں موجود نہ ہوں، وہ بھی نوٹ کرلیں تاکہ منگوائی جا سکیں۔

حضرت شیخ کے دل میں کتابوں کی قدر و منزلت اس قدر تھی کہ صرف ترتیب کتب دیکھنے کے لئے مستقل آدمی کو بھیجا جا رہا ہے۔ بہرحال احقر نے پہلے جامعہ اشرفیہ کا کتب خانہ دیکھا جو مستقلاً دو منزلہ عمارت میں انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ پورے کمرے میں چاروں طرف بجری کی الماریاں بنی ہیں۔ درمیانی چھت آدھی خالی ہے جس سے پورے کتب خانہ کا نظارہ بڑی سہولت سے ہو جاتا ہے ایک آدمی ہمہ وقتی نگرانی پر مامور ہے۔ تفاسیر اور احادیث کا قابلِ قدر ذخیرہ ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت بڑا کتب خانہ معلوم ہوتا ہے لیکن بالائی منزل میں تقریباً سب درسی کتابیں ہیں غیر درسی کتب کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ البتہ ترتیب صفائی اور نگرانی قابلِ تعریف ہے۔

خانقاہ سراجیہ میں اگرچہ کتب خانہ زیادہ بڑا تو نہیں ہے لیکن بہت نایاب اور نادر کتب پر مشتمل ہے۔ بند الماریوں میں بڑے سلیقے سے سجایا گیا ہے اور ترتیب فنون کے اعتبار سے ہے۔ احقر کے خیال میں حضرت شیخ کا کتب خانہ ان دونوں سے بہت بڑا ہے۔ مجموعی حیثیت سے ہر ایک موضوع پر بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، خانقاہ سراجیہ کے کتب خانہ میں ایک کتاب دیکھی جو جامعہ اشرفیہ اور شیخ کے کتبخانہ میں نہیں تھی "مفہرس الحدیث" جو ہالینڈ کی مطبوعہ تھی۔ یہ احادیث کی عجیب و غریب فہرست ہے جسے بڑی محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اور انتہائی قابلِ قدر کتاب ہے۔ بڑی تقطیع کی سات جلدوں میں چھپی ہے۔

مارچ ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ جب دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ جلسہ میں جانے لگے تو احقر کو ارشاد فرمایا کہ جن جن کتابوں کی کچھ جلدیں ضائع ہو گئی ہیں وہ نوٹ کر لیں اور ہندوستان سے ضرور لانی ہوں گی حسبِ ارشاد میں نے فہرست تیار کر لی اور دہلی جا کر ایک ایک جلد بڑی کوشش اور جستجو سے فراہم کی جب تک تمام کتابیں پوری نہ ہوئیں، بازار میں موجود رہے۔ اس طرح کافی تعداد میں کتابیں خریدلیں۔ حالانکہ یہ سفر آپ کی زندگی کا بالکل آخری سفر تھا جس کے صرف دو ماہ بعد آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ مگر کتابوں کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ آخر تک ان کی خریداری کا سلسلہ جاری رہا۔

اگرچہ شیخ نے ساری زندگی مسجد کے حجرہ نما مکان میں گذاری تھی لیکن اولاد کے لئے پرانا قلعہ ہی میں ایک مکان زندگی کے آخری ایام میں تعمیر کرایا تھا جس میں کتبخانہ کے لئے دو کمرے مخصوص تھے۔ جب نئے مکان میں قیام اختیار فرمایا تو کتبخانہ کی ترتیب کا پھر احقر کو حکم دیا۔ میں نے بحمداللہ کتابوں کو الماریوں میں سایقہ ترتیب سے سجا دیا۔

ماہنامہ تعلیم القرآن کا اجراء

شیخ القرآن مرحوم و مغفور کا قرآن کے ساتھ عشق و فریفتگی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے دارالعلوم کا نام "تعلیم القرآن" اپنی تفسیر کا نام "جواہر القرآن" اور اپنے ماہنامہ رسالہ کا نام "تعلیم القرآن" رکھا۔ یہ رسالہ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق نومبر ۱۹۵۷ء کو جاری کیا گیا تھا۔ اس کی چند خصوصیات قابلِ قدر ہیں۔

۱۔ اشاعت وترویج توحید وسنت میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

۲۔ اکابرینِ اُمت خصوصاً سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل شہید اور اکابرینِ دیوبند پر عائد کردہ الزامات وافترارات کا مدلل ومسکت جوابات کا سلسلہ

۳۔ شیخ القرآن رح کی تفسیر جواہر القرآن کی قسط وار اشاعت جو اجرائے رسالہ سے ہی شروع کردی گئی تھی۔ اور اس وقت سورہ حٰم السجدہ تک پہنچ چکی ہے۔

۴۔ دارالعلوم تعلیم القرآن میں ملک کے طول وعرض سے آنے والے دینی مسائل کے بارے میں سوالات کے جوابات تواتر اور پابندی کے ساتھ رسالہ کی زینت بن رہے ہیں۔

رسالہ کے اولین مدیر محمد اسد اللہ قریشی تھے۔ اس کے بعد مولانا معروف شاہ شیرازی اور اب مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری ہیں۔

افتاء کی خدمت عرصہ دراز تک مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم انجام دیتے رہے۔ اب چند سالوں سے اُن کی معذوری کے باعث نئے مفتی حبیب الرحمٰن مدظلہ یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حضرت شیخ کی زندگی میں رسالہ کی اشاعت بہت زیادہ تھی اور مضامین میں علمی اور تحقیقی رنگ غالب تھا۔ مگر اس وقت سوا تفسیر جواہر القرآن اور فتاویٰ کے دیگر مضامین اس معیار کے نہیں رہے۔ تاہم پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ حضرت شیخ کا یہ صدقہ جاریہ جاری وساری ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

Ghulam-Ullah Khan
CHANCELLOR

EDUCATIONAL CENTER OF THE ISLAMIC IDEOLOGY AND THE QURANIC PREACHINGS

Raja Bazar, Rawalpindi - Pakistan

غلام الله خان

مدیر دار العلوم راولپنڈی پاکستان

مرکز البحوث العلمیة والافتاء والدعوة والارشاد

تلفون المکتب:- ٦٤٤٨٧

٦٧٢٩١ :-

الموافق:-

[illegible]

[illegible]

15/16

[illegible]

غلام الله

10/1/78

باب سوم

دعوت وارشاد

تبلیغی سرگرمیاں

تاریخی اسفار

زمزمۂ توحید

گلہائے عقیدت ببارگاہِ رسالتؐ

ہدیۂ سپاس بحضورِ اصحابِ رسولؐ

تبلیغی سرگرمیاں

حضرت شیخ القرآن ایک شعلہ نوا مقرر اور پُر جوش و باوقار خطیب تھے۔ حق گوئی و بیباکی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ جبر و استبداد اور ظلم و ستم انہیں جادۂ حق سے سرِ مُو نہ ہٹا سکا۔ دنیا کی کوئی طاقت اور لالچ نہ تو ان کے ضمیر کو خرید سکی اور نہ ہی ان کے مذہب و ملت کی سربلندی کے لئے سرشار جذبات کو ٹھنڈا کر سکی۔

موصوف نے توحید کا عَلَم ایسے پُر خطر حالات میں بلند کیا جبکہ عقائد کے پیچ و خم، کفر و شرک اور بدعات کی سرحدیں پار کر رہے تھے۔ جاہل صوفی، دین فروش پیر اور علماءِ سوء اسلامی اخلاق و افکار کی دھجیاں بکھیر رہے تھے۔ شیخ نے ان کے مشرکانہ عقائد و اعمال کے خرمن کو شمعِ توحید سے جلا کر خاکستر کر دیا۔ جویانِ راہِ حق کو توہم پرستی، قبر پرستی اور شخصیت پرستی کے گورکھ دھندوں سے نجات دلا کر اپنے مالکِ حقیقی ربّ العزت کے در پر لا کھڑا کیا۔ جو انسانی قلوب برسوں سے شرک و بدعت کے گھوارے بنے ہوئے تھے انہیں نورِ توحید سے منور کر کے سنتِ رسولؐ

کا متوالا بنا دیا۔ مسئلہ توحید بیان کرتے وقت شیخ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ آپ توحید و سنت کے داعی اور شرک و بدعت اور ہر باطل نظریہ کے لئے ننگی تلوار تھے۔ حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے۔ سچی بات کہنے میں کبھی مصلحت آڑے نہیں آئی۔ حق کہنا۔ حق پر ڈٹے رہنا اور حق پر کٹ مرنا ان کی زندگی کا اٹل اور سنہری اصول تھا۔ درس و تدریس، تحریر و تقریر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ساری زندگی صرف کر دی۔ علم کا وقار اور دین کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی خودداری سے کام لیتے۔ ناموسِ رسالت، عظمتِ صحابہؓ، عفتِ ازواجِ مطہرات، تقدسِ اہلِ بیت اور اسلافِ صالحین کے وقار پر جان کا نذرانہ پیش کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ اس راہ میں بارہا موت نے آپ کو سلامی دی، آپ کے پائے استقلال کو چوما اور مسکراتی ہوئی واپس لوٹ گئی۔

حضرت شیخ نے برصغیر کے خوابیدہ مسلمانوں کو توحید کی نغمہ سرائی سے بیدار کیا اور ان کی متاعِ گم گشتہ کی بازیابی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور عقیدہ توحید کی تبلیغ و توضیح میں شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ مسلمانوں میں عقائد، نظریات اور افکار کی اصلاح کا شعور پیدا کیا۔ انہیں اپنی وجد آفریں تقریروں سے شمعِ توحید کا پروانہ اور سنت رسول اللہ کا شیدائی بنا دیا۔ آپ کے اندر جذبۂ تبلیغ اس قدر غالب تھا کہ عمر عزیز کا شاذ ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو جس میں قرآنی دعوت اور سنتِ سنیہ کی تبلیغ کا مقدس فریضہ انجام نہ دیا ہو۔ حتّٰی کہ شدید بیماری کی حالت میں بھی یہ جذبہ کبھی ٹھنڈا نہ ہوا۔

درج ذیل واقعہ اور اس قسم کے بیسیوں واقعات آپ کے اس جذبہ کے عکاس ہیں۔

۶ر دسمبر ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے کہ آپ کو دل کا دورہ پڑا۔ اعزہ واقارب نے اسلام آباد کے ہسپتال پولی کلینک میں داخل کرادیا۔ اللہ نے رحمت فرمائی اور علاج معالجہ سے خطرہ کی حالت ٹل گئی۔ لیکن چند دن بعد رات کو پھر شدید تکلیف ہوئی۔ ساری رات کرب واضطراب میں گذری۔ امیدوں کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کو اللہ تعالےٰ نے کامیابی سے ہمکنار کردیا۔ صبح کو جب صاحبزادہ مولانا قاضی احسان الحق حاضر خدمت ہوئے تو حضرت شیخ اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔ صاحبزادہ صاحب پر خوشی اور استعجاب کی ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی۔ یا اے خدایا! رات تو زندگی اور موت کی کشمکش میں بسر ہوئی اور اس وقت مطالعہ میں مصروف؟

اس پر مستزاد یہ کہ دن کو ساڑھے گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب سے دارالعلوم تعلیم القرآن کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ مولانا! رات کو آپ کی حالت کس قدر خطرناک تھی۔ میں کیسے آپ کو جمعہ پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہوں؟" جب ڈاکٹر کے جواب سے مایوسی ہوئی تو فرمایا اچھا ہسپتال کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت ضرور ملنی چاہیئے۔ میں جمعہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ہاں یہاں جمعہ پڑھ لیں۔ امید ہے اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

جب ہسپتال کی مسجد میں پہنچے تو وہاں کے خطیب مولانا عبدالباقی نے

جو شیخ کے تلامذہ میں سے تھے، دیکھتے ہی اعلان کر دیا کہ حضرت شیخ القرآن تشریف لے آئے ہیں، اب وہی تقریر فرمائیں گے۔ چنانچہ انہیں نہ تو اپنی شدید بیماری کا خیال رہا اور نہ ہی حد سے زیادہ ضعفِ جسمانی کی پرواہ کی اور پون گھنٹہ تقریر کر دی۔

عارضۂ قلب جیسا جان لیوا مرض، ضعف و نقاہت کا یہ عالم کہ کھڑے ہونے سے پاؤں لڑکھڑاتے تھے اور ساری رات موت و حیات کی چشمک جاری رہی۔ ادھر تبلیغ کا جذبہ جنون کی حد تک بڑھا ہوا ہے۔ قرآن ہاتھ میں لے لیا تو سارے دکھ کافور ہو گئے۔ ؎

اہلِ دل شدتِ غم سے کہیں گھبراتے ہیں اوس پڑتی ہے تو پھول اور نکھر جاتے ہیں

جب ڈاکٹر صاحب کو دیکھا تو ہنس دیئے۔ یہ تھی کیف و سرمستی کی حالت کہ بسترِ علالت پر بھی قوم کی اصلاح اور فلاح کی فکر دامنگیر رہی ہے۔ کسی عارف نے ایسے ہی مردِ حق پرور کے جذبات کی اس طرح ترجمانی کی ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

پاکستان کے طول و عرض میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں شیخ نے دعوتِ توحید کا حق ادا نہ کیا ہو۔ پسماندہ علاقوں اور دور دراز مقامات پر واقع چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبوں کے دشوار گذار راستوں کو پا پیادہ طے کر کے قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا کی وجد آفریں صدا سے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ کتنے ہی مقامات پر آپ کو حق و صداقت کی آواز بلند کرنے سے باز رکھنے کی ناکام کوششیں کی گئیں۔ زبان بندی، ضلع بدری، نظر بندی اور دفعہ ۱۴۴ جیسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال

کئے گئے، مگر شیخ نے بڑی جرأت اور جسارت کے ساتھ سربکف ہو کر افضل الجہاد کلمۂ حق کا حق ادا کیا۔ آپ کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا:۔ ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اکثر ایسا ہوتا کہ صبح ایک شہر میں تقریر کی اور رات کو کسی دوسرے شہر میں پہنچ کر رونق اسٹیج بنتے۔ اور بارہا ایسا اتفاق بھی ہوا کہ ایک ایک رات میں کئی کئی جلسوں میں گھنٹوں تقریر دلپذیر سے مجمع کو گرماتے رہتے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

صدر ایوب کے زمانہ میں ملتان میں ایک عظیم الشان توحید کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک بھر سے تمام مکاتبِ فکر کے دو دو علماءِ کرام، اور دانشور اور نامور سکالر مدعو تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب نے دیوبندی مسلک کے جن دو علماء کا انتخاب کیا وہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور علامہ شمس الحق افغانی تھے۔

منتظمین نے مندوبین کی رہائش اور طعام وغیرہ کا بہت اعلیٰ انتظام کر رکھا تھا لیکن حضرت شیخ اپنی جماعت کے مرکز کالے منڈی میں قیام پذیر ہوئے اور کھانا بھی وہیں کھاتے رہے۔ نہ تو منتظمین کی رہائش گاہ میں قیام کیا اور نہ وہاں کھانا کھایا۔

کانفرنس کے انتظامات بیحد قابلِ تعریف تھے اور مجمع بھی بہت زیادہ تھا حضرت شیخ نے توحیدِ خداوندی پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک ایسی انقلاب آفریں اور ایمان پرور تقریر کی کہ سارا مجمع ورطۂ حیرت میں پڑ گیا۔ سامعین اسقدر محظوظ ہوئے کہ حضرت شیخ کو دوبارہ تقریر کرنے پر مجبور کر دیا گیا! ور منتظمین بھی متاثر

ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہیں سامعین کے مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ چنانچہ تمام مقررین میں سے حضرت شیخ ہی تھے جن کی تقریر دو مرتبہ ہوئی۔

جب شیخ منتظمین سے اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو انہوں کرایہ غیرہ کے لئے دوسرے مقررین کی طرح ان کی خدمت میں چیک پیش کیا۔ لیکن شیخ نے بڑے تشکر کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا کہ میں آپ لوگوں کا شکر گذار ہوں کہ آپنے اس عظیم الشان کانفرنس میں مجھے توحید بیان کرنے کا موقع فراہم کیا ہے ویسے بھی کرایہ وغیرہ لینے کی میری عادت نہیں ہے۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ آپکے اس طرزِ عمل سے منتظمین بے حد متاثر ہوئے۔

زمزمۂ توحید

شب گریزاں ہو گئی جلوۂ خورشید سے — یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

حضرت شیخ القرآن کا اصل موضوعِ سخن "مسئلۂ توحید" تھا۔ ان کی تقریر ہو یا دورۂ تفسیر، ہر آیت اور ہر بات سے توحیدِ خداوندی آشکارا کرتے اور فرماتے کہ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی تبلیغ، وضاحت اور صراحت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ جس کے متعلق قرآن آواز دیتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ	بھیجا کہ جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝	ہو کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔
سورہ انبیاء۔ آیت ۲۵	سو میری ہی عبادت کرو۔

حضرت شیخ اکثر کہا کرتے تھے، لوگ کہا کرتے ہیں۔ مولوی جی مثبت پہلو بیان کرو تاکہ کوئی ناراض نہ ہو جائے۔ حالانکہ قرآن پہلے منفی پہلو بیان کرتا ہے یعنی لَآ اِلٰہَ پھر مثبت یعنی اِلَّا اللّٰہُ کہ ساری کائنات میں کوئی اِلٰہ نہیں، پیغمبر بھی اِلٰہ نہیں، فرشتہ بھی اِلٰہ نہیں، کوئی زندہ اور مردہ بھی اِلٰہ نہیں اِلَّا اللّٰہُ مگر اللہ ہی اِلٰہ ہے۔

شیخ القرآن فرماتے تھے کہ اِلٰہ کے بارے میں جھگڑا صرف اتنا تھا کہ مشرک کہتے تھے "اللہ بھی" اور پیغمبر علیہ السلام کہتے تھے "اللہ ہی" مشرک کہتے تھے اللہ کے سوا اور بھی چھوٹے چھوٹے اِلٰہ ہیں۔ پیغمبر نے فرمایا اللہ ہی اِلٰہ ہے اور کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ یہی جھگڑا تھا کہ پیغمبر نے انہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی دعوت دی۔ مکے والوں نے کہا اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا (تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا ہے)

جاہل لوگوں کا ایک طبقہ آپ کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور آپ کی ذات کے ساتھ بغض و عناد کا یہ عالم تھا کہ جس مسجد میں آپ تقریر کرتے، بعد میں لوگ مسجد کو غسل دیتے تھے کہ نعوذ باللہ ان کے آنے سے مسجد ناپاک ہو گئی ہے لیکن شیخ ایسی نازیبا حرکات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینے میں تادمِ مرگ منہمک رہے۔

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر — بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط — اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
اس چمن کو سبقِ آئینِ نمو کا دے کر — قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں

حضرت شیخ اکثر فرمایا کرتے تھے، یہ بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ جو قرآن علماء سوء اور دین فروش پیر پڑھتے ہیں، غلام اللہ بھی وہی قرآن پڑھتا ہے۔ جو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ وہ پڑھتے ہیں وہی کلمہ غلام اللہ بھی پڑھتا ہے وہ عربی میں پڑھتے ہیں اور غلام اللہ کا جرم یہ ہے کہ وہ اپنی زبان میں اس کا ترجمہ بیان کرتا ہے۔ پس پھر میدانِ کارزار گرم ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں دو مرید اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا دورانِ گفتگو پیر صاحب نے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ مرید نے فارسی میں کہا "ایں سگ زادۂ منم" جواب سمجھ نہ آنے کی وجہ سے پیر صاحب نے دوبارہ پوچھا، اس نے پھر وہی جواب دیا۔ پیر صاحب نے کہا مجھے تمہارا مقصد سمجھ نہیں آرہا۔ اس پر اس کے ساتھی نے کہا۔ حضرت یہ کہہ رہا ہے" یہ میں کتے کا بچہ ہے" یہ سنتے ہی وہ مرید آگ بگولہ ہو کر لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا کہ تم نے مجھے کتا بنا دیا ہے ساتھی نے کہا اس میں لڑنے کی کیا بات ہے جو بات تم فارسی میں کہہ رہے تھے میں نے اسے اپنی زبان میں کہہ دیا ہے۔ اس میں میرا کیا جرم ہے۔ شیخ فرماتے تھے یہی حال ان پیروں اور مولویوں کا ہے۔ وہ عربی میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا اور غلام اللہ اسے اردو میں کہہ دے کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں کوئی حاجت روا و مشکل کشا نہیں، کوئی عالم الغیب و حاضر ناظر نہیں، کوئی فریاد رس اور نجات دہندہ نہیں مگر ایک اللہ.... تو پھر غلام اللہ کا جرم قابلِ گردن زدنی ہو جاتا ہے۔ پھر وجد میں آکر یہ شعر پڑھتے تھے۔

چوں تیغِ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری مجو از غیر حق یاری کہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ھُو۔

حضرت شیخ کہا کرتے تھے کہ علماءِ سو نے من گھڑت روایات اور جھوٹی حکایات بیان کر کر کے لوگوں کے باطل عقائد و نظریات اس قدر پختہ کر دئیے ہیں کہ اگر ان کے سامنے قرآن و حدیث کے روشن دلائل بیان کئے جائیں تو نہیں مانتے کی بجائے کہتے ہیں" فلاں کتاب میں یوں لکھا ہوا ہے ہم اسے کیسے غلط کہہ سکتے ہیں۔ پھر اس پر ایک مثال بیان کرتے تھے۔ کہ کوئی آدمی کہیں ملازم تھا کافی عرصہ تک وہ گھر نہ گیا، اس کی بیوی سخت پریشان، اسے بارہا خط بھی لکھے۔ لیکن وہ گھر جانے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ آخر بیوی کو ایک ترکیب سوجھی جو کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے خاوند کو خط لکھا" تم گھر نہیں آتے تھے اب تو تمہاری بیوی بیوہ ہو گئی ہے" جب اسے خط پہنچا تو پڑھ کر اس نے رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ چیخ و پکار کی دلدوز آواز سن کر لوگ جمع ہو گئے اور اس سے رونے کی وجہ معلوم کرنے لگے۔ اس نے کہا بس کچھ نہ پوچھو میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔" لوگوں نے اسے سمجھایا کہ اللہ کے بندے تم زندہ سلامت ہو تمہاری بیوی کیسے بیوہ ہو گئی۔ وہ کہنے لگا" گھر سے خط آیا ہے۔ خط پر ڈاکخانہ کی مہر بھی لگی ہوئی ہے! اس میں لکھا ہوا ہے کہ تمہاری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔" لوگوں نے اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی کہ خاوند جب تک زندہ ہوتا ہے۔ بیوی بیوہ نہیں ہو سکتی۔ جب خاوند فوت ہو جائے تب عورت بیوہ ہو جاتی ہے۔ وہ کہنے لگا تم ہزار دلیلیں پیش کرتے رہو جب خط میں لکھا ہوا ہے کہ میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے تو میں خط کو کیسے غلط مان لوں۔

جہاں کہیں شرک و بدعت کے مریض آپ کی تقریر سننا گوارا نہ کرتے اور جلسہ

کے انعقاد میں رکاوٹ پیدا کرنے کی جسارت کرتے یا کسی مقام پر شریک جلسہ ہونے پر قتل کر دینے کی دھمکی دیتے تو ایسے مواقع پر حضرت شیخ مرعوب یا دل برداشتہ ہونے کی بجائے پامردی جرأت اور استقلال کے ساتھ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرتے۔ اور جان ہتھیلی پر رکھ کر متانت اور وقار کے ساتھ اس شہر میں جا کر جذبۂ جلال کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں ایمان افروز تقریر کرتے اور نہایت بارعب اور گرجدار آواز میں فرماتے"

تقریر میں بڑے سوز دروں کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے جس سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے اور لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ علماء سوء عموماً لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ "غلام خان کی تقریر ہرگز نہ سننا ورنہ تم بھی وہابی بن جاؤ گے۔"

مردِ حق پرور اجل سے آشنا ہوتا نہیں حلق کٹنے پر بھی سر تن سے جدا ہوتا نہیں

اگرچہ ایسے حیرت انگیز اور سبق آموز واقعات آپ کی زندگی کا ایک مستقل باب ہے لیکن مضمون کی طوالت کے خوف کے باعث "مشتے نمونہ از خروارے" صرف چند واقعات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

بندیال ضلع سرگودھا کے لوگ شرک وبدعت کے ایسے گرویدہ تھے کہ انہیں حق وصداقت کی آواز سننا بھی گوارا نہ تھی۔ گرد و پیش کے موحد اور صحیح العقیدہ لوگ توحیدِ خالص کی تبلیغ کرانے میں کوشاں رہے مگر ان کی کوششیں بارآور ثابت نہ ہو سکیں۔ جب اس صورتِ حال کا علم شیخ القرآن کو ہوا تو وہ نہایت بیتاب و مضطرب ہوئے کہ اس بستی کے ہزاروں باشندے توحیدِ خداوندی سے بے بہرہ

اور محروم رہیں اور ہم کس طرح قیامت کے دن تبلیغ کی ذمہ داری سے سرخرو ہو سکیں گے۔ ایک موقع پر قریب ہی کی کسی بستی میں قیام تھا۔ فرمایا میں "بزنایاب" میں جاکر توحید سناتا ہوں۔ احباب نے وہاں کے متشدد اور متعصب علماء سُوء کی ایذا رسانی کا خدشہ ظاہر کیا اور کہا کہ ایسے حالات میں وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں لیکن شیخ تو عزم و استقلال کے کوہِ گراں تھے۔ وہ نہ کسی کی دھمکی سے مرعوب ہونے والے تھے اور نہ ہی آوازۂ حق بلند کرنے میں شدائد و مشکلات کو خاطر میں لانے والے تھے۔ چنانچہ آپ تنِ تنہا وہاں پہنچے اور مولانا یار محمد سے کہنے لگے۔ میں طالب ہوں بڑے دور سے کلمہ شریف کا معنی سیکھنے آیا ہوں۔ بارہا علماء سے اس کا مطلب دریافت کیا مگر تشریح تسلی بخش نہ کر سکے۔ آپ کے علم کی شہرت سن کر حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ مولانا نے معنیٰ کیا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ شیخ القرآن نے معصومانہ انداز میں کہا حضرت معبود تو عربی لفظ ہے۔ ایک جاہل آدمی اسے کس طرح سمجھ سکتا ہے آپ آسان معنی کریں جو میری سمجھ میں آسکے۔ انہوں نے کہا "نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ تعالیٰ" شیخ پھر فرمانے لگے حضرت جی! عبادت بھی عربی لفظ ہے کوئی آسان ترجمہ کریں۔ یونہی دو تین مرتبہ معقول اعتراض کرنے پر مولانا یار محمد مزید آسان ترجمہ کرنے سے عاجز آگئے۔ اس پر شیخ القرآن نے فرمایا۔ ایک ترجمہ میں کرتا ہوں ہو سکتا ہے وہ آسان اور عام فہم ہو۔ مولانا نے کہا کریں۔ موصوف نے شروع کر دیا۔

کوئی حاجت روا نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی عالم الغیب نہیں، کوئی

حاضر ناظر نہیں، کوئی فریاد رس نہیں، کوئی رکوع کے لائق نہیں، کوئی سجدے کے لائق نہیں۔ اِلَّا اللہ۔ مگر ایک اللہ"

مولانا یار محمد سخت برہم ہوئے، غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور کہنے لگے پہچان گیا، تم غلام خان گستاخِ رسول وہابی ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے شاگردوں وغیرہ کو حکم دیا کہ ضَرَبَ یَضْرِبُ کا باب شروع کر دو۔ یعنی ان کی پٹائی کی جائے۔ اس طرح شیخ القرآن کلمۂ حق سنانے میں فائز المرام ہو کر لوٹ آئے۔ ادھر احباب پریشانی کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ ابھی کوئی اطلاع لڑائی مار پٹائی کی آتی ہے۔ اتنے میں شیخ خوش و خرم تشریف لائے اور فرمایا فزت بربِ الکعبۃ لیکن کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ شرک و بدعت کے اس گڑھ میں توحید سنانا اور پھر خیریت سے واپس آجانا۔ جب شیخ نے حقیقت بیان فرمائی تو سب ششدر رہ گئے۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

فائد آباد کے قریب موضع وڑچھ کے پیر غلام حبیب شاہ موحدین کے خون کے پیاسے اور سخت مخالف تھے۔ انہیں کسی صورت یہ گوارا نہ تھا کہ شیخ القرآن جیسا قاطعِ شرک و بدعت اِن کی بستی میں تقریر کرے۔ لیکن حق کے شیدائی بھی جان کا نذرانہ پیش کر کے تبلیغِ حق کا فریضہ ادا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد امیر صاحب نے مذکورہ قصبہ میں جلسہ کا انتظام کرایا اور شیخ القرآن کو ساتھ لے گئے۔ اُدھر پیر صاحب کی انا کا مسئلہ تھا۔ انہیں وصول ہونے والے نذرانوں کی بندش کا خطرہ بھی لاحق تھا۔ پیر صاحب نے جلسہ بند کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا

مگر مقدر نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ روحانی شعبدہ بازی اور سیاسی اثر ورسوخ سے جلسہ ملتوی کرانے کی بھر پور کوشش کی لیکن منہ کی کھانی پڑی۔ بالآخر پیر جی کو سیاسی اور روحانی محاذ پر شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اور روڑچھ میں جلسہ منعقد ہو ہی گیا جہاں شیخ القرآن ببر شیر کی طرح سٹیج پر گرج رہے تھے۔ پیر صاحب نے پینترا بدلا اور نئی چال چلی۔ مریدین ومتوسلین سے کہا۔

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ٥

شور وشر اور غل غپاڑہ کر کے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی مذموم جسارت کارگر ثابت نہ ہو سکی تو پیر صاحب نے اپنی ترکش کا آخری تیر بھی چلادیا اور مریدوں کی فوج ظفر موج کو حکم دیا وہابیوں کو گولیوں سے چھلنی کر دو۔ یہ حکم ملنے کی دیر تھی کہ فائرنگ کی خوفناک آواز سے کوہ ودمن گونجنے لگے۔

لیکن حاسدین اور مبتدعین کی چیرہ دستیوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں اللہ کا شیر بڑی متانت اور وقار کے ساتھ اپنے مخصوص لہجہ میں قرآن پڑھ کر موحدین کے دلوں کو گرما رہا تھا۔ شیخ آتشیں گولیوں کی بوچھاڑ میں پھولوں کی بارش کی طرح لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور بڑے جلال میں قرآن پڑھ کر خود بھی محظوظ ہوتے اور سامعین کو بھی قرآن کی لذتوں اور حلاوتوں سے مسرور کر رہے تھے۔ مولانا بابا غلام محمد پروانہ وار شیخ کے گرد چکر لگاتے، ان کی جراُتِ مردانہ پر دادِ تحسین پیش کرتے اور بار بار کہہ رہے تھے "ان لوگوں کے مشرکانہ عقائد واعمال پر قرآن کی روشنی میں فتوٰی لگائیں اور ان کے شرک وبدعت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں"۔

بالآخر دشمنانِ دین خائب وخاسر، ناکام ونامراد ہو کر خاموش ہوگئے اور شیخ القرآن

رات کے سناٹے میں دیر تک قرآن کی نغمہ سرائی میں مصروف رہے۔

علامہ اقبال ان واقعات کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں :۔

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں　　مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ

یہ نغمہ نہیں فصلِ گل و لالہ کا پابند　　بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ

ایک دفعہ واں بھچراں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مولانا خلیل احمد کے والد مولانا غلام یٰسین سے پیر قمر الدین سیالوی نے مناظرہ کی ٹھان لی پیر صاحب کے خاص الخاص مرید ملک مظفر پیش پیش تھے۔ ادھر مولانا محمد امیر بندیالوی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ چونکہ ملک مظفر علاقہ کا وڈیرا اور با اثر تھا اس نے انتظامیہ سے ساز باز کر کے دیوبندیوں کے جلسہ پر پابندی عائد کرا دی۔ مولانا محمد امیر کی تقریر کے دوران تھانیدار نے جا کر تقریر بند کروا دی اور اعلان کیا کہ جلسہ پر میں نے پابندی لگا دی ہے اب جلسہ نہیں ہو گا۔

جب اس صورتِ حال کا علم شیخ القرآن کو ہوا تو برہم ہو گئے اور فوراً سٹیج پر جلوہ افروز ہو کر تقریر شروع کر دی۔ ادھر تھانیدار سیخ پا ہو کر آدھمکا اور بڑے رعب سے کہنے لگا۔ مولانا آپ نے پابندی کیوں توڑی ہے؟ آپ تقریر نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا یکطرفہ پابندی کا کوئی جواز نہیں۔ اگر فریقِ ثانی کے جلسہ پر بھی پابندی لگا دیں تو ہم بھی جلسہ نہیں کریں گے۔ لیکن جانبداری کا فیصلہ ہم ہرگز قبول نہیں کرتے۔ تھانیدار نے ملک مظفر سے جلسہ بند کرنے کو کہا۔ جس کے جواب میں ملک کہنے لگا۔ ہم جلسہ جاری رکھیں گے کیونکہ یہاں ہماری اکثریت ہے ہم جلسہ کرنے کا حق رکھتے ہیں لیکن وہ لوگ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے جلسہ نہیں کر سکتے۔ تھانیدار پیغام رسانی کے لئے پھر

شیخ القرآن کے پاس آیا اور ساتھ ہی جلسہ بند نہ کرنے پر سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی بھی دی۔ شیخ طیش میں آگئے اور فرمایا۔ یہاں سوال اقلیت، اکثریت کا نہیں بلکہ معاملہ حق و باطل کی جنگ کا ہے۔ تھانیدار جب مداخلت سے باز نہ آیا تو سرعام اس کی گوشمالی کر دی اور وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپا ہو گیا۔ اور شیخ نے اس وقت تک تقریر جاری رکھی جب تک پیر سیالوی کا جلسہ جاری رہا۔ بلکہ اس کے ختم ہو جانے کے بعد تک بھی گلشنِ توحید کا یہ عندلیب چہچہاتا رہا ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　　وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ایسے واقعات کے لئے تو ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں اتنی گنجائش کہاں۔ میرے اس نظریہ کی ترجمانی شاعر نے کیسے احسن پیرائے میں کر دی ہے۔ ؎

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش　　حمیدا ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا یہ جملہ شیخ القرآن دہرایا کرتے تھے، جو حقیقت کا آئینہ دار تھا۔ "آدھی زندگی ریل میں گذر گئی اور آدھی جیل میں"

شیخ نے نہ صرف ملک کے گوشے گوشے میں توحید کا جھنڈا سرفراز کیا۔ بلکہ متعدد اسلامی ممالک کا بھی کئی مرتبہ تبلیغی دورہ کر کے انہیں مسئلہ توحید سے روشناس کرایا۔

مولانا حافظ نور حسین سفیر دار العلوم تعلیم القرآن بیان کرتے ہیں۔

میں نے اپنے گاؤں بگوال ضلع چکوال جلسہ کرایا۔ گاؤں اور علاقہ میں مخالفت زوروں پر تھی لیکن پیغامِ توحید پہنچانے کی غرض سے حالات سے بے نیاز ہو کر جلسہ کا اہتمام کر لیا۔ شیخ القرآن، سید عنایت اللہ شاہ، قاضی شمس الدین، مولانا محمد سعید

میانوالی، حافظ نور محمد، مولانا غلام مصطفےٰ اور حافظ اللہ داد وغیرہ علما تشریف لائے تھے
رات کو حافظ نور محمد کی تقریر ہوئی، موصوف بے حد خوش الحان تھے۔ شہادت حسینؓ
پر بڑی عمدہ تقریر کی لیکن مخالفین نے طے شدہ پروگرام کے مطابق تقریر میں گڑبڑ
شروع کر دی۔ مجمع بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ ہم نے گڑبڑ پر قابو پالیا اور جلسہ ہوگیا لیکن
لوگوں نے دھمکی دی کہ کل اگر کسی نے تقریر کی تو ہم خون کی ندیاں بہادیں گے۔

چنانچہ میں نے بھی اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بلالیا اور مکمل انتظام کرلیا۔
نمازِ فجر کے بعد شیخ القرآن نے درس قرآن مجید دیا۔ اور خوب جوش کے ساتھ مسئلہ
توحید بیان کیا۔ دورانِ درس شیخ نے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی پوری وضاحت
کے ساتھ تشریح کی۔ اور قرآن مجید، احادیث شریف، اور فقہ حنفی کے حوالہ جات
سے ثابت کیا کہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، منت و منوتی اور چڑھاوے سب
حرام ہیں۔

درس میں سرگ ڈھن والا پیر بھی موجود تھا جو سالانہ پندرہ سولہ من غلہ شرنی کے
طور پر یہاں سے لے جایا کرتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ یہ تو میری آمدنی بند کرا رہے
ہیں، اس نے شور مچا دیا کہ لوگو! یہ مولوی ہر چیز کو حرام قرار دے رہا ہے۔ اور تم
خاموش ہو۔ یہ پیروں و بزرگوں کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔

پیر نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ جس کی بنا پر شیخ نے کہا۔ لوگو! اگر
کسی نے خنزیر نہ دیکھا ہو تو بے شک دیکھ لے۔ یہ بیٹھا ہوا ہے۔ میں قرآن پڑھ رہا
ہوں، پیغمبر خدا کی حدیثِ پاک بیان کر رہا ہوں اور یہ شور مچا رہا ہے۔ خدا کی
شان پیر ایسا مبہوت ہوا کہ اس کی زبان سے ایک کلمہ تک نہ نکلا۔ اور اس کا منہ

بالکل بند ہو گیا اور سارے مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

اس کے بعد شیخ نے پورے تین گھنٹے درس دیا اور کسی کو چون وچراں کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ گھنٹہ بھر صرف مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفصیلات بیان کیں۔ بعد میں پولیس بھی آ گئی تھی اور انتہائی پرسکون ماحول میں دن بھر جلسہ جاری رہا اور عافیت کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

مولانا نور حسین بیان کرتے ہیں :۔

ایک مرتبہ رستم سرگانہ ضلع جھنگ میں جلسہ تھا۔ وہاں زیادہ آبادی شیعہ فرقہ کی ہے۔ مولانا منظور حسین نے جو آج کل پیپلز کالونی فیصل آباد میں خطیب ہیں، رستم سرگانہ میں شیخ القرآن کو دعوت دی۔ وہاں کے رئیس رب نواز خان بھی جلسہ میں موجود تھے جو علاقہ میں بااثر آدمی ہے۔ جب شیخ القرآن نے تقریر شروع کی صحابۂ کرام اور اہلبیت رضؓ عظام کی شان قرآن مجید سے بیان کی اور دشمنان صحابہ رضؓ کے متعلق حدیث میں وارد وعیدیں بیان کیں تو مخالفین جو بڑی تعداد میں اسلحہ سے لیس مسجد کے باہر موجود تھے، نے فائرنگ شروع کر دی، جس سے نہ صرف مجمع میں بھگدڑ مچ گئی بلکہ جلسہ کے منتظمین جن میں رب نواز خان اور مولانا منظور بھی شامل تھے سب بھاگ گئے۔ صرف شیخ کے پروانے تھوڑی سی تعداد میں موجود رہے۔ شیخ نے اپنا گریبان پھاڑ دیا اور سینہ ننگا کر کے فرمایا۔ میرے سینہ میں گولی مارو میں تمہاری گولیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں تقریر مکمل کئے بغیر نہیں جاؤں گا تم جو چاہو کر لو۔ پھر پورے جوش اور جرأت کے ساتھ ایسی مدلل تقریر کی کہ لوگ بیحد متاثر ہوئے۔ فائرنگ بند ہو گئی اور سب نے خاموشی کے ساتھ تقریر سنی۔

شیخ کی جرأت، استقلال اور شجاعت دیکھ کر سب حیران تھے اور اپنی بزدلی پر نادم و شرمسار تھے۔ رب نواز خان اور دوسرے ساتھی سب واپس آگئے۔ رب نواز خان شیخ کے گرویدہ ہو گئے اور پھر دو مرتبہ دورۂ تفسیر شیخ سے پڑھا سارے علاقے میں شیخ کی علمی دھاک بیٹھ گئی اور لوگوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔

حرمین شریفین میں توحید کی نغمہ سرائی

حضرت مولانا شبیر علی شاہ دامت برکاتہم نے شیخ عبدالعزیز بن باز سے جب شیخ القرآن کی ملاقات کرائی تو ان سے کہا کہ موسم حج میں بیرونی ممالک کے علماء و مشائخ کو خصوصی دعوت دی جاتی ہے چونکہ حضرت شیخ القرآن ممتاز مقررین اور نامور خطباء میں سے ہیں، انہیں بھی دعوت دی جائے تاکہ حرمین شریفین میں اردو زبان میں ان کی تقاریر ہوں۔ جس پر شیخ عبدالعزیز بن باز نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس مرتبہ ضرور انہیں دعوت دیں گے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شیخ کا پاکستان سے میرے نام خط آیا کہ حج کے ایام قریب آچکے ہیں لیکن اب تک مجھے نہ تو دعوت نامہ ملا ہے، نہ ویزا اور نہ ہی ٹکٹ۔ میں نے شیخ بن باز کے متعلق ریاض میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ان دنوں طائف میں ہیں۔ میں شیخ القرآن کا خط لے کر طائف چلا گیا اور موصوف کی خدمت میں مولانا کا خط پیش کیا۔ جس میں انہوں نے ویزا اور ٹکٹ وغیرہ نہ ملنے پر پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ شیخ بن باز سے اسی وقت مندوب کو بلا کر کہا کہ ابھی تار کے ذریعہ سفارت خانہ والوں کو کہو کہ شیخ غلام اللہ کو دعوت نامہ، ٹکٹ اور ویزا فوراً روانہ کریں اور دیگر تمام مراعات بھی فراہم کریں۔ جس کے نتیجہ

میں ہفتہ کے اندر اندر شیخ القرآن مکہ مکرمہ تشریف فرما ہو گئے! ور مسجد الحرام میں خانہ کعبہ کی آغوش میں ان کی تقریر دلپذیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حرم شریف میں اور بھی کئی حضرات اردو میں تقریر کرتے والے موجود تھے مگر شیخ کی تقریر میں ہزاروں حجاج اور معتمرین کا جم غفیر ہوتا ہے۔ شیخ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے پورے جلال کے ساتھ قرآنی آیات کی تلاوت اپنے خاص لہجہ میں فرماتے خود بھی محظوظ ہوتے اور سامعین بھی پورے وجد و کیف میں تقریر سے لطف اندوز ہوتے۔

عرفات میں شیخ بعد العصر بارگاہِ رب ذوالجلال میں دست بدعا تھے اور ایک عجیب رقت ان پر طاری تھی۔ عین غروبِ آفتاب کے وقت بارش شروع ہو گئی جس سے شیخ کی طبیعت میں بشاشت نظر آنے لگی۔ فرمایا کہ اس بارانِ رحمت سے قبولیت کی بشارت محسوس ہو رہی ہے۔ بعد میں منیٰ میں مجھے حکم فرمایا کہ میں قربانگاہ جانے سے معذور رہوں۔ لہٰذا آپ جا کر میری طرف سے قربانی کر دیں۔ چنانچہ یہ سعادت خادم کو نصیب ہوئی۔ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد شیخ القرآن رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ معارف پناہ میں ہدیۂ سلام پیش کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی مسجدِ نبوی میں نئے عارضی تعمیر شدہ سایہ بانوں کے نیچے متعدد تقاریر فرمائیں۔ علاوہ ازیں مدینہ طیبہ کی بعض مساجد اور رباطوں میں بھی تقاریر ہوئیں۔ اور واپسی پر جدہ میں مختلف مساجد اور بعض پاکستانیوں کے گھروں میں بھی تقریریں فرمائیں۔

حضرت شیخ القرآن جب بھی زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے شرف یاب

ہوتے تو سارے زمانۂ قیام میں بیت اللہ اور گنبدِ خضریٰ کے ظلِ رحمت میں بیٹھ کر توحید کی زمزمہ سرائی کرتے مسئلۂ الٰہ کی تشریح و توضیح میں آپ کے طرزِ استدلال پر عرب علماء بھی دادِ تحسین پیش کرتے تھے۔

علامہ شیر علی شاہ ہی بیان کرتے ہیں کہ:۔

شیخ عبد القادر، شیخ عبد الکریم مراد اور سالم بلوچ جیسے ممتاز اساتذہ و علماء شیخ القرآن کے بیحد قدر دان تھے۔ ایک مرتبہ موصوف کو اپنے ساتھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں لے گئے اور جامعہ کے طلباء کے سامنے بیان کرنے کی فرمائش کی۔ اگرچہ شیخ کا بیان اردو زبان میں تھا لیکن مسئلہ الٰہ کی تشریح سے عرب علماء بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ شیخ کی قرآن میں کامل دسترس کے معترف ہو گئے۔

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مکی الحجازی کا کہنا ہے۔

میں نے اٹھارہ سالہ قیامِ حجاز کے دوران شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان سے بڑھ کر قرآن کا عاشق کسی کو نہیں پایا۔ موصوف مکہ مکرمہ پہنچتے ہی بڑے اہتمام کے شام درسِ قرآن میں مشغول ہو جاتے اور کسی حال میں بھی ناغہ نہ کرتے۔

ایک مرتبہ پاکستان سے عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ طویل سفر اور تھکاوٹ کے باوجود عمرہ ادا فرمایا اور احرام کھولنے ہی نہ پائے تھے کہ نمازِ عشاء کے بعد تقریر شروع فرما دی۔ میں نے عرض کیا حضرت کچھ آرام فرما لیتے تو جواب میں فرمایا زندگی کا کیا اعتبار ہے جو وقت بھی خدمتِ دین کے لئے میسر آجائے غنیمت ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے اصحابِ علم و دانش میں سے حضرات علماء دیوبند کو یہ اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ مرکز رشد و ہدایت حرمین شریفین میں قرآن و سنت

کی ترویج واشاعت کی خدمتِ جلیلہ پر فائز ہوتے رہے ہیں! اور اس اعتبار سے انہیں دنیا بھر کے علماء میں علمی تفوق حاصل ہے۔

مذکورہ زیارتِ حرمین شریفین کے موقع پر حضرت شیخ القرآن نے سعودی عرب کے حکام سے استدعاء کی تھی کہ اگر مجھے ہر سال دو ماہ کا عارضی ویزا عنایت کیا جائے تو میں راولپنڈی کی طرز پر حرم شریف میں بھی دورۂ تفسیرِ قرآن شروع کروں۔ اور تمام اخراجات میں خود برداشت کروں گا۔ سعودی حکومت نے تحقیق و تفتیش کے بعد حضرت شیخ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اور ۲۰ ذیقعدہ کی تاریخ کا تعین بھی کر دیا۔ بحمد اللہ شیخ حرمِ مکہ میں پہنچ گئے۔ آپ کو مدیر التوعیۃ الاسلامیہ من المملکۃ العربیۃ السعودیہ مکہ مکرمہ کی طرف سے بطاقہ دیا گیا۔ اور آپ نے حرم شریف میں توحید و سنت کی تبلیغ و تدریس کا مقدس کام شروع کر دیا پاک و ہند اور کشمیر وغیرہ کے ہزاروں حجاج نے استفادہ کیا۔ حج کے بعد بھی پانچ یوم تک مکہ مکرمہ میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں مدینہ منورہ میں بھی اپنے مخصوص انداز میں قرآن و سنت کی تبلیغ میں مصروف رہے[لہ]۔

لیکن افسوس کہ اجل نے آپ کے اس مبارک مشن کو اس طرح منقطع کر دیا کہ اب اس کا اتصال ممکن ہی نہیں۔

لہ ماہنامہ تعلیم القرآن دسمبر ۱۹۷۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام اللہ خان

مہتمم دار العلوم راولپنڈی پاکستان

مرکز البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد

Ghulam-Ullah Khan
CHANCELLOR

EDUCATIONAL CENTER OF THE
ISLAMIC IDEOLOGY AND THE
QURANIC PREACHINGS

Raja Bazar, Rawalpindi - Pakistan

برادر مکرم مولانا [illegible] زاد [illegible]

السلام علیکم [illegible] آپ [illegible]

۲۹/۱۲ کو [illegible] سعودی حکومت [illegible] عشرہ [illegible]

[illegible] مولانا خالد محمود صاحب [illegible]

[illegible] خلافت [illegible] کام کیا

سالانہ جلسہ سے پہلے آپ [illegible] مولانا تاج محمود صاحب سے [illegible] مشورہ [illegible] ملکی اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

نیز [illegible]

آپ مولانا تاج محمود صاحب اور مولانا [illegible] عزیز [illegible]

[illegible] اور مولانا [illegible]

[illegible] قدم [illegible]

[illegible] دعا [illegible]

[illegible]

تاریخی اسفار

اگرچہ حضرت شیخ کی ساری زندگی سفر ہی سے عبارت ہے۔ لیکن یہاں چند ایسے تاریخی اور ممتاز نوعیت کے اسفار کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ پیش آئے ہیں مگر افادیت اور معلومات کے اعتبار سے منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔

جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیخ القرآن کی خدمتِ عالیہ میں تفسیر قرآن پڑھنے کے لئے مختلف ممالک کے علماء اور طلباء حاضر ہوا کرتے تھے جس میں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) بھی شامل تھا۔ آپ کے شاگردوں کی عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ شیخ القرآن ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما ہوں اور بنگالی مسلمان ان کی تقاریر سے مستفید ہو سکیں۔ بالآخر ان کی یہ آرزو مفتی دین محمد خان صاحب کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور ۲۵ مئی ۱۹۶۹ء کو حضرت شیخ، مولانا اجمل خان از لاہور اور مولانا عبدالستار خان نیازی کے ہمراہ بنگال تشریف لے گئے۔

۲۸ مئی کو ڈھاکہ کی عظیم الشان مسجد، مسجد چوک بازار میں شیخ نے خطاب فرمایا۔ جہاں ہزار ہا کا مجمع تھا۔ ۲۹ مئی کو پلٹن میدان میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ ۳۰ مئی کو ڈھاکہ کی مسجد بیت المکرم میں تقریر ہوئی۔ ۳۱ مئی کو امنی ٹولہ میں آپ کا بیان ہوا۔ یکم اور دو جون کو محمد پورہ میں دو مرتبہ خطاب ہوا۔ ۳ جون کو تیج گاؤں میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ اس طرح توحید و سنت کے ایمان افروز بیانات سے بنگالیوں نے خوب استفادہ کیا۔

حضرت شیخ نے بعض تاریخی مقامات بھی دیکھے جن میں ایوب نگر، موتی جھیل، کمرشل ایریا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور اسلام پورہ شامل ہیں۔ اس سفر میں میزبانی کے فرائض جنابِ یاد الٰہی نے انجام دئے جو نہایت دیندار اور نیک خاندان کے فرد تھے۔

لندن کا سفر

۱۹۷۸ء میں جب سر زمینِ لندن کو حضرت شیخ القرآن کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تو پیکر توحید و سنت، پاسبان ختم نبوت کی آمد با سعادت کی خبر پورے لندن میں سورج کی شعاؤں کی طرح پھیل گئی۔ شرک و بدعت کی چھائی ہوئی دیرینہ گھٹائیں حق کے چمکتے ہوئے سورج کی تاب نہ لاسکیں تو چھٹنا شروع ہوئیں حضرت شیخ کے ورودِ مسعود کو سیاسی رنگ دے کر، مطلع غبار آلود کر کے لندن میں آباد مسلمانوں کو توحید و سنت کی نورانیت سے محروم کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کی گئی۔ مگر جب قرآن و سنت اور علم و عرفان کا سحابِ مدرار پوری آب و

تاب کے ساتھ گرجا اور برسا تو جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا منظر قائم ہو گیا۔ اور اوہام پرست خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ شیخ نے وہاں پر تقریباً پچاس مقامات پر انقلاب انگیز اور وجد آفرین تقریروں سے لوگوں کو محظوظ کیا۔

۲۰ اپریل کا جمعہ بولٹن میں حضرت شیخ القرآن نے پڑھایا جہاں انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا۔ ۲۱ اپریل کو مانچسٹر کے دو مقامات پر درسِ قرآن ہوا۔ ۲۲ اپریل بعد نمازِ ظہر بری ٹاؤن ہال میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جہاں مقامی علماء کے علاوہ دیگر حضرات بھی کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ پہلے علامہ خالد محمود اور مولانا عبدالرشید ربانی نے خطاب کیا! ور پھر حضرت شیخ نے قرآن وسنت کی روشنی میں شرک وبدعت کے رد میں ایک تاریخی خطاب فرمایا۔ ۲۷، ۲۸ اپریل کو گلاسکو میں اہم مذہبی پروگراموں میں شرکت فرمائی۔ ۲۹ اپریل کو مانچسٹر میں علامہ خالد محمود کی منعقد کردہ شہداء کانفرنس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شمولیت کی اور آپ کا مفصل بیان ہوا جو مسلسل دو گھنٹے جاری رہا۔ ۷، ۸، ۹ مئی کو برمنگھم اور والسلی میں چار مقامات پر تقاریر ہوئیں۔ ۱۰ مئی کو برمنگھم سے ایک سو میل دور ایک مقام پر درس قرآن دیا اور جمعہ بھی وہاں پڑھایا۔ ۱۰ مئی کو لندن پہنچ کر وہاں کے جلسہ میں تقریر کی۔ ۱۱ مئی کو شیفیلڈ میں ایک اہم کانفرنس میں رونق افروز ہوئے۔ ۲۰ مئی کو بریڈفورڈ میں ایک عالی شان کانفرنس میں خصوصی خطاب فرمایا۔ ۲۵، ۲۶، ۲۷ مئی کو حضرت مولانا عبدالرشید ربانی کے زیرِ اہتمام جلسوں سے خطاب کیا۔ اس طرح اپنی گوناگوں مصروفیات اور قلتِ وقت کے پیشِ نظر اپنے طویل سفر کو مختصر کرتے ہوئے

توحید و سنت کے پروانوں کی پیاس بجھاتے ہوئے زیارتِ حرمین شریفین کو چل دیئے۔[۱]

اس تاریخ ساز دورہ لندن میں حضرت شیخ نے مجموعی طور پر تقریباً پچاس مقامات پر خطاب فرمایا۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں شمعِ توحید کے پروانے مستفید ہوئے

ایں شرحِ بے نہایت کز حسنِ یار گفتند ۔۔۔ حرفیست از ہزاراں کاندر عبارت آمد

لندن کے تاریخی سفر اور عمرہ کی سعادت سے بہرہ یاب ہونے کے بعد وطن واپسی پر زندہ دلانِ راولپنڈی نے آپ کی خدمتِ عالیہ میں ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے ۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ جس میں شہر کے علمائے کرام، تاجر برادری، وکلاء اور معززینِ شہر نے آپ کو سپاسنامہ پیش کیا۔ اور آپ کی گرانقدر دینی خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ سپاسنامہ قاری محمد امین، شیخ محمد شریف اور شیخ ارشد محمود کی جانب سے پیش کیا گیا تھا۔ سپاسنامہ کے جواب میں حضرت شیخ نے ایمان افروز تقریر فرمائی اور برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے چند اہم مسائل کو خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

بالاکوٹ کا سفر

۱۹۷۹ء میں جب آخری مرتبہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند راولپنڈی قدم رنجہ فرما ہوئے تو انہوں نے دیوبند کے صد سالہ جلسہ کے انعقاد کا ذکر فرمایا۔ اور اخراجات کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ جس پر شیخ القرآن

---

[۱] ماہنامہ تعلیم القرآن جون ۱۹۷۹ء

چند دنوں کے اندر اپنی طرف سے اور دیگر رفقاء کی جانب سے کم و بیش ایک لاکھ روپیہ کا ہدیہ پیش کیا۔

قاری صاحب موصوف نے شہدائے بالاکوٹ کی زیارت کی خواہش ظاہر فرمائی تو شیخ القرآن کاروں کے عظیم الشان جلوس کے جلو میں قاری صاحب کو بالاکوٹ لے گئے۔ احقر کو بھی بزرگانِ ملت کے اس سفر میں ہمرکابی کا شرف نصیب ہوا۔ ٹیکسلا، حسن ابدال، حویلیاں، ایبٹ آباد اور مانسہرہ ہر مقام پر لوگوں نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ ہر مقام پر قاری صاحب اور شیخ القرآن عظیم الشان اجتماعات سے خطاب فرماتے رہے۔ نمازِ عصر کے بعد جلوس بالاکوٹ کی فلک بوس پہاڑیوں کے دامن میں رونق افروز ہوا۔ قاری صاحب اور دیگر تمام حضرات شاہ اسمٰعیل شہید کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مزار ایک نالہ کے کنارے بلندی پر واقع ہے۔ جہاں پہنچنے کے لئے ۲۷ زینے ہیں۔ شاہ شہید کے سرہانے پتھر کے کتبہ پر حسبِ ذیل عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی

رحمۃ اللہ علیہم

ولادت شنبہ ۲۸ شوال ۱۱۹۳ھ

شہادت جمعہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ

اے ذبیح اللہ اسمٰعیل شد ندایت صورِ اسرافیل۔ خون خود را در کہہ و کہسار ریخت۔

احقر العباد سید اسد علی انوری فرید آبادی۔ کتبہ راماہ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ نصب کرد

حکیم الاسلام محترم قاری محمد طیب صاحب نے شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز کارناموں اور جرأت و شجاعت کے حیرت افزا واقعات بیان فرمائے۔ اور یہ تعجب انگیز واقعہ بھی بیان فرمایا کہ شہید موصوف دہلی سے آگرہ تک دریائے جمنا میں تیر کر جایا کرتے۔ فرمایا "اے شہید تیری شجاعت کے تذکرے سے اہلِ ہند آج بھی محافل کو گرما رہے ہیں جبکہ آپ ہزاروں میل دور دامنِ کوہ میں استراحت فرما رہے ہیں"۔

اگلے روز صبح قاری صاحب نے دریا کے اس پار ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا "دریا کی جگر فگار تیزی اور سراسراہٹ سے دل دہل جاتے ہیں لیکن اسی دریا کو شاہ شہید اور ان کے جان نثار ساتھیوں نے بغیر اسباب کے تیر کر عبور کیا تھا"۔

واپسی پر شیخ نے تفسیر جواہر القرآن کے تین سیٹ قاری صاحب کی خدمت میں پیش کئے۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسہ میں شمولیت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب مذکورہ بالا دورۂ پاکستان سے واپس دیوبند پہنچے تو دارالعلوم کی مشاورتی کمیٹی سے مشورہ کے بعد ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حسب ذیل دعوت نامہ حضرت شیخ کی خدمت میں ارسال فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کے لئے دعوت نامہ

بنام شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان

جنابِ محترم .... زید مجدکم

سلام مسنون .... جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند ۲۱، ۲۲، ۲۳ر مارچ ۱۹۸۰ء مطابق ۳، ۴، ۵ر جمادی الاول ۱۴۰۰ھ بروز جمعہ، شنبہ، یکشنبہ اپنا عظیم الشان اجلاس صد سالہ منعقد کر رہا ہے جو ہر اعتبار سے ان شاء اللہ تاریخی اہمیت کا بین الاقوامی اجتماع ہوگا۔ اجلاس کا مفصل پروگرام طبع ہونے پر عنقریب آپ کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مورخہ ۲۲ر مارچ ۱۹۸۰ء بروز شنبہ کو اجلاس صد سالہ کی نشستِ چہارم بوقت ½۹ بجے شب آپ کی تقریر اردو بعنوان "حضرت قاسم العلوم کا علمی فیضان" طے کی گئی ہے۔

آنجناب سے درخواست ہے کہ اپنے عنوان پر تیاری فرمائیں اور معینہ وقت پر اپنا پروگرام پورا کر کے اجلاس صد سالہ کو کامیاب فرمائیں۔ اطلاع یابی اور منظوری سے فوری طور پر مطلع فرمائیں۔

والسلام

مخلص

محمد اسلم قاسمی

ناظمِ اعلیٰ اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند

چونکہ عرصہ دراز کے بعد پاکستانی علماء کرام کو بھارت جانے کا موقع ملا تھا اس لئے مدعوین علماء کے علاوہ بھی علماء کی ایک بہت بڑی جماعت دیوبند جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ ادھر دونوں حکومتوں نے ویزے کی پابندیاں بھی نرم کردی تھیں اس لئے تقریباً آٹھ سو علماء نے بسہولت ویزے حاصل کر لئے۔

راولپنڈی، اسلام آباد اور گرد و نواح کے اکثر علماء کرام کے ویزے حاصل کرنے کے لئے حضرت شیخ نے اپنے برخوردار ملک شفیق احمد کو مامور فرمایا۔ جنہوں نے دن رات محنت کر کے تمام کام مکمل کرائے۔ ۱۴ مارچ کو ویزے مل گئے اور ۱۹ مارچ کو لاہور سے روانگی ہوئی۔ جب کہ نمازِ عشاء کے بعد سپیشل ٹرین کے ذریعہ اٹاری سے دیوبند روانہ ہوئے۔ اس طرح پاکستانی علماء کا قافلہ علی الصبح دیوبند ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ جہاں مولانا اسعد مدنی دامت برکاتہ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ اس قافلے کا استقبال کیا۔

اس تاریخ ساز عظیم الشان صد سالہ جلسہ میں حضرت شیخ نے ایک وقیع خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور ایک اجلاس میں کرسئ صدارت پر بھی جلوہ افروز ہوئے حضرت شیخ کا قیام مولانا مدنی کے ہاں تھا۔ جہاں دن رات مہمانوں کی ضیافت کے لئے متعدد اقسام کے کھانے تیار ہوتے رہے تھے۔ شیخ القرآن حضرت مدنی کی فیاضی سخاوت اور دریا دلی دیکھ کر عش عش کر اٹھے۔

شیخ نے دیوبند کی متعدد مساجد میں درس دیا۔ ۲۰ مارچ نمازِ ظہر کے بعد علامہ انور شاہ کشمیری کی مسجد میں سورۂ یوسف سے درس دیا۔ دورانِ بیان علامہ کاشمیری کا مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ جو گہرا قلبی تعلق تھا، اس کا ذکر

کیا۔ شاہ صاحب کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالی۔ فرمایا کہ شاہ صاحب نے کشمیر میں مسئلہ توحید پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ باطل عقائد کی وجہ سے میاں بیوی کا رشتہ بھی منقطع ہو جاتا ہے۔

۲۲ مارچ کو نمازِ فجر کے بعد دارالعلوم کی جامع مسجد میں درس دیا جہاں دارالعلوم کی فقیدالمثال اور تابناک علمی، ملی اور ملکی خدمات بیان کیں و فتنوں کی سرکوبی کے لئے ایمان افزا کارناموں کا ذکر کیا۔ اور اپنے مخصوص انداز میں مسئلہ توحید بیان کیا۔ ۲۲ مارچ کو دارالعلوم کے زیرِ تعلیم علماءِ کرام کے مجمع میں بھی خطاب کیا۔ حالانکہ علالت کی وجہ سے نقاہت بھی بہت زیادہ تھی! ور اسی دوران دل کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا۔ جس پر مولانا مدنی نے فوراً ڈاکٹر بلالیا۔ اور ادویہ سے معاونت فرمائی۔

۲۴ تاریخ کو مولانا مدنی کی خصوصی دعوت پر جمعیۃ علماء ہند کے استقبالیہ میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی بہت سے مقامات پر عظیم الشان اجتماعات سے خطاب کیا۔ ۲۶ مارچ کو دہلی کے تاریخی مقامات دیکھے۔ ولی اللہی خاندان کے مزارات اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کی زیارت سے شرفیاب ہوئے اور ۲۷ مارچ کو بذریعہ طیارہ دہلی سے لاہور واپسی ہوئی۔

حضرت شیخ نے جو تاریخی خطبہ اجلاس میں پڑھا تھا وہ افادۂ عام کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی عدیم النظیر تقریب میں

شیخ القرآن کا تاریخی خطاب

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کا علمی فیضان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الۡاَتۡقِیَاءِ وَاَصۡحَابِہِ الۡاَصۡفِیَاءِ۔ اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

قابلِ صد احترام مشائخِ عظام، علمائے کرام، معزز حاضرین وسامعین!

سب سے پہلے بندۂ نابکار خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہے کہ اس ذاتِ کبریا نے زندگی میں دوبارہ مجھے اس جگہ آنے کا شرف بخشا کہ جہاں میں گھر سے زیادہ موانست اور آرام و راحت محسوس کر رہا ہوں ؎

من از دیارِ حبیبم نہ از دیارِ رقیب　　مہیمنا بہ رفیقان خود رساں بازم

اس کے بعد بندۂ ناکارۂ خلائق ان حضراتِ والاصفات کی خدمت میں صدقِ دل سے ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے کہ جنہوں نے ازراہِ امتنان و احسان یا اپنی وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا اظہار کرتے ہوئے ایک ذرۂ ناچیز کو آفتابِ عالمتاب کی ضیا پاشیوں، ضوافشانیوں اور تابانیوں کو سمیٹنے کا موقع دیا اور دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی تقریبِ سعید میں کمترین کو بھی شرکت کی سعادت سے نوازا و گرنہ ؎

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بہ چہ کار کشت مارا

خدائے بزرگ و برتر اپنے بندوں پر نہایت مہرباں ہے۔ گو میں اس کا ایک عاجز و درماندہ بندہ ہوں لیکن مجھے اپنے ایک وصف پر فخر ہے کہ میرا دل ہمیشہ اللہ کے برگزیدہ و محبوب بندوں کی محبت و عقیدت کے لئے دھڑکتا ہے اور میں شرحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس برصغیر پاک و ہند میں اللہ تعالےٰ کے مقبول اور محبوب بندوں کی جماعت ہے تو وہ اکابرِ دیوبند ہیں جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت سید الطائفہ یا سرخیل کی سی ہے۔ شاید میرے اسی جذبۂ صادقہ کی وجہ سے خالقِ کائنات نے میری کم مائیگی اور بے بضاعتی کی لاج رکھ لی کہ مجھے اس کے مقبول و محبوب بندوں سے والہانہ محبت ہے۔ اور اسی محبت کو میں دنیا و عقبیٰ کی سرخروئیوں کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔ ؎

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا۔

آج کی نام و نمود اور ریا و نمائش کی دنیا میں ہر طبقہ کے لوگ اسی دھن میں سرگرداں ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں ان کا نام بھی جلی سُرخی سے آجائے! ور وہ اس بے حقیقت ناموری اور شہرت کے لئے اپنے مال و زر حتیٰ کہ جان کی بازی بھی لگا دیتے ہیں۔ لیکن اس دنیائے رنگ و بو میں ایسی نادرۂ زمانہ اور نابغۂ روزگار ہستیوں نے بھی جنم لیا کہ تاریخ نے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے ان ہستیوں کی دہلیز پر جبہ سائی کی اور ان کے تذکارِ شریفہ اور حالاتِ حمیدہ کو اپنے اندر سمیٹ کر اپنے

دور کو محفوظ کر لیا۔ گویا کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے پیچھے تاریخ کاسۂ گدائی لئے پھرتی ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ میرا وجود اور میرا دم خم اگر باقی رہ سکتا ہے تو انہی نفوسِ قدسیہ کے وجودِ مسعود سے رہ سکتا ہے۔ اور یہی وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو دیکھنے کے لئے چشمِ فلک متجسس رہتی ہے۔ اور یہ نعمت اس کو خال خال نصیب ہوتی ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انہی عبقری صفت ہستیوں میں ایک ہستی کا نام ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ جو اپنی جگہ مجسمۂ شرم وحیا، پیکرِ صدق وصفا۔ علم وعرفان کا چشمۂ صافی بلکہ بحرِ ذخار اور جرأت وبسالت اور ہمت واستقلال کے جبلِ غیر متزلزل تھے۔ ان کی زندگی کے اوصاف وکمالات کو تقریر وتحریر میں قلیل در قلیل وقت میں سمیٹنا یا سمیٹنے کا دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسا کہ ذرّہ کو اس بات کا مکلف ٹھہرایا جائے کہ وہ آفتاب کی پہنائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ چہ جائیکہ مجھ جیسا اس معدن علم وعمل اور مخزنِ اسرار ورموز کا ادنیٰ خوشہ چیں یہ جسارت کرے ؎

ز وصفِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنیست
بہ آب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

اردو کا ایک مشہور محاورہ ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مولانا نانوتوی نے ایام طالب علمی میں خواب دیکھا کہ میں کعبہ کی چھت پر ہوں اور مجھ سے بہت سی نہریں جاری ہو کر تمام اطراف کو جارہی ہیں"۔ نیز" آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کی چھت پر ہوں، منہ کوفہ کی طرف

ہے۔ اُدھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر واپس جارہی ہے۔"

اگر ان خوابوں پر کوئی صاحبِ دانش و بینش ادنیٰ سا غور کرے تو حضرت نانوتوی رح کے زندگی بھر کے اُن علمی و عملی کارناموں کی جیتی جاگتی تصویر و تعبیر سامنے آجاتی ہے جو انہوں نے عشق و محبت سے سرشار ہو کر بقائے دین اور تحفظ دین کے لئے سرانجام دئے۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد، اعدائے دین کے خلاف اسلام کی وکالت میں مناظروں کی صورت میں دلائل و براہین کی یلغار، اپنی تصانیف و تالیفات میں متکلمانہ، منطقیانہ اور فلسفیانہ ابحاث کا انبار اور عقلی و نقلی تحقیق و ریسرچ کا ایک بحرِ ذخار اور اپنے علمی و روحانی فرزندوں میں وقت کے نمارده، فراعنہ اور جبابرہ کے خلاف بھرپور جذبۂ جہاد اور مسلکِ حنفیت کی چار دانگِ عالم میں شہرت ولدکار انہی خوابوں کے بہار کے خوشگوار جھونکوں کی صدائے بازگشت ہے ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

دنیا کا وہ کونسا کونہ ہے جہاں حضرت نانوتوی کے فرزندوں نے کفر و الحاد اور شرک و زندقہ کے خلاف اسلام کی صداقت، حقانیت اور سطوت و حشمت کے جھنڈے نہ گاڑے ہوں۔ میرے اس دعویٰ میں سرمو مبالغہ کی آمیزش نہیں اور نہ ہی اِس دعویٰ کی تائید کے لئے کسی وزنی سے وزنی دلیل کی متلاشی ہے۔ دنیائے عالم سے آنے والے مشائخِ عظام، علمائے اسلام اور فضلائے کرام کا یہ جمِ غفیر اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور عظیم الشان اجتماع میرے اس دعویٰ کے لئے بیّن

نبوت اور واضح دلیل ہے ۔ اور حضرت نانوتوی کی جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کے یہ ثمرات دیکھ کر ایک شخص والہانہ اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ؎

شاد باش و شاد زی اے سر زمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

دنیا میں کئی یونیورسٹیاں معرضِ وجود میں آئیں بعض تو محض دنیا کے لئے اور بعض بظاہر اسلام کے لئے ۔ ان اداروں سے ہمیں کیا امید کی کرن نظر آسکتی ہے جن کی بنیاد ہی دنیا پر ہو۔ ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ جو مراکز اسلام کی نمائندگی کے لئے تعمیر کئے گئے تھے ، ان میں سے بھی اس زمانہ میں ایسے کل پرزے منظرِ عام پر آئے کہ جن کا اسلام کی فیکٹری سے تیار کردہ کل پرزوں سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور " آنکہ خود گمراہ است کرا رہبری کند" کا بعینہٖ مصداق تھے ؎

دکھا سکیں جو نہ راہِ منزل میں ان ستاروں کو کیا کرونگا
جو خود ہوں محروم روشنی سے میں ان ستاروں کو کیا کرونگا

لیکن دار العلوم دیوبند ہے ، جس کی بنیاد حضرت نانوتوی رحمہ نے رکھی ۔ ایسے جواہرِ نایاب اس صفحۂ ہستی پر نمودار ہوئے کہ جن کی آب و تاب اور چمک دمک سے اہلِ جہان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں ۔ اور وہ بہ زبانِ حال پکار اٹھیں ؎

اگرچہ میکدہ سے اُٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مے ، وہ خُم ، وہ صراحی وہ جام باقی ہے

اِن شاء اللہ العزیز حضرت نانوتوی کی زندہ تابندہ اور درخشندہ یادگار دار العلوم دیوبند ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالمِ انسانیت کے لئے چراغِ راہ اور مینارۂ نور ثابت ہوتی

رہے گی۔ اور یہ سب حضرت نانوتوی رح کے خلوص وللّہیت اور ایثار و قربانی کا فیض ہے کیونکہ اس چمنستانِ علم وعرفان اور اس کے سدا بہار پودوں کو انہوں نے اپنے جگر کا خون دے کر سینچا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نہایت قدر دان ہے۔ اپنے کسی مخلص بندے کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ حضرت نانوتوی رح اقبال رح کے الفاظ میں اس دعا وخواہش کے ساتھ عالم آخرت کو سدھارے۔ ؎

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کے یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

شیطان نے اپنی فتنہ پردازی اور دیسہ کاری کے گوناگوں اور بوقلموں جال بچھائے اور اپنے مکر وفریب اور دجل و تلبیس کی تکمیل میں مختلف اندازوں اور طریقوں سے فرقِ باطلہ کو جنم دیا۔ کہیں تو برٹش گورنمنٹ جیسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو قادیانیت کی صورت میں بیساکھی فراہم کی، کہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ، فیض یافتہ، اسلام کی نمائندہ جماعت حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت وثقاہت کو ساقط کرنے کے لئے رفض وشیعیت اور تجدید سبائیت کے فتنوں کو جنم دیا۔ توحید وسنت کے انوار وتجلیات سے مسلمانوں کو دور رکھنے کے لئے خوشامدی، کاسہ لیس، حاشیہ بردار اور ٹوڈی قسم کے مولویوں اور پیرانِ پارسا کی ایسی فوج انگریز لعین کی آغوش میں تیار کی کہ جنہوں نے شرک وبدعت کی نجاست وغلاظت سے عوام الناس کے قلوب واذہان کو ملوث کر دیا اور اپنے انگریز آقا کو خوش کرنے کے لئے داعیانِ توحید وسنت کے خلاف

ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کردیا۔

آقائے نامدار فخرِ موجودات، سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات سے اعتماد اٹھانے کے لئے فتنۂ انکارِ حدیث کی آبیاری کی۔ دہریت، عیسائیت اور آریہ وغیرہ کے فتن اس سے مستزاد تھے۔ لیکن فتنہ وفساد اور الحاد وزندقہ کی ان آندھیوں اور طوفانوں میں نانوتوی رح اور فرزندانِ نانوتوی رح نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے چراغ روشن کئے! اور ایسے مردانہ وار ان فتنوں کا مقابلہ کیا کہ ہر فتنہ کی سرکوبی اور بیخ کنی کے لئے سر دھڑ کی بازی سے بھی دریغ نہیں کیا! اور اس طرح فرزندانِ نانوتوی کے حق کے مسلسل ہتھوڑوں سے ہر فتنہ کا سر پاش پاش ہوگیا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت نانوتوی رح کے مناظروں کی تحریری دستاویزات اور بیش بہا تصانیف وتالیفات اور ان کے روحانی فرزندوں کی علمی اور قلمی خدمات اس قدر ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان ہستیوں نے خامہ فرسائی اور اسلام کی قابلِ قدر خدمت کی جھلک نہ دکھائی ہو۔ تراجمِ قرآن ہوں، قرآن مجید کی تفاسیر ہوں، کتبِ احادیث کی شروح ہوں، صرف ونحو، منطق وفلسفہ ہو، غرضیکہ علمی تحقیق کے ہر میدان میں اپنی مہارت وحذاقت کے پرچم لہرائے۔ بلکہ ان کتابوں پر شروح وحواشی لکھ کر ہر اشکال، ابہام اور اغلاق کو دور کر کے تمام اہلِ علم اور اصحابِ تحقیق پر احسان کیا۔ حضرت نانوتوی اور فرزندانِ نانوتوی رح کے

علمی کارنامے دیکھ کر ہر مسلمان کا سر فخر و مباہات سے اونچا ہو جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا ہر عقیدت مند غیر کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اس کو للکار سکتا ہے ؎

اُولٰئِكَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ

اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

ہمارے درسِ نظامی میں دو قسم کے علوم و فنون کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۔ مبادیات کے درجہ میں۔

۲۔ مقاصد کے درجہ میں۔

مقاصد کے درجہ میں تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیم ہے۔ اور مبادیات میں پھر دو قسم کے علوم ہیں۔ صرف و نحو اور ادب و معانی وغیرہ وہ مبادیات ہیں جو ایصال الی المطلوب والمقصود میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور علم منطق و فلسفہ وہ مبادیات ہیں جو یا تو تشحیذ اذہان کے لئے پڑھائے جاتے ہیں۔ یا ان علوم کی راہ سے جو غیر اسلامی نظریات ہمارے علوم اسلامیہ میں بھی سرایت کر گئے تھے، ان کا دفعیہ اور ازالہ انہی علوم کے قواعد و ضوابط کی رُو سے کرنا مقصود تھا۔ لیکن بد قسمتی کی بات کہ بعض نام نہاد اسلامی درسگاہوں میں اسی منطق و فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت و اذاعت کو ہی اسلام کی خدمت سمجھ لیا گیا تھا۔ اور سارا زور مقصود سے بیگانہ ان علوم پر لگایا جاتا تھا! اور ان درسگاہوں میں قرآن و حدیث و فقہ اسلامی کی تعلیم آٹے میں نمک کی نسبت بھی نہ رکھتی تھی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صرف ان علوم کے ماہر و حاذق نہیں تھے بلکہ وہ ان علوم کے بہترین نقاد اور ان کی کمزوریوں اور کثافتوں کے عظیم تریاق بھی تھے بلکہ میں اگر یوں کہہ دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر بوعلی سینا بھی حضرت نانوتوی رح کی منطق کو دیکھتا تو سر دھنے بغیر نہ رہ سکتا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت نانوتوی کو جس بے پناہ ذہانت و فطانت اور دقتِ نظر سے نوازا تھا اس کے سامنے ارسطو و افلاطون کی ذہانت بھی ہیچ نظر آتی ہے بعض مناطقہ و فلاسفہ کے غلو سے جو غیر اسلامی نظریات مسلمانوں میں رواج پکڑ رہے تھے، حضرت نانوتوی رح نے ہر باطل اور غیر اسلامی نظریہ کو عقلی و نقلی دلائل و براہین اور منطقیانہ و فلسفیانہ بحث و تمحیص سے انہیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ چنانچہ فلاسفہ کے ان خیالاتِ ضعیفہ و سخیفہ پر حضرت نانوتوی رح نے جو علمی وار کئے ہیں وُہ ان کا ہی حصہ ہے۔ وہ نظریاتِ واہیہ یہ ہیں:۔ ہیولیٰ، صورتِ جسمیہ اور صورتِ نوعیہ سب قدیم ہیں۔ اَنَّ الْفَلَکَ لا یقبل الخرق و الالتیام، الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد عقولِ عشرہ اور عقلِ فعال کی اصطلاح۔

صفاتِ باری تعالےٰ قدیم ہیں۔ اور لا عین و لا غیر جیسے ادق سے ادق مسائل کو مثالوں سے ایسا واضح فرمایا ہے کہ ایک نظری چیز کو بھی بدیہی بنا بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت نانوتوی اپنی اس دقتِ نگاہی کے وارث بھی چھوڑ گئے۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی تصنیفات اور معذرت کے ساتھ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے علمی نوادرات و تحریرات اسی نانوتوی مزاج و مذاق کے مظہرِ اتم ہیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی کا مشہور جملہ ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ اگر حضرت نانوتوی رحؒ کے تبحرِ علمی کی جھلک دیکھنی ہو توان کے روحانی فرزند خاتم المحدثین، علامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ کاشمیری رحؒ کا علوِ مقام ملحوظِ خاطر رکھیے حضرت مولانا سراج احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیری کے کیا کہنے کہ تو بخاری اور دوسری کتب احادیث کے تدریسی فن میں اس طرز کے موجد ہیں اور ان کا منفرد اور یگانہ انداز آپ کو کہیں بھی نہیں ملے گا حضرت الاستاذ شاہ صاحب صرف منقولات میں ہی اپنی مثال آپ نہیں تھے بلکہ میدانِ علم کے ہر شعبہ میں وہ ایک ماہر اور کامل شیخ واستاذ کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ مفعول معہٗ کے بارے میں تنِ متین اور رضی وغیرہ جیسے بڑے بڑے مشاہیر نحاۃ یہ لکھ چکے ہیں کہ مفعول معہٗ کا ان کو ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کاشمیری نوراللہ مرقدہ نے اُٹھ کر واؤ عاطفہ اور واؤ مفعول معہ کا واضح فرق پیش کر کے تمام دنیائے نحو کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور آپ نے اس آیت میں قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مفعول معہ کے وجود و ثبوت کو ایسا نکھار کے بتادیا کہ کوئی شخص داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر وقت ہوتا تو تفصیل عرض کرتا۔

حضرت نانوتوی ایک درسگاہ کے محض بانی، معلم و مدرس ہی نہ تھے بلکہ آپ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحؒ کی ڈگر پر چلنے والے مجاہد بھی تھے۔ چنانچہ شاملی کا میدان ان کے عملی جہاد پر شاہدِ عدل ہے۔ انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے

اور وطنِ عزیز کو ان سامراجیوں سے پاک کرنے کے لئے میدانِ کارزار میں مجاہدین کا جو ہراول دستہ نظر آتا ہے وہ فرزندانِ نانوتوی رح پر مشتمل ہے۔ وہ کونسی اذیت اور مصیبت ہے جو ان مجاہدین نے آزادی کی خاطر انگریزوں کے ہاتھوں نہیں اُٹھائی۔ برصغیر کے قیدخانے ان مجاہدین کے صبر و استقلال کے گواہ ہیں۔ مالٹا کا قیدخانہ حضرت شیخ الہند شیخ العرب و العجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح اور مولانا عزیر گل مدظلہ العالی کے دورِ اسارت کی زندہ یادگار ہے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آخر میں مَیں اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا دوبارہ اعتراف کرتے ہوئے بطورِ اعتذار اس شعر پر حضرت نانوتوی رح کے ذکرِ خیر کو ختم کرتا ہوں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

علماءِ دیوبند کے ساتھ شیفتگی

حضرت شیخ کو علماءِ دیوبند سے دلی وابستگی تھی، ان کی غایت، درجہ تعظیم و تکریم، ادب و احترام اور گہری عقیدت سے ان کا دل لبریز تھا۔ ان کی گرد راہ کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے میں فخر محسوس کرتے، ان کی محبت کا دم بھرتے۔ اُن کی آن پر اپنی جان نچھاور کرتے اور ان کی عزت پر مر مٹنے کے لئے ہمہ وقت سر بکف رہتے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطبِ دوراں مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مفسرِ حدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی وغیرہ پر حاسدین اور معاندین کے عائد کردہ بے سر و پا الزامات کا مدلل جواب دیتے اور پوری جرأت کے ساتھ ان کا دفاع کرتے۔ ان کی علمی رفعت، زہد و تقویٰ اور تحقیقی کمالات کا اکثر تذکرہ کرتے۔ اور ان کی دینی، ملی اور سیاسی تابناک خدمات بیان کرتے رہتے پھر نہایت جلال میں آکر یہ شعر پڑھتے ؎

اولٰئك آبائی فجئنی بمثلهم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

علامہ قاسمی شیخ القرآن کی علماءِ دیوبند کے ساتھ عقیدت کا ذکرِ جمیل اس طرح کرتے ہیں :-

"شیخ القرآن علمائے دیوبند کے مسلک اور ان کے مشرب کے پورے ملک میں دلائل کے ساتھ ترجمانی فرماتے تھے۔ یہی ان کی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے شیخ القرآن کو دیوبندی مکتبِ فکر میں نہ صرف احترام و تعظیم کی نظر سے دیکھا جاتا

تھا بلکہ آپ کی قیادت اور دینی رہنمائی پر بھی اعتماد کیا جاتا تھا۔ میں نے اس بات کا بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت شیخ کو اکابرِ دیوبند سے والہانہ عقیدت تھی۔ عمر کے آخری دور میں تو یہ عقیدت و محبت اور بھی فزوں تر ہو گئی تھی۔ حضرت مدنی کا ذکر فرماتے ہوئے آپ اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ میرے اساتذہ میں بڑے بڑے جبالِ علم شامل ہیں مگر میری زندگی پر جس شخصیت نے سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے وہ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رح کی ذاتِ گرامی ہے۔

شیخ القرآن فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے اکابرِ دیوبند نہ ہوتے تو یہ وطن آزادی کی سانس نہ لیتا۔ اور اگر ان کی دینی جدوجہد نہ ہوتی تو آج ہند و پاک میں توحید و سنت کا انقلاب نہ برپا ہوتا۔ علمائے دیوبند کا ملتِ اسلامیہ پر احسانِ عظیم ہے کہ ان کے دم قدم سے ہمیں انگریز اور کفر سے آزادی ملی اور اسلام کی صحیح تفسیر بھی میسر آئی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رضاخانی راہبوں نے علمائے دیوبند کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا تو شیخ نے حبِ اکابرِ دیوبند کی وجہ سے پوری قوت اور خداداد صلاحیتوں سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور جب تک مسلک حقہ اور اکابرِ دیوبند کے خلاف گستاخ زبانیں گنگ نہیں ہو گئیں اس وقت تک آپ چین سے نہیں بیٹھے"۔ [۵]

اگر مادرِ علمی دیوبند سے کسی بزرگ کی تشریف آوری ہوتی تو دیدہ و دل ان کے فرشِ راہ کرتے۔ مقامی علماء، منتظمینِ دارالعلوم تعلیم القرآن اور معززینِ شہر کو ساتھ لے کر معزز مہمان کی شان کے مطابق استقبال کرتے۔ ان کی خدمت و ضیافت میں

---

[۵] "میرے شیخ القرآن" ص ۴۷، ۴۸

کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ گراں قدر تحائف اور زرِ نقد کا نذرانہ پیش کرتے۔

خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی رقمطراز ہیں:۔

"حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے فرزندِ ارجمند جب پہلی بار پاکستان تشریف لائے تو حضرت شیخ القرآن نے نہایت محبت و پیار سے حضرت مولانا اسعد مدنی کو دارالعلوم تعلیم القرآن تشریف لانے کی دعوت دی۔ اور جب حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب راولپنڈی تشریف لے گئے تو آپ نے فقید المثال استقبال کر کے ثابت کر دیا کہ پاکستان کے علماء اور عوام و خواص حضرت مدنی کے لئے بے پناہ محبت و عقیدت دلوں میں رکھتے ہیں۔

دارالعلوم میں حضرت مولانا اسعد مدنی کو بے مثال عصرانہ دیا جو شیخ کی روایتی مہمان نوازی کا عظیم مظہر تھا۔ اس میں حضرت شیخ العرب و العجم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا "کہ حضرت مدنی اگرچہ جغرافیائی سرحدوں کی وجہ سے ہم سے جدا ہو گئے ہیں مگر آپ کا علم، تقویٰ، آپ کی سیاسی بصیرت اور بے پناہ روحانی و ملی رہنمائی ہماری زندگی کا روشن اور قابلِ فخر سرمایہ ہے۔ حضرت مدنی رح صرف ایک خطے کے نہیں بلکہ پوری دنیا میں بسنے والے توحید و سنت کے شیدائیوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔[۵۱]

مولانا قاسمی موصوف لکھتے ہیں:۔

"شیخ القرآن ہمیشہ اس لشکر کے سپہ سالار رہے جس نے اکابر کے مشن کو زندہ رکھا اور اس کے لئے تن من دھن قربان کر دیا۔[۵۲]

---

۵۱ میرے شیخ القرآن ص ۴۸، ۴۹ ۔ ۵۲ ایضاً ص ۴۹

حضرت شیخ نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

اس وطن کو آزاد کرانے اور انگریز کو اس وطن سے نکالنے میں علماءِ دیوبند کا کردار اظہر من الشمس ہے۔ یہ سب شیخ الہند، مولانا مدنی، عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ جلیل القدر علماءِ دیوبند کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ انگریز سے ٹکر لیں تو علماءِ دیوبند، منکرینِ حدیث کو ذلیل وخوار کریں تو علماءِ دیوبند، قادیانی دجال کی جعلی نبوت کو ملیامیٹ کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں تو علماءِ دیوبند۔ صحابہ رضؓ پر کوئی طعن و تشنیع کرے تو اس کا منہ توڑ جواب علماءِ دیوبند دیں۔ ہر فتنہ کی سرکوبی کرنے والے علماءِ دیوبند اور ہر باطل کے لئے پیغامِ موت علماءِ دیوبند ہیں۔ اور جنہوں نے حق کی خاطر اپنی زندگیاں جیل میں گذار دیں۔

میں کہتا ہوں کہ پوری دنیا میں کوئی اور بھی ایسی جماعت بتائیں جو ہر فتنہ کا مردانہ وار مقابلہ کر رہی ہو۔ پھر مفسر قرآن ان میں، محدث ان میں، فقیہ ان میں منطق کے امام ان میں۔ ہر ایک فن کے ماہرین ان میں موجود۔ صوفیائے کاملین کی جماعت دیکھنی ہو تو ان میں موجود، خواہ نقشبندی ہوں، چشتی ہوں، قادری ہوں یا سہروردی ہوں۔ ان کی دینی، ملکی اور ملی خدمات بے اندازہ ہیں۔

ایک موقع پر حضرت شیخ نے فرمایا:۔

"مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف جو شخص بدزبانی کرے گا اس کی زبان کو گدی سے نکال دیا جائے گا۔ ان کے خلاف جو قدم اٹھے گا اسے توڑ دیا جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ اور مدنی کے خلاف بکواس بند کرو، ورنہ تمہارے وہ چیلے چانٹے جن کو تم بڑا سمجھتے ہو، ان کو ننگا کیا جائے گا۔ ہم قومی اتحاد کی وجہ سے بات کو

آگے بڑھانا نہیں چاہتے لیکن اگر تم باز نہ آئے تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں۔ میں حاضرینِ جلسہ سے کہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کو خطوط لکھوا ور تاریں دو کہ ہم ان "پھٹیچروں" کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کے بڑوں کو بھی جانتے ہیں۔ ہم تمہیں ذلیل و خوار کر کے چھوڑیں گے۔ تمہارے یہ سارے جمع ہو جائیں تب بھی مدنی کے جوتوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔"

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے ہمارے ابتدائی دور میں رضا خانی علماء، دیوبندی اکابرین کی عبارات قطع و برید کر کے غلط انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور عوام الناس کو اس مقدس جماعت سے متنفر کرنے کی مذموم مہم شروع کر رکھی تھی۔ پھر جب میں نے ان کے بڑے بڑیروں کا پوسٹ مارٹم کیا اور ان کی حیا سوز اور کفریہ عبارات سے عوام الناس کو روشناس کرایا تو انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ اور پھر انہیں ہمارے اکابر کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا بدرِ عالم مہاجر مدنی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب اور مولانا اسعد مدنی وغیرہ جیسے کتنے ہی جلیل القدر دارالعلوم دیوبند کے تابندہ نجوم الہدیٰ دارالعلوم تعلیم القرآن میں قدم رنجہ فرما ہوئے ؂

نشانِ کاروانِ رفتہ ہیں دل کے اجالے ہیں غنیمت ہی غنیمت ہیں کہ سب اللہ والے ہیں

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میں دیوبند کا نظارہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ بدبخت لوگ انہیں گالیاں دیتے ہوئے نہیں شرماتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مقام عطا فرمایا ہے، دنیا میں ان کی مثال کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ دیوبند میں مایۂ ناز مفسرین اور محدثین بھی ہیں، فقہ اور ادب کے ماہرین بھی ہیں۔ معقولات و منقولات کے شاہسوار

بھی اور صوفیائے کاملین کی جماعت بھی موجود ہے۔ فقاہت کے شاہسوار، مجتہدانہ ذہنیت کے مالک منطق اور معقولات کو لونڈی بنا کر چلنے والے اور معقولات جن کی قدم بوسی پر فخر محسوس کرتی ہو، ایسی ہمہ صفت موصوف جماعت ایک ہی وقت میں صرف دیوبند میں پائی جاتی ہے، کسی دوسرے خطہ میں ایسی جماعت نہیں ہے یہ فخر اور اعزاز دیوبند ہی کو نصیب ہوا۔ واہ! دیوبند تو ناز کر اپنی قسمت پر۔

قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الزماں مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، محدث جلیل مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا رسول خان اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے نابغۂ روزگار اور مایۂ ناز علماء کی ایک بڑی جماعت کے موجود ہونے کا فخر صرف سرزمینِ دیوبند ہی کو حاصل ہے۔

قومِ ثمود کی بستیوں کا مشاہدہ

اس تاریخی سفر کی تفصیلات حضرت شیخ کے ممتاز تلمیذ رشید علامہ ڈاکٹر شیر علی شاہ سے احقر نے ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ بمطابق ۸ جولائی ۱۹۹۰ء کو موصوف کی رہائش گاہ اکوڑہ خٹک میں قلمبند کی تھیں اور قارئین کی خدمت میں انہی کی زبانی پیش کر رہا ہوں۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں :-

اپریل ۱۹۸۰ء میں جب حضرت شیخ القرآن مدینۃ الرسول تشریف لائے تو فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز بن باز کی ملاقات کے لئے ریاض جانا ہے۔ مگر حکومتِ سعودیہ کی طرف

ریاض جانے کی اجازت نہ مل سکی جس کے باعث حضرت شیخ کا دل رنجیدہ ہو گیا میں نے عرض کیا حضرت آپ کو مدائنِ صالح لے چلتے ہیں۔ وہ قدیم ترین بستی دیکھیں جو عذابِ خداوندی کا مظہر ہونے کے باعث درسِ عبرت دے رہی ہے۔ دو گاڑیوں کا انتظام کر لیا گیا۔ اور اگلی رات سحری کے وقت مدینہ منورہ سے "مدائن صالح" کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایک گاڑی میں حضرت شیخ، قاری محمد ابراہیم اور میں (مولانا شیر علی شاہ) سوار ہوئے۔ جبکہ دوسری گاڑی میں قاری عبدالقادر وغیرہ تھے۔ ہم نے خیبر پہنچ کر ناشتہ کیا۔ بعد میں شیخ القرآن کو خیبر کے باغات کی سیر کرائی۔ اگرچہ کھجوروں کا موسم تو نہیں تھا، پھر بھی درختوں کے ساتھ کھجوروں کے خوشے قدرتِ خداوندی کا پرکیف نظارہ پیش کر رہے تھے۔ ہم نے وہاں کے سابقہ اساطین سے اجازت چاہی۔ اجازت مل جانے پر پتھر مار مار کر خاصی مقدار میں کھجوریں حاصل کر لیں اور شیخ القرآن ہمارے اس عمل سے محظوظ ہو رہے تھے۔ پھر وہاں سے ہم اَلْعُلَاء پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ۴۵۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں کے امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیونکہ مدائنِ صالح جانے کی اجازت ان سے حاصل کرنا ضروری تھی۔

میں نے اَلْعُلَاء کے امیر سے حضرت شیخ القرآن دامت برکاتہم و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تعارف کرایا کہ آپ ہمارے پاکستان کے اجلّہ علماء اور ممتاز مشائخ میں سے ہیں خصوصاً فنِ تفسیر میں درجۂ اجتہاد کے مالک ہیں۔ اور پاکستان اور ملحقہ قبائل کے علاوہ افغانستان، ایران، ہندوستان اور بلادِ عرب میں ان کے ہزاروں شاگرد مختلف دینی مناصب اور ممتاز عہدوں پر دین کی خدماتِ جلیلہ میں مصروف ہیں۔

علاوہ ازیں توحید کی اشاعت میں شیخ کی خدمات حد سے زیادہ ہیں۔ اشاعتِ توحید ہی کے جرم میں موصوف پر طائفہ قبوریین نے (قبر پرست جماعت) نے قاتلانہ حملہ کیا۔ مولانا کی تفسیر جواہر القرآن ان کی علمی قابلیت کے لئے برہانِ ساطعہ ہے۔ العُلا کے امیر بیحد خوش ہوئے۔ اور شیخ القرآن کے ساتھ دیر تک محوِ گفتگو رہے اور شیخ بھی پوری بے تکلفی کے ساتھ ان سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ پھر امیر موصوف نے کھجوروں اور قہوہ سے خاطر تواضع کی! اور دوپہر کے کھانے کی پیش کش کی۔ میں نے کہا مولانا مدائنِ صالح دیکھنے کے متمنی ہیں۔ اس پر امیر موصوف نے فوراً مدائن کے امیر کے نام ایک خط تحریر کر دیا۔ جس میں شیخ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا " الشیخ مِن اجلة علماء باکستان" لہذا پوری رہنمائی فرمائیں۔

وہاں سے مدائنِ صالح تقریباً ۶، ۷ میل ہے۔ ہم وہاں پہنچے۔ راستہ کچا اور دشوار ہے۔ ہر آدمی آسانی سے وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ راستہ بھول جاتا ہے۔ لیکن ہم پہلے بھی کئی مرتبہ جا چکے تھے اس لئے دقت نہ ہوئی۔ امیر مدائن بڑی عزت اور تکریم سے پیش آئے اور میوہ جات اور کھجوروں سے خاطر تواضع کی۔ پھر تین چار فوجی ہمارے ساتھ کر دئے جو ہمیں ثمودیوں کے گھروں کے پاس لے گئے۔ حضرت شیخ القرآن نے ابھی صرف دو ہی گھر دیکھے تھے کہ فرمایا مجھے گاڑی سے اتار دو۔ میں آگے نہیں جاؤں گا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں جاری تھیں۔ قاری محمد ابراہیم نے بڑی منت وسماجت سے عرض کیا۔ حضرت آپ آگے چلیں اور ان گھروں کے اندر اور باہر کے تمام مناظر دیکھیں۔ لیکن شیخ بے حد رنجیدہ اور خائف دکھائی دے رہے تھے۔ فرمایا۔ بس میں یہیں سے دیکھ رہا ہوں۔ ایک درخت کے

نیچے بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔ گویا کہ آپ کے سامنے حدیثِ نبویؐ کا وہ مضمون تھا جس میں آپ نے فرمایا تھا۔ معذب جگہ سے جلدی گزر جانا چاہیئے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قومِ ثمود کے وہ مکانات تقریباً چار ہزار سال گذر جانے کے باوجود اب تک الآن کما کان جیسے کے ویسے ہی ہیں۔ ان کے دروازوں پر شیر، کتے اور دوسرے جانوروں کی جو تصاویر بنائی گئی تھیں وہ بالکل اسی طرح موجود ہیں۔ موجودہ دور کی لکڑی اور لوہے کی مصنوعات میں اتنی صفائی نہیں ہے جتنی اس قوم نے پتھر کے کام میں صفائی کا مظاہرہ دکھایا تھا۔ وہاں جاکر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس قوم نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے ایک چٹان سے اونٹنی پیدا کرنے کا مطالبہ کیوں کیا تھا وہاں کے پہاڑ اور چٹانیں اس قدر سخت ہیں جس کی حد و انتہا نہیں۔ اس قوم نے پتھروں اور چٹانوں کو توڑنے کے لئے جو اوزار استعمال کئے تھے مثلاً کدال اور چھینی وغیرہ ان کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کل ہی ان پر کام کیا گیا ہے۔ چٹانوں اور پہاڑوں میں چھینی کے گز، سوا گز گہرے نشانات پائے جاتے ہیں جس سے ان کی بے پناہ طاقت اور قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کے پیشِ نظر اللہ تعالےٰ نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا	اور جھٹلایا ان سے پہلے کے لوگوں نے۔ اور یہ
بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ	نہیں پہنچے اس کے دسویں حصہ کو جو ہم نے
فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ	ان کو دیا تھا۔ پھر جھٹلایا انہوں نے میرے
سورہ سبا۔ آیت ۴۵	رسولوں کو پھر کیسی ہوئی میری پکڑ۔

قریشِ مکہ اس قوم کی نسبت ۱/۱۰ قوت کے مالک بھی نہیں تھے۔ اسی طرح مکہ والوں کی عمریں ۷۰، ۸۰ سال تھیں۔ جبکہ اس قوم کو اللہ نے ہزار ہزار سال عمریں دیں۔ ان چیزوں سے اُن کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس قدر طاقت ور پیدا کیا تھا حضرت شیخ القرآن کے اس سفر کے بعد ان مکانات میں سے ایک مکان کسی وجہ سے گر گیا ہے جب کہ باقی صحیح و سالم موجود ہیں۔

جب ہم وہاں سے واپس لوٹے تو اس وقت بھی حضرت شیخ پر گریہ و رقت طاری تھی۔ جس سے ان کی انابت الی اللہ اور خوفِ خدا کا غلبہ ظاہر ہوتا تھا۔ واپسی پر قاری محمد ابراہیم کی گاڑی ریت میں پھنس گئی۔ اسے دھکا دینے میں حضرت شیخ القرآن بھی ہماری معاونت فرما رہے تھے۔ بصد مشکل گاڑی نکلی اور روانگی سوئے مدینۃ الرسولؐ ہوئی۔ میں نے شیخ سے کہا۔ گاڑی پھنس جانے پر میں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نسخہ استعمال کیا۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے۔ جب کبھی گاڑی ریت میں پھنس جائے "تو لعنۃ اللہ بر پدرِ فرنگ" کہہ دیا کرو۔ اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

حضرت شیخ فرمانے لگے۔ آئندہ سال آپ میرے ساتھ ہوں گے اور تمام ارض القرآن کا سفر کریں گے۔ قرآن مجید میں جن جن مقامات کا تذکرہ ہے، ان کا دیکھنا ہر مفسرِ قرآن کے لئے ضروری ہے۔ فرمایا کہ میں اب تک طلباءِ دورۂ تفسیر کو وَ ثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ[1] کی تشریح میں کہا کرتا تھا کہ وہ وادی کاغان کی طرز کے پہاڑ ہیں۔ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ میں جو تشبیہ دیتا رہا وہ مناسب نہیں

---

[1] سورۃ الفجر۔ آیت ۹

تھی۔ یہاں کے پہاڑ تو تمام رُوئے زمین کے پہاڑوں سے الگ اور منفرد قسم کے ہیں جنہیں دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ قوم عذابِ الٰہی سے کیسی تہس نہس ہو گئی یہاں پر بعض چٹانیں کمرے کے برابر اور بعض ان سے بڑی اور بعض چھوٹی ہیں۔ فرمانے لگے اِن شاء اللہ اس سال دورۂ تفسیر کے طلباء کو ثمودیوں کی بستی کا صحیح نقشہ بیان کروں گا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کی معیت میں مجھے بھی ان قرآنی مقامات کی دید کا شرف حاصل ہوگا۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔

ہم لوگ مغرب کے وقت العلاء پہنچے۔ وہاں ایک بڑے واٹر پمپ کے پاس رک گئے۔ تمام ساتھیوں نے وہاں غسل کیا۔ گرد و غبار دور کیا اور تازہ دم ہو گئے۔ مگر حضرت نے غسل کرنے سے انکار کر دیا۔ مجھے قاری ابراہیم کہنے لگے حضرت شیخ القرآن آپ کی بات ضرور مان لیں گے۔ آپ انہیں غسل کے لئے مجبور کریں۔ میں نے عرض کیا حضرت غسل کرنے سے ربت اور گرد و غبار سے وجود صاف ہو جائے گا اور طبیعت میں تازگی اور بشاشت آجائے گی۔ اور ایک چادر حضرت کی خدمت میں پیش کی کہ یہ باندھ کر غسل کریں۔ چنانچہ اس خادم کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ اور پھر واٹر پمپ کی ٹینکی یعنی حوض میں دیر تک بیٹھے رہے! ور فرمایا واقعی کافی سرور حاصل ہو رہا ہے۔ اب تو جان میں جان آگئی ہے۔ اتنی دیر میں واٹر پمپ کا مالک آگیا اور اس نے سوال کیا مَنِ الشَّیخُ میں نے کہا شیخنا و استاذنا وہ بھی حضرت کی بارعب شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ چائے اور پیپسی سے خاطر تواضع کی اور کہا کہ آج رات ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔

بہر حال ہم وہاں سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے حضرت شیخ القرآن

راستہ میں عاد و ثمود اور دیگر معذب اقوام کا تذکرہ فرماتے رہے! ور قرآنی آیات پڑھتے وقت ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ تقریباً آدھی رات کے وقت ہم مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی فضاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اگلی صبح مولانا جدہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مجھے اور قاری ابراہیم کو بار بار کہا کہ میرے ساتھ جدہ تک چلیں مگر شومئی قسمت کہ ہم جامعہ کی حاضری کے باعث شرف ہم کابی سے محروم رہے۔ لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ حضرت کے ہمارے ساتھ یہ آخری اور الوداعی لمحات ہیں۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ	اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔	بھلائی جمع کر لیتا۔

(سورہ اعراف: ۱۸۸)

کاش کہ ہم شیخ کے اس سفر میں جدہ تک شریک رہتے۔ اس کے تقریباً تین چار دن بعد یہ روح فرسا اطلاع ملی کہ شیخ القرآن دوبئی ایک مذہبی اجتماع میں تقریر کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بعد ازاں مولانا محمد اسحٰق کاشمیری نے ہمیں دوبئی سے فون پر بتایا کہ رحلت کے بعد شیخ کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ اور دمک رہا تھا۔" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

گلہائے عقیدت بہ بارگاہِ رسالت ﷺ

جس زمانہ میں امام مظلوم خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلاف شورش بپا تھی اور ہر سمت سے الزامات کے تیر و نشتر چلائے جا رہے تھے تو امام مظلوم نے اپنے دفاع میں اپنی صفائی بیان کرتے ہوئے تحدیثِ نعمت کے طور پر نیز ظالموں کو ظلم سے باز رکھنے کے لئے (جو درحقیقت ان کی خیر خواہی تھی) چند انتہائی قابلِ قدر اعمال کا تذکرہ اس طرح فرمایا تھا :-

" لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہ مسجد تنگ تھی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کون مسجد کی ساتھ والی زمین خرید کر مسجد کے لئے وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اسے اس سے بہتر جگہ جنت ملے گی۔ تو میں نے ہی آپ کے حکم کی تعمیل کی سعادت حاصل کی۔ اور اب تم مجھے اسی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہو؟

تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ جب رحمتِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو اس وقت مدینہ طیبہ میں بُرِ رُومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ کون اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے اور اس کے بدلے اسے جنت ملے گی، تو میں نے ہی اس ارشاد کی تعمیل کی اور یہودی کے منہ مانگے داموں کے عوض خرید کر وقف عام کیا۔ اور آج تم اسی کنوئیں سے پانی پینے سے مجھے روکتے ہو۔

کیا تم جانتے ہو کہ جیش العسرہ کو میں نے ہی سازوسامان سے آراستہ کیا تھا؟

سب نے جواب دیا۔ بخدا یہ سب باتیں درست ہیں۔

اسی طرح شیخ القرآن مرحوم و مغفور الزام تراشی کرنے والوں کے سامنے اپنی صفائی بیان کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی میں تحدیثِ نعمت کے طور پر چند قابلِ تقلید اعمال کا ذکر کرتے ہیں :۔

جامع مسجد کریمی ڈھوک رتہ راولپنڈی میں ۲۹ ویں شب رمضان المبارک ۲۲-۸-۷۹ کو ختم قرآن کی تقریب سعید سے خطاب کرتے ہوئے زندگی کے آخری سال فرمایا تھا :۔

"لوگ مجھ پر الزام تراشی اور بہتان طرازی کرتے ہیں اور کہتے ہیں "غلام اللہ گستاخِ رسول ہے" راولپنڈی والو! میری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ ایک دو سال نہیں، نصف صدی کے قریب گذار چکا ہوں۔ نہ جانے کتنی زندگی باقی ہے۔ آئندہ سال تک زندگی ہے یا نہیں۔ میری پوری زندگی میں کوئی ایک ایسا واقعہ بتائیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر حملہ ہوا اور میں خاموش رہا ہوں۔ اگر حضورِ اقدس ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے

تحفظ کی خاطر کوئی تحریک چلی ہو اور غلام اللہ پیچھے رہا ہو تو پھر مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اگر مرزائیوں کے خلاف ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں چلنے والی تحریک یا ۱۹۷۷ء میں نفاذِ اسلام کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر میں نے حصہ نہ لیا ہو، تب بنائیں۔

اور اگر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ناموس کے تحفظ کی خاطر چلنے والی ہر تحریک میں نہ صرف بھرپور حصہ لیا ہو۔ بلکہ اس وقت کی حکومتوں نے سب سے پہلے مجھے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا ہو تو کیا کبھی میرے قدم ڈگمگائے ہیں یا میں نے مداہنت سے کام لیا ہے۔ بلکہ اللہ کریم نے مجھ ناکارہ کو استقامت کی توفیق بخشی ہے

طوفانِ بلا سر سے گذرتے رہے ہیں　　زخمی ہے مگر آج بھی سر خم تو نہیں ہے

پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے کہ مسلمانوں نے مرزائیوں کے خلاف قادیان میں ایک تاریخی جلسہ کیا تھا جس میں خطیبِ اسلام مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی رح اور ملک بھر کے برگزیدہ اور چوٹی کے علماءِ کرام شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا! اور مرزائیوں کیخلاف ایک گھنٹہ تقریر کی تھی۔

آپ حضرات ان "عاشقوں" سے بھی پوچھیں کہ کیا ان میں سے بھی کبھی کسی نے قادیان جا کر مرزائیوں کے خلاف تقریر کرنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے اور کہتے ہیں "یہ گستاخِ رسول ہے" میرا عقیدہ سن لو۔ قرآن مجید ساری آسمانی کتابوں میں اعلیٰ اور افضل ہے۔ جس طرح قرآن کے مقابلہ میں تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی شان کم ہے، اسی طرح آمنہ کے لال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تمام انبیاء کی شان کم ہے۔ قرآن کی شان تمام

آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اعلیٰ اور آمنہ کے لال کی شان تمام انبیاء سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اسی طرح یہ قرآن مجید جن کے سینوں میں آیا یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹے سے چھوٹا صحابی، اس کی شان ساری امتوں سے اعلیٰ۔ بلکہ قیامت تک آنے والے تمام اولیائے کرام کو جمع کر لیا جائے تو پھر بھی ان کی شان کم اور صحابی کی شان اعلیٰ۔

کچھ عرصہ پہلے ان لوگوں نے ملتان میں سنّی کانفرنس منعقد کی اور سارے ملک میں اعلان کیا "چلو چلو ملتان چلو" لیکن اس حقیقت کو کوئی بریلوی جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہاں کسی بھی مقرر نے مرزائیوں کے خلاف تقریر نہیں کی۔ اگر کوئی شخص کسی بریلوی عالم کا مرزائیوں کے خلاف ایک جملہ بھی ثابت کر دے تو میں اسے پانچ ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تم نے مرزائیوں کے خلاف سنی کانفرنس میں تقریریں کیوں نہیں کیں۔ اس کے برعکس ہم ہر ایک تقریر میں برملا کہتے ہیں۔ مرزا قادیانی کافر تھا، اسے نبی ماننے والے کافر ہیں، اسے مجدد ماننے والے کافر ہیں۔ اور جو آدمی اسے کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ اندر سے تم نے قادیانیوں سے یاری لگا رکھی ہے اور گالیاں دیوبندیوں کو دیتے ہیں۔

مجھے گالیاں دینے والے سن لیں کہ ہم نے کبھی کسی باطل کو گوارا نہیں کیا۔ ہم نے ہمیشہ ہر سطح پر مرزائیوں سے ٹکر لی۔ جب کبھی عظمتِ صحابہ کا معاملہ آیا۔ اگر صدیق و فاروق اور عثمانِ غنی کی شان کا معاملہ آیا۔ ہماری ماں سیّدہ عائشہ صدیقہ کی عصمت کا مسئلہ پیش آیا تو ہم حق گوئی اور ان کی عظمت کے تحفظ کی پاداش میں جیلیں بھر دیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ تم شیعہ کے ساتھ اتحاد بھی کرو اور شیعہ سنی بھائی بھائی کا

نعرہ بھی لگاؤ۔ اور گستاخ ہمیں کہو۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد جو چاہے تمہارا حسنِ کرشمہ ساز کرے

بتاؤ۔ صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کے گستاخوں کا یار نبی کا یار ہو سکتا ہے

شیخ نے فرمایا:۔

یہ نبی ہی کی شان ہے کہ وہ قوم کے سامنے اپنا ماضی پیش کرے لیکن اس کے بے داغ ماضی پر کسی دشمن کو بھی انگشت نمائی کی جرأت نہ ہو سکے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ عام کرتے ہیں:۔

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلُ

اے مکہ والو! میری زندگی کے چالیس سال تمہارے اندر گزرے میرے اندر کوئی عیب، خیانت یا بد دیانتی دیکھی ہو تو بتاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هَلْ وَجَدْتُمُوْنِی صادقا او کاذبا ؟

کیا تم نے مجھے سچا پایا ہے یا کسی بھی معاملہ میں مجھے جھوٹا پایا ہے؟

قومِ قریش نے یک زباں ہو کر کہا:۔

جربنا لك مرارا فما رأينا فيك الا صدقا

ہم نے بارہا آپ کو آزمایا ہے لیکن ہم نے آپ میں سچائی ہی سچائی دیکھی۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

شیخ نے کہا۔

سن لو، میرا اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر ساری دنیا کے

اولیاء اللہ جمع ہو جائیں تو کسی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح سارے صحابۂ کرام بھی جمع ہو کر کسی نبی کی شان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور سارے انبیاء جمع ہو جائیں تو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ہم کہتے ہیں جس کا عقیدہ یہ نہیں ہے وہ مسلمان نہیں۔ نہیں نہیں۔ اگر سارے انبیاء علیہم السلام، تمام نوری فرشتے اور سب جنات کو ایک پلڑے میں فرض کر لیے جائے اور دوسرے پلڑے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس فرض کر لو تو پھر بھی آپ ہی کا پلڑا بھاری ہو گا۔ اور شان، رتبہ و مقام آمنہ کے لال ہی کا بلند و بالا ہو گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ ۔۔۔ وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا ۔۔۔ اور آپ سے زیادہ جمیل اور خوبصورت کسی عورت نے نہیں جنا

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں ۔۔۔ گویا کہ آپ کو آپ کی حسبِ منشا پیدا کیا گیا ہے

شیخ نے فرمایا:۔

۱۹۳۵ء میں جب اللہ رب العزت نے مجھے پہلی مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین سے نوازا، تو فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد محسنِ انسانیت، رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہربار میں حاضری سے شرفیاب ہوا۔ دورانِ قیام مدینہ منورہ ان مقامات پر بھی حاضری دی جو اپنے دامن میں بے شمار برکتیں اور تاریخی یادیں سمیٹے ہوئے ہیں۔

جس دن میں جبل احد کی زیارت کرنے گیا تو اتفاق سے جہلم کے دو اعلیٰ فوجی افسر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس زمانہ میں پہاڑ کے اوپر واقع جنگِ احد سے وابستہ تاریخی نوعیت کے حامل مقامات کو دیکھنے کی عام اجازت تھی۔ کیونکہ اس وقت تک ہمارے ملک کے "پجاں چیڑ" والے وہاں نہیں جاتے تھے۔ جب ایسے لوگوں کا وہاں آنا جانا شروع ہوا تو پھر حکومت نے اوپر جانے پر پابندی لگا دی۔

ہر دو فوجی افسران نے پہاڑ کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ جس درہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر انداز تعینات کئے تھے وہ بھی دیکھا۔ وہ کہنے لگے۔ مولانا! یہ جگہ فوجی اعتبار سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر کو کس قدر اونچا مقام عطا کیا اور کتنا اعلیٰ فوجی مدبرانہ ذہن دے رکھا تھا۔ اس درہ کی حفاظت سے دشمن کی کامیابی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے کہا۔ پیغمبر کا تو کمال ہی یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے انسانِ کامل ہوتا ہے ان جیسا کسی ماں نے نہ کوئی جنا ہے نہ جنے گی۔ ان جیسا مدبر کوئی دنیا میں آیا ہے نہ آسکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ جس مالک نے جنگ و حربی معاملات کی عمدہ ذہانت اور صلاحیت عطا کی ہے، اسی مالک نے اپنے پاک پیغمبر کو سب سے بڑھ چڑھ کر ان صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان تیر اندازوں کو مورچہ پر بٹھانا خدائی حکم سے تھا۔ پھر کیونکر اس کی اہمیت آشکارا نہ ہو۔

وہ افسران بیحد حیران ہو رہے تھے۔ میں نے کہا۔ حیرت کی کیا بات ہے۔ تم فوجی ٹریننگ اور تجربہ حاصل کر کے اس صلاحیت تک پہنچے ہو۔ لیکن پیغمبر کا براہِ راست کنکشن یہ صلاحیتیں دینے والے اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ایک لمحہ کے اندر

انہیں ایسے ایسے کمالات سے مالا مال کر دیتا ہے جنہیں حاصل کرنے کے لئے اگر ساری دنیا کے دانشور اور مدبر عمر بھر جدو جہد کرتے رہیں تب بھی حاصل نہیں کر سکتے

شیخ القرآن نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اس ایک آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پورے اعجاز کے ساتھ بیان کر دی ۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا خلقہ القراٰن یعنی آپ کی سیرت اور اخلاق قرآن کا عملی جامہ ہے ۔ اگر آپ کی سیرت سے آگاہی چاہتے ہو تو قرآن دیکھو۔ اور قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو آپ کی سیرت کا مطالعہ کرو۔

قریبًا سوا لاکھ انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے مگر ان میں سے کسی ایک کی سیرت محفوظ نہیں ۔ لیکن آمنہ کے لال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر پہلو محفوظ ہے ۔ علاوہ ازیں آپؐ کی تشریف آوری کا جتنا اہتمام ہوا کسی بھی پیغمبر کی آمد کا نہیں ہوا۔ ابھی دنیا میں آپؐ کا ورودِ مسعود ہوا ہی نہیں تھا مگر پہلے ہی تمام انبیاء سے عہد و پیمان آپ کی نصرت کا لیا گیا۔ قرآن نے آپ کی عظمت کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ
ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ

جب اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء سے عہد و پیمان لیا ۔ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت (دین کی باتیں یا سمجھ) دے دوں ۔ پھر تمہارے پاس ایک خاص شان والا رسول آجائے جو تمہاری اور تمہارے دین کی تصدیق کرنے والا ہوگا اس

پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

واہ سبحان اللہ! ابھی تشریف لائے نہیں، لیکن ہر دور کے ہر پیغمبر سے عہد و پیمان لیا جا رہا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک صفت مُصدِّق بھی ہے یعنی حضورؐ ہر ایک پیغمبر کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اگر حضورؐ تشریف نہ لاتے تو خدا کی قسم سابقہ انبیاء کی تصدیق کرنے والا کوئی بھی نہ ہوتا۔ اور نہ ہی ان کے دین کی تصدیق کرنے والا کوئی ہوتا۔ حضورِ اکرم تشریف نہ لاتے تو سیدنا عیسٰی علیہ السلام اور مائی مریم کی واقعی شان بیان کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

"کتاب مقدس" میں انبیاء علیہم السلام پر جو سنگین الزامات عائد کئے گئے ہیں ان الزامات سے ان کی براءت بیان کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہم السلام پر انتہائی غلیظ بہتان لگائے گئے لیکن قرآن نے آکر ان کی معصومیت کو آشکارا کیا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی شان کو چار چاند لگا دئیے ہیں۔

ہدیۂ سپاس بحضورِ اصحابِ سیّدُ النّاس

حضرت شیخ فرماتے ہیں :-

اسی طرح صحابۂ کرام کی عظمتِ شان کا یہ کیسا نرالا انداز ہے کہ ابھی وہ دنیا میں آئے بھی نہیں۔ دنیا جہان میں ابھی ان کا کہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آ رہا تھا مگر اللہ تعالٰے نے اپنی نازل کردہ کتابوں توریت اور انجیل کو ان کے ذکرِ جمیل

سے مزین فرما دیا۔

وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا فِي التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ ۔ (سورۃ التوبہ ۱۱)

میرا آخری نبی بھی آرہا ہے اور اس کے موتی صحابۂ کرام بھی آ رہے ہیں۔ نہ اس نبی جیسا کوئی نبی آیا ہے اور نہ صحابہ جیسی کوئی جماعت پیدا ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ	(حضرت) محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو
مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ	لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت
رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ ۔	ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔

پیغمبر کے ساتھ۔ یعنی نمازوں میں ساتھ، روزوں میں ساتھ، سفر میں ساتھ۔ حضر میں ساتھ۔ مکی زندگی میں ساتھ، مدنی زندگی میں ساتھ، جہاد میں ساتھ۔ کوئی ایک دن ساتھ، کوئی ایک سال ساتھ، کوئی دو برس ساتھ، کوئی تیرہ برس ساتھ کوئی تمام عمر ساتھ، ظاہری اعمال میں ساتھ، باطنی اوصاف و اخلاق میں ساتھ۔ کوئی دنیا میں ہی ساتھ اور کوئی قبر میں بھی ساتھ۔

واہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم! تمہاری شان پر قربان۔ اللہ کریم نے تمہیں ایسی لازوال معیت دی ہے کہ دنیا میں بھی ساتھ اور قبر میں بھی ساتھ۔ پھر اللہ تعالےٰ نے صدیق کے رتبہ اور مقام کو اجاگر کرنا تھا، اس لئے ارشاد فرمایا:۔

اِذۡ قَالَ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ	جب کہا (محمدؐ نے) اپنے ساتھی سے کہ غم
اللّٰهَ مَعَنَا ۔	نہ کر اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہاں جس معیت کا شرف صدیق کو نصیب ہوا ہے اس میں فاروقِ اعظم بھی شریک

نہیں ہیں۔ غارِ ثور جہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی جب کہ مشرک آپ کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، وہاں سوا صدیقِ اکبر کے اور کوئی بھی ساتھ نہیں تھا۔ اس لئے میں صاف کہتا ہوں۔ صدیق ہیں، عمر فاروق ہیں، عثمان غنی ہیں علی المرتضیٰ ہیں، امیر معاویہ ہیں، حضور کی تمام ازواجِ مطہرات جو ہماری مائیں ہیں اور کسی بھی صحابی کی شان میں قطعاً کوئی بے ادبی اور گستاخی کی بات زبان سے نہ نکالنا، ورنہ ایمان کا صفایا ہو جائے گا۔ صحابہ کی محبت و عظمت ایمان کی علامت ہے۔ اور ان کی شان میں گستاخی ایمان کی بربادی ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے "صحابہ رضؓ کو کچھ نہ کہنا، تمہیں معلوم ہے کہ صحابہ رضؓ کون ہیں؟ یہ پیغمبر کی یادگاریں ہیں، پیغمبر کی نبوت کے عینی گواہ ہیں۔ امت تک دین پہنچانے والے ہیں۔ جس طرح جبرئیلؑ اللہ تعالےٰ اور پیغمبر کے درمیان واسطہ ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام پیغمبرؐ اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں"۔

ایک جنگ میں مشرکین کے مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے۔ ان کے نام اور پتے درج کئے گئے۔ ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے دریافت کیا جائے۔ یہ کیا چاہتی ہے۔ اس کا باپ بڑا رحمدل تھا۔ اس نو عمر لڑکی کو فکر لاحق تھا کہ کہیں میری عصمت داغدار نہ کر دی جائے۔ صحابہ رضؓ کے دریافت کرنے پر اس نے کہا۔ مجھے میرے ملک میں پہنچا دیا جائے۔ اس کے اصرار کے باعث پیغمبر نے دو صحابہ کو اسے بحفاظت پہنچانے کا حکم دیا۔ جب وہ گھر پہنچی تو اس کے بھائی عدی نے اس سے پوچھا:۔

کیف وجدتِ محمداً و اصحابہ — تو نے محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو کیسا پایا۔

سنو جواب اس عورت کا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئی بلکہ مشرکہ ہے۔

میرے بھائی! میرے گھر کے اندر میرے باپ کی موجودگی میں بھی میری عصمت کی حفاظت اتنی نہیں ہوئی، جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں ہوئی ہے۔ رہی ان کی جماعت۔ تو اس کے متعلق میں اتنا کہہ دیتی ہوں کہ جس طرح تیری شہوت کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑ سکتی، اسی طرح ان کے ساتھی کی نگاہ بھی مجھ پر نہیں پڑی۔ میں نے ایسی پاکیزہ جماعت کوئی نہیں دیکھی"۔

صحابہ کرام رض کی جماعت ایسی بلند شان کی مالک تھی جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ پیغمبر خدا کے وصف وَیُزَکِّیْھِمْ نے ایسا کرشمہ دکھایا کہ جو لوگ سراپا خطا کار تھے، پاک دامن بن گئے، جو شرابی تھے، شراب کے مٹکے توڑنے والے بن گئے۔ جو زنا کار تھے، دوسروں کی عصمت کی حفاظت کرنے والے بن گئے۔ اور جو ڈاکو اور رہزن تھے، دنیا کے رہبر بن گئے۔

علماءِ کرام کی توجہ کے لئے ایک بات کہتا ہوں۔ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کی صفات بیان نہیں کیں بلکہ ان کے واقعات بیان کئے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کی صفات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، ان کا نبی ہونا ہی جملہ صفات کا جامع ہے۔ نبی ہونا ہی دلالت کرتا ہے کہ یہ گناہوں سے پاک، عیبوں سے پاک اور معصوم ہیں۔ جبکہ صحابہ کرام کی صفات بیان کی ہیں۔ چونکہ صحابہ معصوم نہیں تھے۔ اس لئے اللہ پاک نے ان کی صفتیں بیان کیں تاکہ کوئی بدبخت دریدہ دہنی نہ کر سکے۔ نہ زبان سے نہ قلم سے۔

وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰىھُمْ

رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الخ

بعض لوگ شیعیت زدہ تاریخی روایات کو بنیاد بنا کر صحابہ کرام پر تنقید کر کے اپنا ایمان برباد کرتے ہیں۔ اے ظالمو! صحابہ کی شان محمد رسول اللہ ؐ کے لائے ہوئے قرآن میں کیوں نہیں دیکھتے۔ صحابہ کی شان یہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا	سورۂ انفال : ۴
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	" توبہ : ۲۰
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ	" الحجرات : ۷
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	" زمر : ۳۳
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ	" حشر : ۸

عرش مجید سے آواز آتی ہے۔ لوگو! یہ پیغمبر کے موتی ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یہ مجھ سے راضی میں ان سے راضی۔ یہ مجھ سے خوش میں ان سے خوش۔ میں تو ان سے راضی اور خوش ہوں۔ تمہیں (دشمنانِ صحابہ) اگر آگ لگتی ہے تو لگتی رہے تم حسد کی آگ میں جلتے ہو تو جلتے رہو۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ لوگو! پیغمبر کے یہ موتی، میری فوج ہے۔

نہایت قابلِ افسوس اور قابلِ غور بات ہے کہ پاکستان کی فوج پر اعتراض قابلِ تعزیر جرم ہے تو کیا اللہ کی فوج صحابہ پر تنقید قابل گرفت جرم نہیں ہو گا

ہمارے نزدیک سیدنا علی المرتضیٰ جنتی، حسنین کریمین جنتی۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا جنتی اسی طرح صدیق و فاروق جنتی، عثمان ذی النورین جنتی۔ حضرت امیر معاویہ بھی جنتی اور حضورؐ کی تمام ازواجِ مطہرات بھی جنتی۔ رضی اللہ عنہم۔

کسی بھی صحابی کے خلاف، اگر کوئی بات کسی کی زبان سے نکلے گی تو ہم اس زبان کو گدی سے نکال دیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی خارجی حضرت علی، حسنین۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کی توہین کرنے کی جسارت کرے گا تو اس کی زبان بھی گدی سے نکال دی جائے گی۔ واللہ! انبیاء کے بعد آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر آج تک صحابہ کرام جیسی پاکیزہ اوصاف والی کوئی جماعت آئی ہے نہ قیامت تک آئے گی۔ حضورؐ تمام انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ کے صحابہ تمام امتوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

غزوۂ احزاب کے واقعات عبرت افزا اور فکر انگیز ہیں۔ دسمبر کا مہینہ۔ سخت ترین سردی، نہ اوڑھنے کے لئے کوئی کمبل دستیاب ہے، اور نہ ہی کھانے پینے کا سامان صحابہ کرام کے ساتھ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ سرِ مبارک پر ٹوکری اٹھا کر مٹی باہر پھینک رہے ہیں۔ سینہ معرفتِ حق کا خزینہ اور سرِ مبارک پر مٹی پڑی ہے۔ بھوک کی شدت سے نڈھال اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں لیکن انتہائی جاں فشانی سے خندق کھودنے کا عمل جاری ہے اور صحابہ کرام اپنی جاں نثاری پر فخریہ انداز میں کہہ رہے ہیں:۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجہاد ما بقینا ابدا

ہم وہ جماعت ہیں جنہوں نے تن، من، دھن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ مبارک میں فروخت کر دیا۔ ہم نے جہاد کرنے کی بیعت کر لی ہے جب تک تن بدن میں جان ہے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔ ہم قیامت تک جہاد میں مصروف رہیں گے۔

لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

یا اللہ تیری ذات کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں صحیح راستہ نہ مل سکتا۔ تو نے اپنے پاک پیغمبر کو بھیجا تو ہمیں راستہ بھی ملا اور ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔ نہ ہم سجدہ کر سکتے، نہ تیرے دربار کی حاضری کے آداب سے آشنا ہوتے۔ یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ہمیں ملا۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تشکر کے جذبات کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں یوں دست بدعا ہیں:۔

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ فاغفر الانصار والمھاجرہ

اے اللہ! یہ دنیا کی زندگی کوئی زندگی نہیں حقیقی زندگی تو آخرت کی ہے۔ دنیا میں میرے ساتھی کوئی انصار ہیں اور کوئی مہاجر ہیں۔ ان سے اگر کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف فرما دے۔

قرآن مجید آواز دیتا ہے:۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

(سورہ ہود : ۱۷)

قرآنِ پاک اس آیت میں دو جماعتوں کا ذکر کر رہا ہے۔ ایک جماعت اہلِ

حق کی جنہیں خدا کی طرف سے راہِ حق نصیب ہوئی ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی اسی پر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جماعتِ اہلِ حق کے لئے قرآن نے تین چیزیں بیان کی ہیں۔
(۱) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (۲) يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (۳) وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً

یہ تینوں چیزیں جماعت اہل حق، جو اس امت کے موتی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی ہیں، کو دیں۔ صحابہ اہلِ حق کی سب سے پہلی وہ جماعت ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے چُن چُن کر یہ موتی اور جواہرات اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو عطا کئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

"سارے انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالےٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا ہے۔ اور ساری امتوں سے خدا نے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا ہے۔ اور ساری امت میں سے اللہ نے صحابہ کرام کو چن لیا ہے۔" یہ اللہ تعالےٰ کے چنے ہوئے جواہرات اور موتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ موتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ جس کی سند اور متن میں کسی کو قطعاً اختلاف نہیں۔ تمام محدثین اس کی صحت پر متفق ہیں، فرمایا۔

فانّ احد کم لو انفق مثل احد ذھبا ما ادرك مدّ احدھم ولا نصیفه۔ (مسلم شریف ج ۲ : ص ۳۱۰)

یعنی اے ایمان والو! میری امت کے ہزاروں اولیاء اللہ ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا کے مقربین ہی کیوں نہ ہوں۔ اور کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے! اور میرا

صحابی تھوڑے سے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو میرے صحابی کے صدقہ وخیرات کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک سے کسی نے پوچھا۔ عمر بن عبدالعزیز (جو خلافت حق گوئی، عدل وانصاف، نظامِ مملکت اور عدل ومساوات کا معیار قائم رکھنے میں خلافتِ راشدہ کا تتمہ تھے اور عمر ثانی سے یاد کئے جاتے تھے) اور حضرت معاویہ رضؓ کے درمیان کیا نسبت پائی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جو بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ امام بخاری اور امام مسلم جیسے شہرہ آفاق محدثین کے استاد بھی ہیں، نے فرمایا۔ ایک عمر بن عبدالعزیز نہیں۔ اگر سو عمر بن عبدالعزیز بھی اکٹھے ہو جائیں۔ حضرت امیر معاویہ خود نہیں، بلکہ جس گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جو گرد وغبار اڑ کر گھوڑے کی ناک میں پڑی ہے، اس مٹی کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔"

دیکھا ہے صحابی کا مقام۔ سیدنا امیر معاویہ تو بے حد اونچی شان کے مالک تھے۔ وہ تو جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانو مبارک کے پاس بٹھا کر وحی لکھوایا کرتے تھے۔ ان کی شان اور مقام کی رفعت اور بلندی کا اندازہ کوئی کیا کر سکتا ہے جن کے گھوڑے کی ناک کی مٹی کے برابر کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی نہیں ہو سکتا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دورِ خلافت میں عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک عورت تنِ تنہا ایک ہزار میل کا سفر کرتی ہے۔ اس کے پاس زیورات بھی ہیں لیکن بلا خوف وخطر اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہے نہ اسے

ڈاکہ زنی کا خدشہ ہے، نہ عصمتِ دری کا اندیشہ، طمانینت وسکون کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔

اے کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے اس ملک میں بھی ایسا پاکیزہ ماحول بنا دے۔ ہم بھی اسلام اور اسلامی آئین کی برکات کو دیکھ سکیں۔

حضرت شیخ نے فرمایا:۔

لوگو! میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ نبی کے موتیوں کی شان میں بدکلامی ہرگز نہ کرنا۔ بعض لوگوں کی زبان اور قلم آزاد ہوتے ہیں۔ اور وہ بڑی بے باکی کے ساتھ صحابۂ کرام پر تنقید کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ تنقید تو ہر آدمی پر ہو سکتی ہے۔ ذرا خیال کریں کہ ایک پاکستانی مسلمان اور وہ تنقید کا نشانہ بنائے صحابۂ کرام کو۔ یہ کس قدر ظلم کی بات ہے۔

اگر میں یہ کہہ دوں تو بیجا نہ ہوگا۔ کیا کوئی آدمی اپنی ماں پر تنقید کر سکتا ہے؟ اگر کوئی بدبخت اپنی ماں سے کہے، ماں میں تیری عملی زندگی پر تنقید کرتا ہوں، تو ماں اسے یہی کہے گی، کیا تو حلالی ہے یا حرامی ہے کہ مجھ پر تنقید کرتا ہے۔ بیٹا جواب میں کہے کہ میں حلالی ہوں کیونکہ تو کوئی معصومہ تو نہیں ہے کہ تجھ پر تنقید نہ ہو سکے۔ تو آپ کا ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟

میرے مکرم بزرگو! اگر اپنی ماں پر تنقید نہیں ہو سکتی تو پھر مائی عائشہ صدیقہ ؓ پر بھی تنقید نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر اپنے باپ پر تنقید نہیں ہو سکتی تو پھر حضرت عثمان ؓ اور امیر معاویہ رضؓ پر بھی تنقید نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ کئی لوگ آزاد زبانوں اور قلموں والے پیدا ہوں گے جو اپنے دلی روگ کی وجہ سے مقدس صحابہ پر تنقید کریں گے، پیغمبر کے جاں نثاروں

پر کیچڑ اچھالیں گے۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنا دیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (سورۂ انفال : ۷۴)

"وہ لوگ جنہوں نے توحید و رسالت کو مان لیا اور شرک چھوڑ دیا۔ اور ہجرت کی۔ گھر بار چھوڑ دیا۔ مگر توحیدِ خداوندی اور پیغمبر کی اتباع کو نہ چھوڑا اور جہاد میں بھی ثابت قدم رہے (اس میں تمام مہاجرین آ گئے) اور جن لوگوں نے ٹھکانہ بھی دیا اور امداد بھی کی (اس میں تمام انصار آ گئے) یہی پکے مومن ہیں۔ اگر ان سے کوئی اجتہادی غلطی ہو بھی گئی تو میں نے وہ معاف کر دی۔ ان کے لئے عزت والا رزق تیار ہے۔"

اس کے باوجود اگر کوئی پاکستانی یا غیر پاکستانی صحابہ کرام کی ذات پر تنقید کرے تو یہی کہا جائے گا ظالم تو اپنے ایمان کی خبر لے۔ تجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ صحابہ کرام پر تنقید کرے۔

شیخ نے فرمایا :۔

مائی مریم صدیقہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں۔ اور مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جو مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت مآب زوجہ مطہرہ ہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جب مائی مریم پر الزام لگایا گیا تو ان کی پاکدامنی اللہ تعالےٰ نے ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے

بیان کرائی۔ لیکن جب مائی عائشہ صدیقہ رضؓ پر الزام لگایا گیا تو ان کی پاکدامنی اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی۔ ان کی صفائی بیان کرنے کے لئے عرش سے کلام پاک نازل ہوا۔ چونکہ مائی عائشہ صدیقہ کا مقام بہت اونچا تھا اس لئے بڑے اہتمام کے ساتھ ان کی پاکدامنی کا اعلان کیا گیا۔

میرے شیخ علامہ انور شاہ کاشمیری فرمایا کرتے تھے کہ قرآن پاک کا کوئی کلمہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ ہر کلمہ میں اللہ تعالیٰ نے ضرور کوئی حکمت رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان دونوں پاکدامن ماؤں کی پاکدامنی پر لوگ بہتان طرازی کرینگے اس لئے حجت قائم کرتے ہوئے اپنے کلام پاک میں ان کی پاکدامنی بیان فرما دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم صدیقہ کی پاکدامنی کے متعلق اُس زمانہ کے یہودیوں اور اِس زمانہ کے مرزائیوں نے بدترین کلمات استعمال کئے ہیں۔ اِسی طرح مائی عائشہ صدیقہ رضؓ کی عصمت کے خلاف جو کچھ اُس زمانہ کے منافق کہتے تھے اِس زمانہ کا رافضی شیعہ بھی وہی کلمات کہتا ہے یعنی مائی مریم صدیقہ پر بہتان طرازی اُس زمانہ کے یہودیوں اور اِس زمانہ کے قادیانیوں نے کی ہے۔ اسی طرح مائی عائشہ صدیقہ رضؓ پر بہتان طرازی اُس زمانہ کے منافقین اور اِس زمانہ کے رافضی شیعہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی پاکدامنی اپنے کلام پاک میں بیان کر کے حجت قائم کر دی ہے۔ تاکہ قیامت تک مسلمان قرآن پڑھتے رہیں اور ان پاکدامن ماؤں کی پاکیزگی اور طہارت کی ایمان افروز آیات سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

باب چہارم

مسلمانانِ وطن کے عقائد پر حزن و ملال

بریلوی افکار و نظریات پر ایک نظر

بشریتِ انبیاء

مروجہ صلوٰۃ و سلام

حاشیہ شاہ عبدالقادر رح

نائی وہابی ہو گیا

بلغۃ الحیران پر اعتراض کی حقیقت

رضاخانی جماعت کا دجل و فریب

بریلوی افکار و نظریات پر ایک نظر

حضرت شیخ کو مسلم قوم کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی اور قوم کے غلط عقائد و نظریات پر خون کے آنسو روتے تھے! انہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اصلاحِ عقائد کی تحریک چلائی۔ لوگوں کے طعن و تشنیع، گالی گلوچ، الزامات و اتہامات اور بہتان تراشی کے طوفانوں میں بھی شمعِ توحید فروزاں رکھی۔ اپنوں اور بیگانوں کی شدید مخالفت کے باوجود اس مشن کو پوری جرأت کے ساتھ جاری رکھا۔ دین فروش علماء اور جاہل پیروں نے باطل افکار عوام کے دلوں میں ایسے راسخ کر دئیے تھے کہ وہ انہیں چھوڑنا کفر کے مترادف سمجھتے تھے۔ ایسے ہی ایمان سوز عقائد کی اصلاح شیخ اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔

یہاں بریلوی علماء کے باطل افکار و نظریات کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔

☆ بے شک حضرت عزت عظمتہ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا تھا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش

سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السمٰوٰت والارض کا شاہد بنایا۔ روزِ اول سے روزِ آخر تک سب ماکان وما یکون انہیں بتایا۔ اشیاءِ مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم عظیم حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا۔ نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں، جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔" (انباء المصطفٰے ص ۶)

"سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقتِ واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا۔ اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کیا کہ حضرت نے وقتِ واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیونکر ہو سکے گا۔ شیخ نے فرمایا۔ کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔ فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو گیا تعجب ہے۔ یہ ذکر کر کے فرمایا۔ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے، باقی جگہ مثالیں، حاشا۔ بلکہ شیخ بذاتِ خود ہر جگہ موجود تھے" (ملفوظات ۱/۱۱۴)

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو   کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

(حدائق ۲/۹)

تصرف والے سب مظہر ہیں تیرے   تو ہی اس پردے میں فاعل ہے یا غوث

(حدائق ۲/۹)

ملک مشغول ہیں اس کی ثنا میں   وہ تیرا ذاکر و شاغل ہے یا غوث

(حدائق ۲/۷)

یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ غوثِ اعظم کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔

رضا خانی ٹولہ کو خداوندِ قدوس کی وحدانیت تو کسی صورت گوارا ہی نہیں جب تک اس کی صفات میں مخلوق کو شریک کرنے کا جُرمِ عظیم نہ کرلیں، انہیں چین ہی نہیں آتا۔ حتیٰ کہ کلمہ طیبہ کے وہ مقدس الفاظ جو اللہ رب العزت اور محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کردہ ہیں اور ایمان کی اولین بنیاد ہیں، انہیں بھی محفوظ نہیں رہنے دیا ان میں بھی اپنی طرف سے پیوند کاری کی۔ ذیل میں اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ایک شخص خواجہ معین الدین چشتی کے پاس آیا اور عرض کیا، مجھے اپنا مرید بنائیں۔ فرمایا۔ پڑھ۔ لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ[۱]
(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، چشتی اللہ کا رسول ہے)

(۲) پیر محکم دین کے پاس ایک شخص مرید ہونے کے لئے آیا۔ بعد بیعت اس سے کہا، پڑھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ محکم دین رَسُوْلُ اللّٰہِ[۲]

(۳) حضرت ابو بکر شبلی کی خدمت میں دو شخص بارادۂ بیعت حاضر ہوئے فرمایا کہو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شبلی رَسُوْلُ اللّٰہِ[۳]

(۴) پیر عبد المجید خضری آف دیول نے اپنے نام کا کلمہ اس طرح وضع کیا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ پیر خضری شیئاً لِلّٰہِ[۴]

عارف اللہ قادری کا ایجاد کردہ درود دیکھئے

۱؎ فوائد فریدیہ ص۸۳ ۲؎ تذکرہ غوثیہ ص۱۱۴ ۳؎ ایضاً ص۳۲ ۴؎ شجرہ عالیہ ص۸ منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ جون ۱۹۸۵ء

اَللّٰھم صل وسلم وبارك عليه وعليهم جميعا وعلى عبدك الضعيف محمد عارف الله القادری غفرله وبارك عليه و عليهم جميعا وعلى سائر اوليائك وعلينا بهم ولهم وفيهم ومعهم يا ارحم الراحمين[1]

غیر اللہ سے امداد کا تصور

حضرت شیخ القرآن اکثر یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر گوجرانوالہ تقریر کے لئے ویگن میں جا رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر میرے ساتھ کوئی افسر سفید کپڑوں میں بیٹھا تھا۔ جب ویگن سواں پل کے قریب پہنچی تو پٹھان ڈرائیور نے وہاں بیٹھے ہوئے مجاوروں کو ایک روپیہ دیا۔ اکثر ڈرائیور وہاں اس نظریہ سے پیسے دیتے ہیں کہ بابا راستہ میں ہماری حفاظت کرے گا اور گاڑی کو حادثہ وغیرہ سے بچالے گا۔ وہ افسر ڈرائیور سے کہنے لگا۔ خان صاحب آپ نے یہ کیا کیا۔ یہاں تو سب بھنگی و چرسی اور بے دین مجاور بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہیں دینے کا کیا فائدہ۔ کسی غریب کو دے دیتے تو بہتر تھا۔ افسر موصوف نے مسئلہ تو بیان نہ کیا البتہ حسنِ انداز سے اسے سمجھایا۔

ڈرائیور کہنے لگا جی چھوڑو اپنا اپنا عقیدہ ہے۔ میں نے پشتو میں کہا خانصاحب یہ آدمی جو بات کہہ رہا ہے بالکل درست ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا حق ہے وہی دیتا ہے اور وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ اتفاق سے وہ مجھے پہچانتا تھا اور مجھ سے

---

[1] شجرہ طیبہ از عارف اللہ قادری منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن جنوری ۱۹۸۵ء

سخت متنفر تھا۔ مجھے پشتو میں کہنے لگا "بس کر تو مولوی غلام اللہ وہابی ہے" میں نے کہا ناراض ہونے کی کونسی بات ہے۔ میں نے تجھے گالی تو نہیں دی، صرف یہی کہا ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے، ان افیمی چرسی لوگوں کا حق نہیں۔ تو وہ بڑے غصہ سے کہنے لگا "اچھا کرتا ہوں، تجھے کیا ہے"

خیر ہم بھی خاموش ہو گئے اور وہ بھی چپ۔ جب دینہ کے قریب پہنچے اور وہ موڑ مڑنے لگا تو سامنے سے ایک غریب آدمی جو سانگلہ سے آیا اور لکڑی خریدنے ٹل جا رہا تھا، اسے ٹکر مار دی اور وہ گر گیا اور اس کا سر کھل گیا۔ میں نے کہا "بابا پہنچ آیا ای" جس کے نام کا روپیہ دیا تھا وہ بڑے موقع پر پہنچا ہے۔ سب لوگ پریشان تھے کہ یہ کیا مصیبت آگئی ہے۔ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے فیصلہ کیا کہ اس غریب کو جہلم ہسپتال میں فوراً پہنچایا جائے۔ اسی ویگن میں اسے جہلم کے ہسپتال میں لے گئے۔ وہاں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر پہلے راولپنڈی رہ چکا تھا اور مجھے پہچانتا تھا۔ میں ہسپتال میں نماز کے لئے وضو کرنے لگا تو ڈاکٹر صاحب نے دیکھ لیا۔ اور اڑدلی سے کہنے لگا یوں لگتا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان ہیں۔ فوراً جا کر ان سے نام دریافت کرو۔ وہ میرے پاس آیا اور نام پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب میرا نام سن کر دوڑتے ہوئے میرے پاس آگئے۔

یہ سب کچھ پٹھان ڈرائیور دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے پاس آکر پشتو میں کہتا ہے "مولوی صاحب مجھ سے غلطی ہوئی، خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔ میں نے کہا "نہ بابے نوں آکھ" جس بابے کو روپیہ دیا تھا، اگر اسے دو روپے دیتا تو پھر پوری حفاظت کرتا، ایک روپیہ دینے سے یہ بندہ مرنے سے بچ گیا ہے۔ اگر دو روپے

دیتا تو یہ فوراً قبر میں پہنچ جاتا۔

شیخ نے کہا۔ ہم تو لوگوں کو اولیائے کرام کا ادب سکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا جو حق ہے وہ انہیں دیا جائے یعنی ان سے محبت و اکرام کا رویہ رکھا جائے! وہ اولیاء کا جو مقام ہے انہیں اس مقام پر رکھا جائے۔ اور یہ اولیاء اللہ کا حق نہیں کہ ان کی پناہ چاہو۔ پناہ صرف اللہ کی چاہو، یہ حق صرف اللہ کا ہے کہ اس سے پناہ طلب کی جائے۔ اسی طرح مرادیں پوری کرنے والا، حاجتوں کو برلانے والا۔ خدا کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اولیاء اللہ تو خود اللہ کی پناہ کے طلبگار ہوتے تھے۔ اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور مشکلات و مصائب میں اسی کو پکارا کرتے تھے۔ کسی ولی نے کبھی بھی نہ کسی بلا سے کی پناہ لی اور نہ اسے حاجات میں پکارا۔

میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا اگر معافی کی کوئی صورت ممکن ہو تو اسے معاف کر دیں انہوں نے کہا۔ وہ آدمی بے ہوش پڑا ہے۔ خدا جانے بچنا بھی ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں معافی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ ہم نے پولیس کو رپورٹ کرنی ہے ڈرائیور روئے اور میرے پاؤں پکڑے کہ خدا کے واسطے ڈاکٹر کو کہو، معاف کر دے۔ ڈاکٹر کہنے لگا ہم اسے ٹانکے لگاتے ہیں، ٹیکے بھی لگاتے ہیں۔ اللہ کرے اسے ہوش آ جائے اور یہ ڈرائیور کو معاف کر دے تو ہم بھی معاف کر دیں گے۔ میں کیس کو اپنے ذمہ تو نہیں لے سکتا۔ اس کے ہوش میں آنے تک ڈرائیور کو جانے نہیں دیا جائیگا قصوروار تو صرف ڈرائیور تھا۔ مگر سب مسافر بھی پریشان تھے۔ نہ کہیں جا سکتے ہیں اور نہ جان چھوٹ سکتی ہے۔

بہرحال اللہ نے کیا اسے ہوش آگیا۔ ہم سب سواریوں نے اس کی منت سماجت کی کہ ڈرائیور کو تیرے ساتھ کوئی ضد نہیں تھی۔ اتفاق سے یہ حادثہ پیش آگیا ہے تُو خدا کے لئے اسے معاف کر دے۔ خدا تجھے اجر دے گا۔ وہ بڑا نیک اور شریف آدمی تھا۔ اس نے کہا جاؤ میں نے معاف کر دیا۔

تب ڈرائیور کی جان میں جان آئی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ میں نے اسے کہا اب خیال کرنا پھر کہیں" بابے دے ہتھ نہ چڑھ جائیں" فِر کدھرے بابا یاد نہ آجاوے۔"

بشرّیتِ انبیاء

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بشرّیت کا جو اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا تھا اسے قرآن مجید اور احادیثِ پاک کی روشنی میں حضرت شیخ القرآن اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر اور سب سے پہلے پیغمبر ہیں۔ ان کی تخلیق سے پہلے نوری اور ناری دونوں قسم کی مخلوق موجود تھی۔ سب سے پہلے خاکی کی تخلیق ہونے لگی تو اللہ نے فرمایا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اللہ تعالیٰ نے نوریوں سے کہا میں زمین میں اپنا نائب پیدا کرنے والا ہوں۔ خلیفہ۔ یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں، میری نیابت کرنے والے ہیں، میرے احکام نافذ کرنے والے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا — میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

یعنی جو پیغمبر آرہا ہے وہ بشر ہوگا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ پاکستانی کہیں گے "اے اللہ تو بشر نہ کہہ۔ اگر تو بشر کہے گا تو "وہابی" طعنہ دیں گے۔ یوں کہہ دے۔ اِنِّیْ خَالِقٌ نُوْرًا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں نور سے نور کو نکال رہا ہوں) ورنہ دیوبندی ہمیں کھا جائیں گے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ نور اور بشر کے جھگڑے ہونگے۔ واہ اللہ! تیرے سمجھانے پر قربان جائیں۔ فرمایا

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا — میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔

اب کہتے ہیں۔ اللہ نے بشر کہا تو ہے مگر "اُتوں اُتوں بشر نیں وِچوں نور ہِن" اسی لئے اللہ تعالےٰ نے وہم کا پردہ بھی چاک کر دیا۔ اور بڑے واشگاف الفاظ میں صراحت کر دی۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ — میں گارے مٹی سے بشر کو پیدا کرنیوالا ہوں

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ — (اے نوری ملائکہ) جب میں اس کا ڈھانچہ بنا دوں پھر اس میں روح داخل کر دوں

فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ — پس سارے نوری مل کر اس بشر کے آگے سجدہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نوریوں کا درجہ کم اور بشر کا درجہ بلند ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ اے ابلیس تم بھی آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ تا کہ ظاہر ہو جائے کہ بشریت کا درجہ اعلیٰ اور ناری مخلوق کا درجہ کم ہے۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ — کہنے لگا۔ نہیں کروں گا۔ بڑا بن بیٹھا

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ — کہنے لگا۔ میرا درجہ اونچا ہے۔ بشریت

نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ — پیغمبر کا درجہ نیچے ہے۔ میں آگ سے پیدا ہوا اور وہ مٹی سے۔

پیغمبر کی بشریت کو گھٹیا سمجھنے والا سب سے پہلا ابلیس ملعون تھا اور پیغمبر کی بشریت کو اونچا کرنے والا اللہ تھا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ — جبرئیل سمیت ہر ایک نوری فرشتے نے سجدہ کیا

دیکھا! اللہ تعالےٰ نے نوریوں سے خاکی کے سامنے سجدہ کرایا۔ جس سے بشریت پیغمبر کا بلند درجہ واضح ہو گیا۔ سب سے پہلے بشریت کا درجہ اور مقام بلند کرنے والی ہستی اللہ کی تھی اور بشریت کے مرتبہ کو کم کہنے والا شیطان ہے۔ اس کے بعد اولادِ آدم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو نوری فرشتوں نے سجدہ کیا! اور اب تم کس کے آگے سجدہ کرو گے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ — نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ

وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ — صرف اللہ کو کرو جس نے ان کو وجود بخشا

ہائے افسوس! لیکن پاکستانی قوم نے خدا کو چھوڑ دیا۔ اور گھوڑوں اور گدھوں تک کو سجدہ کرنے سے گریز نہ کیا۔ پاکستان کے سابق صدر یحییٰ کے متعلق اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی۔ وہ بیمار تھا۔ محرم میں شیعوں نے گھوڑا نکالا تو وہ اس کے نیچے سے گذرا تاکہ شفا ہو جائے۔ یحییٰ نے گھوڑے کو حاجت روا اور شافی الامراض سمجھا۔ میں کہا کرتا ہوں" ایسے بے ایمان صدر پر خدا کی لعنت ہو۔ جس نے خدا

کو چھوڑ کر گھوڑے کو حاجت روا اور مشکل کشا بنا لیا"۔ جب بندہ اپنے مقام سے گرتا ہے تو پھر گھوڑوں اور گدھوں کو بھی حاجت روا بنا لیتا ہے۔

اس جلسہ میں ایبٹ آباد کے کئی آدمی موجود ہوں گے۔ حویلیاں سے کچھ آگے راستے کے کنارے بے شمار جھنڈے لگے ہوئے ہیں۔ جب کوئی کمزور عقیدہ والا نیا آدمی وہاں جاتا ہے تو جھنڈے دیکھ کر سوچتا ہے کہ کوئی بڑا اونچے درجہ والا بابا ہے میں ایک مرتبہ اپنے شاگرد مولانا شفیق الرحمٰن کے ہمراہ وہاں سے گذرا تو وہ کہنے لگے استاد جی آپ کو معلوم ہے یہاں کس کی قبر ہے؟ میں نے کہا میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم چھوڑو اس بات کو۔

گاڑی میں ایک زمیندار بھی بیٹھا تھا۔ میری بات سن کر رہ نہ سکا۔ کہنے لگا مولوی جی آپ کو معلوم بھی ہے یہ گدھا کیسا تھا۔ دیکھا! زمیندار یہ تو تسلیم کر رہا ہے کہ یہاں کوئی ولی اللہ دفن نہیں، گدھا ہی ہے۔ پھر وہ گدھے کی تعریفیں کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ بابا مولوی شفیق الرحمٰن کے ساتھ جھگڑا کرنے کا کیا فائدہ۔ وہ بھی کہتا ہے گدھا ہے اور تم بھی کہتے ہو گدھا ہے۔ تم ساری رات بھی اس کی تعریفیں بیان کرتے رہو، تب بھی آخر وہ گدھا ہی تھا۔ اس میں جھگڑنے کی کونسی بات ہے۔

ہائے میرے اللہ! جب قوم قرآن کو چھوڑ دے تو پھر گدھوں کی پوجا کرے گی اور گھوڑوں کو شافی الامراض سمجھے گی۔ اے اللہ! تو اس قوم کے دلوں میں قرآن کا نور داخل کر دے۔

تمدن، تصوف، تغنی، کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت، خرافات میں کھو گئی — یہ اُمت روایات میں کھو گئی

ان قبروں، ڈھیریوں، گھوڑوں اور گدھوں کو سجدہ کرنے والوں سے پوچھو تو سہی کبھی کسی صحابی نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا آپ کی قبرِ اطہر کو سجدہ کیا ساری کائنات سے بلند و بالا، افضل و اعلیٰ ذات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ان کو تو صحابہؓ سجدہ نہ کریں۔ اور دنیا جہان کی قبروں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ و مقام آپؐ کی قبر مبارک کا ہے، اسے بھی صحابہ سجدہ نہ کریں۔ لیکن ہماری پاکستانی قوم جہاں اونچی قبر دیکھیں اور جھنڈے لہراتے دیکھیں، فوراً اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

کئی کم عقل کہا کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو فرشتوں نے اللہ کے حکم سے سجدہ کیا ہے۔ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہوتا تو فرشتے کیوں سجدہ کرتے۔ اگر فرشتوں کا غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا جائز ہے تو ہم ولیوں کو یا ان کی قبروں کو سجدہ کر لیں تو کیا حرج ہے؟

شیخ نے فرمایا۔ خدا انہیں ہدایت دے اور حقیقت سمجھنے کی توفیق دے یہاں سجدہ کرنے والے نوری تھے اور جسے سجدہ کیا جا رہا تھا، وہ خاکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو آشکار کرنا چاہتے ہیں کہ نوریوں اور ناریوں کا درجہ کم ہے، اور خاکی یعنی نبی کا درجہ بلند ہے۔ جو سجدہ کر رہے ہیں ان کا درجہ اور شان کم اور جس کے سامنے ہو رہا ہے وہ بلند درجہ کے مالک ہیں۔

"انہاں نوریاں دی وی اک پارٹی اے، جیہڑے آکھدے نیں پیغمبر نور وچوں نور نکلیا، اتے وہابی پیغمبر نوں بندہ اننے وڈا بھرا آکھدے نیں۔ ایہہ بے ادب اتے گستاخ ہن"

آؤ، میں قرآن مجید سے اس مسئلہ کو حل کر کے بتاتا ہوں۔ قرآن کہتا ہے یہ عقیدہ سب سے پہلے یہودیوں نے گھڑا کہ ہمارا پیغمبر عزیر علیہ السلام اللہ میں سے نکلا ہے پھر ان کے بعد جب عیسائی آئے تو انہوں نے بھی یہ عقیدہ بنا لیا کہ اگر یہودیوں کا پیغمبر خدا سے نکل سکتا ہے تو ہمارا پیغمبر بھی خدا سے نکلا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ — یہودیوں نے کہا ہمارا پیغمبر، عزیر اللہ سے نکلا۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ — اور عیسائیوں نے کہا ہمارا پیغمبر، عیسٰی اللہ سے نکلا ہے۔

یعنی ساڈا پیغمبر خدا دا بیٹا، خدا دا پتر، خدا وچوں نکلیا'' یہ عقیدہ اس لئے گھڑا گیا کہ جس طرح خدا ہر چیز جانتا اور سنتا ہے۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اسی طرح پیغمبر بھی ہر چیز جانتا اور سنتا ہے، ہر جگہ حاضر و ناظر، حاجت روا اور مشکل کشا ہے لیکن فرق صرف یہ معمولی سا ہے کہ وہ بالذات متصف ہے اور یہ بالعرض۔

جب یہودیوں کے مولویوں اور پیروں نے یہ عقیدہ پختہ کر دیا اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیا تو پھر ترقی کرتے ہوئے یوں کہنے لگے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرَى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ۔ — یہود و نصارٰی نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔

"ویکھیا نے پہلے پیغمبراں نوں اللہ وچوں کڈیا پچھوں آپے وی خدا وچوں نکل آئے"

ہمارے ملک کی نوری جماعت نے سوچا کہ اگر یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبریں

کو خدا سے نکال سکتے ہیں تو ہم پیچھے کیوں رہ جائیں۔ انہوں نے کہا:۔

نُوْرٌ مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ۔ ہمارا پیغمبر بھی اللہ کے نور میں سے نور نکلا ہے۔

ان کے بڑے نے یہ شعر کہا۔

احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کن اور سب کن مکن حاصل ہے یا غوث

خدا سے احمد نکلے اور پھر احمد سے تم نکل آئے۔ خدا بھی کن کا مالک ہے اور تم بھی کن کے مالک ہو وہ بھی مکن کرے اور تو بھی مکن کرے۔

پھر ان کے بعد شیعہ آئے انہوں نے کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبر بھی خدا سے نکلے اور سنیوں نے بھی اپنا پیغمبر خدا سے نکال لیا" اتے پنجتن وی اللہ وچوں نکل آون تاں کے گھاٹا پے وے سی، تے نالے بارہ امام وی کڈو"

ان کے بعد پنجابی آئے تو انہوں نے پیروں کو بھی خدا سے نکال لیا! ور کہا

چاچڑ وانگ مدینہ دسے تے کوٹ مٹھن بیت اللہ

ظاہر دے وچ پیر فریدن تے باطن دے وچ اللہ

یعنی" اتوں اتوں بابا فرید، تے وچوں اللہ" دُر لعنتیو

او سنو! کروڑہا کوٹ مٹھن مل کر بھی بیت اللہ کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اسی طرح ایک چاچڑ نہیں، کروڑوں چاچڑ جمع ہو جائیں تو مدینہ پاک کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ان کفریہ کلمات سے توبہ کرنے کی بجائے کہتے ہیں۔ ہم یہ سب کچھ محبت سے کرتے ہیں۔ اگر تم محبت سے کرتے ہو تو کیا یہودی اور عیسائی دشمنی سے انبیاء کو خدا کا بیٹا کہتے تھے؟ کہتے ہیں ہم تو محبت اور عقیدت سے اولیاء کرام اور ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہودی اور عیسائی

بھی محبت ہی سے انبیاء کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ پھر قرآن نے انہیں کافر کیوں کہا ہے؟

تلہ گنگ کے علاقہ کا ایک دیہاتی اُجڈ بالکل اَن پڑھ تھا۔ اس نے والدہ فوت ہونے کے بعد شادی کی۔ بیوی کو محبت میں کہنے لگا "ماں تینڈا کی حال اے" کسی مولوی نے اس کے یہ الفاظ سن لئے ور اسے کہا۔ ہوش کر کیا کہہ رہا ہے؟ یہ تیری بیوی ہے یا ماں۔ اس نے کہا جب میرا اس کے ساتھ نکاح ہو گیا تو بیوی بن ہی گئی ہے میں تو اسے محبت سے ماں کہہ رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا محبت سے کہہ تو رہا ہے مگر تیرا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ اجڈ کہنے لگا نکاح کیسے ٹوٹ گیا۔ میں تو پیار محبت سے ماں کہہ رہا ہوں۔

اگر محبت میں نبیوں اور ولیوں کو خدا کا درجہ دے دیا جائے۔ تب بھی کفر لازم آتا ہے اور ایمان تباہ ہو جاتا ہے۔

آؤ قرآن سے پوچھیں کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کے متعلق اللہ تعالےٰ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا۔

لَقَدْ کَفَرَ۔ علماء اور طلباء جانتے ہیں۔ علّامہ رضی نے لکھا ہے کہ جس بات کو بطورِ قسم بیان کیا جائے اس سے پہلے لَقَدْ آتا ہے۔ تو اب معنی اس طرح ہو گا خدا کہتا ہے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم! پکے کافر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْمَسِیْحُ بْنُ مَرْیَمَ۔ جو کہتے ہیں خدا وہی ہے جو مسیح بیٹا مریم کی شکل میں آیا۔

جو شخص کہے کہ خدا عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آیا ہے، اسے تو قرآن کافر کہے اور جو آدمی کہے کہ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں آیا۔ تو وہ پھر مسلمان کیوں کر

کہلائے گا۔

ان کا عقیدہ سنو۔ کہتے ہیں :۔

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　　اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

ایسے ہی باطل عقائد کی تردید کرتے ہوئے قرآن مجید نے صحیح عقیدہ کی تشریح و توضیح اس طرح کی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اے میرے پیغمبر اعلان کر دیں، میرا اللہ ایک ہے۔ ایک تو پیغمبر خاتم النبیین بھی ہیں، دوسرا ان جیسی شان والا بھی کوئی نہیں اور ہونے والا بھی کوئی نہیں۔ ایک تو کفر میں فرعون بھی ایک، ابو جہل بھی ایک تھا۔ اور بے ایمانی میں آمر ظلم اور تشدد میں بھٹو جیسا بھی کوئی نہیں وہ بھی ایک تھا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اللہ ایک ہے۔ کیسا ایک۔ اگلا جملہ تفصیلیہ ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ جملہ مفصلہ۔ اللہ ہی صمد ہے۔ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ الذی یصمد الیہ الخلائق فی حوائجھم ومسائلھم۔ (یعنی جس طرف سارا جہان اپنی حاجتوں اور ضروریات میں محتاج ہے) (بخاری شریف حاشیہ ۷۴۳ ج ۲)

شاہ عبدالقادر اَللّٰهُ الصَّمَدُ کا ترجمہ کرتے ہیں " اللہ نرادھار ہے۔ ایک مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ اَللّٰهُ الصَّمَدُ کا ترجمہ کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا شاہ جی! میرے شیخ ترجمہ کرتے تھے۔ اللہ نرادھار ہے

شاہ صاحب نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا۔ شیخ فرماتے تھے "جس کی طرف ہر ایک ہر وقت ہر چیز میں محتاج ہو۔ اور وہ کسی کی طرف کسی چیز میں کسی وقت محتاج نہ ہو" شاہ صاحب اس کی پنجابی میں یوں تعبیر کیا کرتے تھے "جدے باجوں کسے دا کم نہ ٹرے، تے جیدا کم ہر اک دے باجوں پیا ٹرے"۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ   نہ وہ کسی سے نکلا اور نہ اس سے کوئی نکلا۔

تم ذرا سوچو تو سہی اللہ کے حبیب، آمنہ کے لال حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے۔ ساری قریشی قوم خواہ وہ مشرک تھی یا مومن تھی، پیغمبر کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔

آؤ! میں تمہیں ایک اور انداز سے سمجھاؤں۔ سال کے مہینے کتنے ہیں۔ بارہ گیارہ مہینے ایک طرف کر لو۔ اور رمضان المبارک کا مہینہ ایک طرف۔ کیا گیارہ مہینے مل کر رمضان کے مہینہ کے برابر ہو سکتے ہیں؟ وہ بھی مہینے یہ بھی مہینہ۔ لیکن وہ سب کے سب رمضان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سارے قریشی مل کر بھی آمنہ کے لال کے برابر نہیں۔ اور دیکھیں۔ ہفتہ کے دن کتنے ہیں؟ سات۔ کیا چھ دن، جمعہ کے دن کی برابری کر سکتے ہیں؟

سن لو۔ پیغمبر بشر تھے لیکن ان کی بشریت اس قدر اعلیٰ وارفع تھی کہ ان جیسا بشر نہ کسی ماں نے جنا، نہ جنے گی۔ ان جیسا کوئی بشر آیا بھی نہیں اور آنے والا بھی نہیں۔ ؎

آدمیت راز آدمؑ ابتدا   آدمیت را بہ احمد انتہا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ — آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری مانند آدمی ہوں۔

اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ یعنی میں بشر ہی ہوں، مجھ میں الوہیت نہیں۔ تم یہودیوں اور عیسائیوں والا عقیدہ نہ رکھنا۔ میں خدا کا جز نہیں۔ خدا کے نور سے نہیں نکلا۔

نوری مخلوق فرشتوں کی معصومیت اور پیغمبر کی معصومیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ نوری بھی معصوم اور پیغمبر بھی معصوم۔ مگر دونوں میں بلند مقام و مرتبہ نبی کا ہے۔ نوریوں میں معصیت کا مادہ ہی نہیں۔ مگر پیغمبر اس کے باوجود معصوم ہے تو کمال پیغمبر کا ہے۔ اس بات کو مثال سے یوں سمجھو کہ اگر ایک آدمی میں قوت شہوانیہ ہی نہیں وہ اگر پاکباز ہے تو یہ کوئی کمال نہیں۔ ہاں کمال اس کا ہے جس میں یہ قوت ہے مگر اس کے باوجود وہ پاکباز ہے۔ جبرئیل بھی پاک و معصوم ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پاک و معصوم۔ مگر دونوں کے مرتبہ و مقام میں بہت فرق ہے۔

قرآن مجید ایک پیغمبر کی پاکیزہ بشریت کا خاکہ اس طرح کھینچتا ہے۔

قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ۔ — بادشاہ نے پوچھا۔ تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ۔ — سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم ہم نے ان میں کسی بھی قسم کی برائی نہیں دیکھی۔

اس آیت میں مَا نافیہ ہے اور مِنْ سُوْءٍ نکرہ۔ اور نکرہ تحتِ نفی فائدہ عموم کا دیتا ہے۔ اس لئے معنی اس طرح ہو گا۔

حاشاللہ! ہم نے یوسف میں کسی قسم کی کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔

والفضل ما شهدت به اعداءٗ

مزہ تو یہ ہے کہ ملزِم (الزام لگانے والا) خود ملزَم (جس پر الزام لگایا گیا) کی نہ صرف برارت کا اعلان علیٰ رؤس الاشہاد کر رہا ہے بلکہ خود اپنے مجرم ہونے کا اقرار کر رہا ہے۔ آزاد منش اور اونچے طبقے کی عورتیں ہونے کے باوجود شہادت دے رہی ہیں کہ یوسف علیہ السلام بالکل پاک وصاف ہیں، ہم ہی بُری اور ناپاک ارادہ رکھنے والی تھیں۔

قَالَتِ امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔

عزیزِ مصر کی بیوی کہنے لگی اب تو معاملہ کھل گیا۔ سچی بات واضح ہو گئی۔ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا۔ درحقیقت وہ معصوم و بے داغ ہے۔

بہر حال سارے نوری فرشتے مل کر بھی بشریتِ پیغمبر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ غور کریں کہ کوئی پیغمبر کبھی جبرئیل کے دربار میں نہیں گیا لیکن سارے نوریوں کا سردار جبرئیلؑ تمام نبیوں کے دربار میں حاضری دیتے رہے ہے۔ گویا نوری بشر کی خدمت میں حاضری دیتے رہے مگر بشر کسی نوری کے دربار میں کبھی نہیں گیا۔ اور حضور جیسا بشر نہ کوئی آیا ہے، نہ آئے گا۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضورؐ کو بشر کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے اور نور کہنے

میں ادب واحترام پایا جاتا ہے۔ "کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے" بادشاہو۔ اسی وی بشر تے پیغمبر دی بشر" میں کہتا ہوں۔ پیغمبر تو یقیناً بشر ہے۔ کیونکہ قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ مگر ہم بشر ہیں بھی یا نہیں۔ ہم اپنے عمل سے اپنے بشر ہونے کی نفی کر رہے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں جن لوگوں کا کام اغوا کرنا ہو، قتل ہو۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کو بے آبرو کرنا ہو، بدکاری ہو، ڈاکے مارنا، چوری کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، رشوت لینا اور سود کھانا ہو کیا وہ بشر ہیں؟ وہ بشر نہیں بلکہ با شر یعنی شر اور فساد والے ہیں۔ قرآن آواز دیتا ہے:۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا	ان کے دل ہیں مگر سمجھ سے خالی اور
وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ	ان کی آنکھیں ہیں عبرت نگاہی سے
بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ	کوری، کان ہیں مگر حق شنوئی سے
بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ	بہرے۔ یہ تو گویا چوپائے ہیں نہیں
هُمْ أَضَلُّ (الاعراف : ۱۷۹)	بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

یہ تو نرے جانور، نرے ڈنگر، یہ اغوا کرنے والے۔ زنا کرنے والے، ہر قسم کے جرائم کرنے والے۔ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بشر نہیں بلکہ ننگِ بشریت ہیں صحیح بشریت تو پیغمبر کی ہے کہ بشریت ہے مگر بے داغ۔ یہ صرف پیغمبر ہی کی بشریت ہو سکتی ہے جو گناہوں اور عیبوں سے بالکل پاک ہو۔ ہماری بشریت اور پیغمبر کی بشریت میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ مولانا رومی نے اس حقیقت کو کس عمدگی کے ساتھ آشکارا کیا ہے:۔

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند　　　نیستند آدم غلافِ آدم اند

لوگ کہتے ہیں "یہ تو پیغمبر کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں"

ھٰذا بھتان عظیم۔ ھٰذا افک مبین۔ یہ تو بہت بڑا بہتان اور صریح الزام و اتہام ہے۔ ہم تو سراپا خطا کار، گنہگار ہیں۔ ہم میں ہزارہا عیب ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک، منزہ اور صاف تھے۔ اور ایسے پاک کہ دشمن بھی ان کی پاکیزگی کا اعتراف کرتے تھے۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ دشمن ہونے کے باوجود حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگیٔ اخلاق پر یقین رکھتے تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ ان جیسا صادق و امین ہم نے نہیں دیکھا۔ لیکن کیا ہم میں سے بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں گناہوں سے پاک ہوں۔ پھر کس کی مجال ہے کہ پیغمبر کے متعلق کہے کہ وہ ہم جیسے تھے۔ نعوذ باللہ

پیغمبر کی بشریت انتہائی اعلیٰ، اکمل اور ارفع ہے۔ قرآن مجید اس کی خصوصیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	آپ فرما دیجئے کہ میں (نفس) بشریت میں تمہاری طرح ہوں (لیکن) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے۔

یعنی میں صرف بشر نہیں ہوں بلکہ بشر بھی ہوں اور پیغمبر بھی۔ بشریت میں تمہارے جیسا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے تمہارے ماں باپ ہیں میرے بھی ماں باپ ہیں جیسے تمہاری اولاد، میری بھی اولاد، تم بھی خاندان والے، میں بھی خاندان والا وغیرہ لیکن میں اللہ کا جلیل القدر نبی ہوں۔ اس لئے جو شان اور کمال اللہ نے حضور کو بخشا

وہ نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوا نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ پیغمبر کی بشریت کا انکار تو قرآن کا انکار ہے اور قرآن کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

آؤ نوا ڈے بھائی بھائی دا کنڈا وی کڈ چھوڑاں اک واریں" کہتے ہیں پیغمبر کو بھائی کہنا گستاخی اور جرم ہے۔ سنو قرآن کیا کہتا ہے۔

سورۂ ہود، سورۂ شعراء، سورۂ نمل دیکھ لو۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ - اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ - اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صَالِحٌ - اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ - قرآن، پیغمبروں کو کافروں کا بھائی کہہ رہا ہے۔ کیا نعوذ باللہ تم اللہ کی ذات پر بھی فتویٰ لگاؤ گے؟ "ہُن لگاؤ نا فتویٰ جنے دے پتر ہنو" وہ ساری قوم مل کر بھی پیغمبر کی گرد راہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتی تھی مگر اللہ انہیں کافروں کا بھائی کہہ رہا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اعبدوا ربکم و اکرموا اخاکم — عبادت اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔

ساری عبادتیں رب کی کرو۔ سجدے بھی، مرادیں مانگنا بھی، منت منوتی بھی سب اللہ سے ہوں۔ پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا اللہ ہے، اسی کی عبادت کرو۔ و اکرموا اخاکم۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بھائی ہیں، ان کی تعظیم و تکریم کرو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ — سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں

پیغمبر ہوں یا دوسرے مومن ہوں، سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ البتہ درجہ اور رتبہ کا فرق ضرور ہے۔ کسی کا درجہ بہت ہی اونچا ہے۔ کسی کا درجہ تھوڑا بلند ہے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس قدر اونچا ہے کہ اس تک نہ کسی کی رسائی ہوسکی ہے اور نہ قیامت تک ہوسکے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! سارے انبیاء علیہم السلام میرے بھائی ہیں۔

اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

زید اخونا ومولانا — زید ہمارے بھائی اور دوست ہیں

حضرت عمر فاروق رضؓ عمرہ کرنے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ انہیں مخاطب کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یا اخی لا تنسنا فی دعائك — اے میرے چھوٹے بھائی وہاں دعاؤں میں ہمیں یاد رکھنا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

وددت انا قد رأینا اخواننا — میرا جی چاہتا ہے قیامت کے دن میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔

مسند احمد ج ۲ صفحہ ۳

صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ السنا اخوك (کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟) حضورؐ نے فرمایا۔ تم میرے بھائی بھی ہو۔ لیکن تم صحابہ ہو۔ تم میرے ساتھی ہو۔ پنجابی معنیٰ سنگی ہو۔ میرے بھائی وہ ہوں گے جنہیں میں نے نہیں دیکھا جی چاہتا ہے قیامت کے دن ان کے دیکھنے کا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں :-

میری جوانی کا دور تھا میری تقریر بعض مخالف مولوی اور پیر بھی چھپ کر سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میری تقریر میں ایک پیر بھی آگیا۔ اس تقریر میں مَیں نے کلمہ شہادت کا معنیٰ لوگوں کو سمجھایا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد اعبده ورسوله -

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں)

میں نے کہا۔ اس کلمہ میں پہلے آیا عبدہٗ۔ عبدہٗ مائی آمنہ کے ہاں پیدا ہوئے عبدہٗ مائی حلیمہ کا دودھ پیتے رہے۔ عبدہٗ مائی شیمہ کے ساتھ بکریاں چرانے جاتے رہے۔ عبدہٗ مکہ کی پہاڑیوں میں بکریاں چراتے رہے۔ عبدہ جوان ہوئے۔ عبدہٗ نے شادیاں کیں۔ عبدہٗ بیٹوں اور بیٹیوں والے بن گئے۔ عبدہٗ ابوطالب کے بھتیجے بنے۔ عبدالمطلب کے پوتے بنے۔

چالیس سال کے بعد خدا کا پیغام لیا۔ تواب وہ رسولہٗ بھی بنے۔ تو عبدہٗ پہلے تھے پھر رسولہ بھی بنے۔

مکہ والوں نے کہا۔ ہم عبدہٗ تو مانتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے سامنے پیدا ہوئے آپ کی ساری زندگی ہمارے سامنے رہے۔ اس لئے ہم عبدہٗ تو ضرور مانتے ہیں مگر رسولہ نہیں مانتے" اتے "نوریاں" دا وڈا آبا۔ ان نے کہیا۔ اسیں عبدہٗ نہیں مندے یاں۔ رسولہٗ مندے یاں"۔

یہ پیر سرگودھا کے علاقہ کا تھا۔ کہنے لگا" ساڈی تبے گل ہوئی۔ اسیں تے

مارے گئے کہ کلمہ وی ساڈے خلاف اے" مریدوں کو کہنے لگا تم پڑھا کرو اشہد ان محمدا نورہ و رسولہ۔ یہ ہے ضد کہ خود تو بدلنے کا نام نہیں لیتے مگر کلمہ کو بدل رہے ہیں۔ تاکہ ہماری عزت رہ جائے۔ ایمان رہے نہ رہے مگر یہ جھوٹی عزت رہ جائے۔

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صَنَم کدہ ہے جہاں لا الہ الّا اللہ

(اقبالؒ)

مروّجہ صلوٰۃ وسَلام

بدعتی علماء نے علماء دیوبند کے خلاف ایک بے سروپا پروپیگنڈہ مہم چلا رکھی ہے کہ "یہ درود کے منکر ہیں اور لوگوں کو درود پڑھنے سے منع کرتے ہیں" حالانکہ کسی مسلمان کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ درود نہ پڑھے یا کسی کو پڑھنے سے منع کرے۔ جب کہ علماءِ دیوبند نہ صرف خود اس پر عامل ہیں۔ بلکہ فضائل درود شریف پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔

اس ضمن میں حضرت شیخ نے فرمایا:۔

یہ لوگ الزام وبہتان لگاتے ہیں کہ دیوبندی درود کے منکر ہیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ جتنے نمازی مسجدوں میں آتے ہیں کیا یہ درود نہیں پڑھتے۔ بلکہ اس وقت نماز کی تکمیل ہی نہیں ہوتی جب تک درود شریف نہ پڑھیں۔ اور درود پڑھے بغیر نماز سے فارغ ہی نہیں ہوسکتے۔ اور نہ سلام پھیر سکتے ہیں۔ جب تک محسنِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالت پناہ میں درودشریف کا نذرانہ پیش نہ کریں۔ نماز کے علاوہ بھی درودشریف کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ درودشریف وہ افضل ہے جو حضورؐ سے روایت کیا گیا ہو اور سب سے افضل یہ درود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علیٰ محمد وعلی آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ یہ درودشریف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے صادر ہوا۔ اور عرشِ معلّٰی سے نازل ہوا۔ صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ اے اللہ کے پیغمبر ہمیں سلام پڑھنے کا طریقہ تو معلوم ہو گیا السلام علیک ایّھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علینا وعلی عبادِ اللہ الصالحین۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کیف نصلی علیک (درودشریف کیسے پڑھیں) چنانچہ اللہ تعالےٰ نے عرش سے وحی بھیجی۔ میرے پیغمبر اپنی امت کو درودشریف کے یہ کلمات سکھا دیں۔ اللھم صل علی محمد الخ کتنا مقدس اور متبرک درودشریف ہے یہ جو اس امت کو عرشِ عظیم سے ایک عظیم الشان تحفہ کے طور پر ملا ہے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ اے اللہ اپنی بے بہا رحمتیں نازل فرما۔ یا اللہ اپنی رحمتوں کی بارش برسا اس پاک ہستی پر جس کا نام نامی اور اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اور اس پاکیزہ ہستی کی آل پر بھی۔ یہاں بھی یار لوگوں نے خیانتِ مجرمانہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اور کہا کہ آل

میں صرف پانچ تن پاک شامل ہیں۔ یہ خیانت اس طرح کی گئی کہ بیٹیوں میں سے صرف ایک بیٹی لے لی اور تین کو چھوڑ دیا۔ دامادوں میں سے دامادی کا ڈبل شرف حاصل کرنے والے عثمان ذی النورین کو چھوڑ دیا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے لیا۔ نواسوں میں سے حسن حسین رضؓ کو لے لیا اور اس طرح حضورؐ سمیت پانچ تن پاک قرار دے دئیے حالانکہ آل میں وہ ساری مقدس ہستیاں شامل ہیں جو پیغمبر کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے خواہ وہ مرد تھے یا عورتیں۔ اور جنہوں نے پیغمبر کی ذاتِ گرامی سے دین حاصل کیا اور ہم تک پہنچایا، وہ ایک لاکھ کئی ہزار صحابۂ کرام جنہوں نے پیغمبرؐ سے قرآن حاصل کیا اور ہم تک پہنچایا وہ سارے آلِ محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔

اس مقدس درود شریف میں پیغمبرؐ کا حق بھی ادا ہو گیا اور پیغمبر کے صحابہ رضؓ کا حق بھی ادا ہو گیا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس درودِ پاک کو کوئی گویا گانے کی طرز پر گا نہیں سکتا تھا۔ اس لئے یار لوگوں نے اس میں قطع و برید کر کے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا دیکھ لیجئے۔ کتر بیونت کرنے والے یار لوگوں نے کس عمدگی کے ساتھ اللّٰھم صل علی محمدؐ کے پاکیزہ الفاظ کو کاٹ پھینکا۔ اور لفظ آل کو نکال کر صحابہ رضؓ کو بھی چھوڑ دیا۔ اور یوں پڑھنا شروع کر دیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ۔ صل علیٰ رسولنا۔ صل علی حبیبنا۔

میں پوچھتا ہوں کیا یہ الفاظ کسی حدیث میں آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے یہ الفاظ کبھی صادر ہوئے۔ یا صحابۂ کرام نے یوں پڑھا۔ یا

اس طرح کا درود پڑھنے کو فرمایا۔ حدیث کی کتابوں کے سارے ذخیرہ میں کوئی ایسی حدیث دکھا دو جس میں پیغمبرِ خدا یا صحابہ رضؓ کا عمل یا حکم ہو کہ تم یہ درود پڑھا کرو صل علی رسولنا اور الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ ۔ جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں درود نہ پڑھا نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے نہ یہ درود پڑھا، نہ یہ پڑھنے کا حکم دیا۔ تو کیوں قوم کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ جس من گھڑت جملے کی کوئی اصل ہی نہیں، اسے درود کا درجہ دے کر بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور جو درود شریف عرش سے آیا ہے اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

ارے تم تو عاشقِ رسول ہونے کے واحد دعویدار بنتے ہو۔ کیا عشق و عظمتِ رسول کا یہ تقاضا نہیں کہ تم وہی درود پڑھو جو زبانِ پاکِ مصطفےٰ ﷺ سے ادا ہوا ہے؟

حاشیہ شاہ عبدالقادرؒ

شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے جلیل القدر صاحبزادوں کا ذکرِ جمیل آیا تو حضرتِ شیخ فرمانے لگے "یہ تھے علماءِ ربانیین، میں بھی انہیں کے جوتوں کی خاک ہوں۔ لوگ کہتے ہیں مولوی غلام اللہ ولیوں کو نہیں مانتا۔ میں کہتا ہوں یہ اولیاء اللہ کی جماعت تھی۔ غلام اللہ ان کے جوتوں کی خاک بننا اپنے لئے سعادت دارین سمجھتا ہے۔"

ولی اللہ وہ ہوتے ہیں جن کی زندگی قرآن کے مطابق اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہو۔ اور جن کی زندگی قرآن کے صریحاً خلاف ہو اور اس میں سنت کی بو تک نہ ہو اور نرا شرک ہی شرک ہو۔ ایسے بے دینوں کو غلام اللہ

ولی ماننے کے لئے قطعًا تیار نہیں۔ یہ ولی الرحمٰن کی بجائے ولی الشیطٰن ہیں۔ ولی اللہ ہونا تو دور کی بات ہے میں تو ایسے لوگوں کو انسان ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی ضمن میں حضرت شیخ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى   مشرکہ عورت سے نکاح نہ کرو یہانتک کہ

يُؤْمِنَّ۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷)   وہ ایمان قبول کرلے۔

اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا حاشیہ سنایا۔ جس کے باعث بعض دیوبندی علماء بھی شیخ کو "متشدد" کا خطاب عطا فرمایا کرتے تھے۔ حاشیہ یہ ہے:۔

"پہلے مسلمان اور کافر میں نسبت ناتا جاری تھا۔ اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد یا عورت نے شرک کیا تو ان کا نکاح ٹوٹ گیا۔ شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے۔ یا وہ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ ہمارا بھلا یا برا اس کے اختیار میں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کریں۔ مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر"

شیخ نے فرمایا۔ واہ واہ شاہ عبدالقادر اللہ تیری قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے یہ تھے علماء ربانیین جنہوں نے حق بیان کرنے میں نہ عوام کی مخالفت کی پرواہ کی اور نہ ہی حکومت وقت کو خاطر میں لائے۔ حالانکہ اسی جرم بے گناہی میں انتہائی کس مپرسی کے عالم میں شاہ عبدالقادر کو پا پیادہ دہلی سے نکال دیا گیا تھا۔ سواری تک چھین لی گئی اور اسی سفر میں گرمی کی شدت کے باعث بینائی سے محروم بھی ہو گئے تھے۔

حاشیہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"عورت یا مرد نے شرک کیا" مثلاً مرد اور عورت دونوں صحیح العقیدہ تھے لیکن عورت خاوند سے کہتی ہے میں داتا دربار گئی تھی۔ وہاں سلام کیا، سجدے بھی کئے چماں چٹی بھی کی، غیر اللہ کی نذر نیاز کا دودھ بھی خوب پیا۔ دل بڑا خوش ہوا تو اس شرک کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔

خدا کہتا ہے میری صفت کسی غیر میں سمجھنا۔ ناقابلِ معافی جرم ہے! اور شاہ عبدالقادر رح کہتے ہیں" خدا کی صفت کسی غیر میں جانے۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ وہ ہر بات جانتا ہے" ہر بات جاننے والا صرف اللہ ہی ہے۔ اگر کوئی کہے "جی نہ بادشاہو ساڈے پیر وی ہر گل جاندے نے" تو وہ مشرک ہو گیا۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے شیخ نے فرمایا۔ کسی زمانہ میں ملتان گھنٹہ گھر کے پاس میری تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ وہاں ایک تقریر میں میں نے شاہ عبدالقادر کا حاشیہ سنایا۔ سنانے کی دیر تھی کہ لڑائی مار پٹائی شروع ہو گئی اور چاقو چلنے لگے۔ میں نے کہا اب ہمارا کام بن گیا ہے مسئلہ بھی تب کھلتا ہے جب لڑائی ہو۔ شیطان ایسے مواقع کی انتظار میں ہوتا ہے کہ جب صاف صاف مسئلہ بیان کیا جائے تو پھر لوگوں کو خوب لڑاتا ہے۔

بہر حال میں حسب معمول صبح حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب کا ایک بوڑھا ملازم نور محمد تھا۔ اس نے شاہ صاحب کے پاس مجھے دیکھا تو مصنوعی طور پر دھڑام سے گر گیا۔ شاہ صاحب کہنے لگے" او نور محمدا کی ہو گیا ای" وہ کہنے لگا" شاہ جی، شاہ جی، ایہہ جیہڑا مولوی پنڈی والا تساڈے کول بیٹھا ہویا اے ان نے راتیں کنے ہی نکاح تڑوا دتے نے"

شاہ صاحب کتنے بلند فہم و ذکار کے مالک تھے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ سنایا ہے؟ میں نے کہا۔ جی ہاں سنایا تو ہے شاہ صاحب کہنے لگے پھر کیا ہوا۔ میں نے کہا "پھر چاقو چلے و رخوب چلے" شاہ صاحب نے کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ غلام اللہ خان تین مرتبہ ملتان میں تقریر کر چکا ہے۔ مگر شاہ عبدالقادر صاحب کا حاشیہ کیوں نہیں سنایا۔

شاہ صاحب پھر نور محمد سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے "سن رے نور محمد افر کی ہویا" بابا نور محمد کہتا ہے۔ شاہ جی حاشیہ کیا سنایا لوگوں کے نکاح ہی توڑ دئے میں بھی حیران پریشان گھر گیا کہ "ساڈا وی نکاح رہا ہے کہ نہیں" گھر گیا تو بیوی سوئی ہوئی تھی۔ اسے اٹھایا اور بتایا "پنڈیوں اک مولوی آیا اے، اتنے سارے نکاح توڑ دتے نیں۔ پتہ نہیں مینڈا نکاح وی ریا یا نہیں" بیوی کہتی ہے۔ چھوڑو۔ چھوڑو تنگ نہ کرو، مجھے سونے دو۔" میں نے کہا "نہ، نہ اج رانیں کئی نکاح ٹٹ گئے نے" میرا عقیدہ تو میرے پیر عطاء اللہ شاہ والا ہے۔ اگر تیرا عقیدہ یہ نہیں تو پھر تیرا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے۔ وہ کہنے لگی میرا عقیدہ بھی تیرے پیر والا ہی ہے۔

بابا نور محمد کی باتیں سن سنکر شاہ صاحب خوشی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے خوشی میں کہتے۔ "نور محمد افر کی ہویا سی" شاہ صاحب کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

نیازاتِ غیراللہ

شیخ نے فرمایا جن دنوں صدر ایوب نے مجھے دریا میں نظر بند کر دیا تھا۔ ایک دن وہاں میں نے قریشِ مکہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کا بطلان بیان کیا جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ	مشرکین نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی
الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا	اور جانوروں کے حصے بنا لئے۔
فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ	اور کہا کہ یہ حصہ اللہ کا ہے۔ اور
وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا	یہ ہمارے حاجت رواؤں کا ہے

مشرک خدا کو مانتے تھے۔ جبھی تو اس کے نام کا حصہ نکالتے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ ہی انہوں نے کچھ بزرگوں کے نام کے بت بنا رکھے تھے۔ ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رکھا تھا۔

وہ کہتے تھے اے اللہ ہم تجھے بھی مانتے ہیں اس لئے تیرے نام پر بھی دے رہے ہیں لیکن ہم تیرے پیاروں یعنی پیروں، فقیروں کے بھی ماننے والے ہیں۔ اس واسطے غلہ، بکرے چھترے کجھ تیرے نے تے کجھ پیراں فقیراں دے"

ان کی مزید کاروائی قرآن بیان کرتا ہے:-

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ	تو جو حصہ ان بزرگوں کے نام کا ہوتا تھا
اِلَى اللّٰهِ	اس سے اللہ والے حصہ میں نہیں جا سکتا تھا

آجکل جیسے اگر کسی جگہ پر دینے کی منت مانی ہو یا نذر نیاز۔ تو وہیں پر لے جائیں گے

اور کہیں گے " ایہہ نہ اُناں پیراں دی چیز اے " محلے پڑوس یا عزیز و اقارب میں کوئی کتنا ہی ضرورتمند کیوں نہ ہو، اسے نہیں دیں گے۔ اور مزاروں پر چاہے بھنگ چرسی ہی کیوں نہ ہوں۔ انہیں کو دے گا

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى — اور جو اللہ کے نام کا ہوتا ہے وہ

شُرَكَآئِهِمْ۔ — ان شریکوں کے حصہ میں مل جاتا ہے

اللہ کا حصہ پیروں کو دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ مگر اس کے برعکس نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ — ان کا یہ فیصلہ کتنا بُرا ہے۔

جب میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تو ایک آدمی کہنے لگا ایسا تو میں بھی کئی سالوں سے کر رہا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگا میرا کنواں ہے۔ میں نے اپنے کھیت کی کچھ کیاریاں اللہ کے نام کی نذر کر رکھی ہیں اور کچھ پیران پیر کی (یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام کی) اور میں نے بیٹوں سے کہہ رکھا ہے کہ اللہ کے نام والی کیاریوں سے اگر بھینس کچھ کھا لے تو وہ بے نیاز ہے۔ کچھ نہیں کہتا خیر ہے لیکن خیال رکھنا جو کیاریاں گیارہویں والے کے نام کی ہیں ان میں سے کوئی جانور ہرگز نہ کھائے۔ ورنہ وہ تمہارا بیڑہ تباہ کر دیں گے۔ میں نے اسے کہا یہ تو شرک ہے۔ اور ابوجہل بھی تو ایسا ہی کیا کرتا تھا۔

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ٥ (الانعام : ۱۳۷)

خدا کے دئے ہوئے مال میں نبیوں، ولیوں اور بزرگوں کو بھی حصہ دار بنا لیا تھا جس کی تردید اور ابطال کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ تاکہ لوگ صرف اور صرف خدا ہی کے نام کی نذر و نیاز اور منت منوتی مانیں۔

نائی وہابی ہوگیا

شیخ نے ایک تقریر کے دوران فرمایا۔ ہم سید عطاء اللہ شاہ صاحب سے سُنا کرتے تھے کہ کسی مولوی نے ہندو دکاندار سے چینی مانگی اس نے کہا پیسے دو اور چینی لو۔ مولوی نے کہا۔ چینی دے دو، ورنہ پھر افسوس کرو گے۔ ہندو نے کہا بغیر پیسے کے چینی کسی صورت نہیں ملے گی۔ ہندو کا خیال تھا کہ خان اور ملک سب میرے ساتھ ہیں مولوی میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

چنانچہ مولوی نے اعلان کر دیا کہ فلاں بنیا وہابی ہو گیا ہے کوئی مسلمان اس کی دکان سے سودا نہ خریدے۔ لوگوں نے اس سے سودا خریدنا چھوڑ دیا۔ اور اس سے مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ اور اس سے کہا۔ "اچھا کافر تو وہابی ہو گیا ہیں"

یہ تو ہم شاہ صاحب سے سُنا کرتے تھے لیکن ابھی چند دنوں کی بات ہے۔ مجاہد فلور ملز کے مالک حاجی محمد طارق نے مجھ سے بیان کیا کہ ڈھوک رتہ راولپنڈی کی ایک مسجد کا مولوی تقریر میں اکثر قصے کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نائی نے اس سے کہا مولوی صاحب! قصے کہانیاں تو ہم بہت سن چکے ہیں کبھی قرآن بھی سنا دیا کرو۔ اس نے تقریر روک دی اور یوں گرجا! او نائیا! تینوں کی لگے قرآن نال، توں کھتوں آگیا ہیں قرآن سنن والا" مولوی نے لوگوں سے

کہا: یہ نائی وہابی ہو گیا ہے۔ خبردار کوئی اس سے حجامت بنوائے۔" حاجی طارق نے بتایا کہ رنتہ میں اگر کسی آدمی کو "سکھ" کہہ دیا جائے تو برداشت کر لیا جاتا ہے مگر وہابی کا لفظ قطعاً گوارا نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ نائی غریب دکان پر بیٹھا سارا دن مکھیاں مارتا رہتا تھا اور کوئی بھی آدمی اس کے پاس حجامت بنوانے نہ آتا تھا۔

پھر کسی آدمی کے دل میں خدا کا خوف آیا اور اس نے مولوی سے کہا کہ تم نے اس غریب کا کاروبار ہی بند کر دیا ہے۔ اعلان کرو کہ وہ وہابی نہیں ہے۔ تب مولوی نے اعلان کیا کہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ فلاں نائی وہابی نہیں ہے۔ اس سے حجامت بنوا لیا کریں۔ اس کے بعد لوگوں نے بائیکاٹ ختم کر دیا۔

رضاخانی جماعت کا دجل و فریب

جب شیخ القرآن نے پورے ملک میں دین فروش علماء اور جاہل پیروں کے مشرکانہ عقائد کو طشت ازبام کر دیا اور ان کی ایجاد کردہ بدعات کی تاریکی شمعِ توحید و سنت کی ضو فشانی سے دور ہونے لگی اور موصوف کی مجاہدانہ تقریروں نے خرمنِ باطل کو حق کی شعلہ نوائی سے بھسم کر دیا تو علماءِ سُو نے سیخ پا ہو کر ایسا طوفانِ بدتمیزی بپا کیا کہ الامان والحفیظ۔

شیخ کی عالمی شہرت کو داغدار کرنے، عالمِ اسلام میں ان کی حیثیت کو کم کرنے اور عوام میں بدنام کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ من گھڑت الزامات اور کذب و افترا کا بازار گرم کر دیا۔ موصوف کو جادۂ حق سے ہٹانے کے لئے اپنے ترکش کا آخری تیر تک چلا دیا لیکن وہ ہمیشہ اپنے لگائے ہوئے دام کا خود شکار ہوئے جھوٹ اور فریب کی دلکش بنیادوں پر استوار کی ہوئی پروپیگنڈہ مہم آخر کار انہی کی تذلیل کا موجب بنی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کی پُر فریب حرکات کبھی بھی کامیابی سے

ہمکنار نہ ہو سکیں۔ اسی حقیقت کو شاعر نے حسنِ انداز سے اس طرح بیان کیا ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد   کسے کو تُف زند ریشش بسوزد

علماءِ سُو کی ایسی ہی شاطرانہ چالوں کا شاہکار ۱۹۵۲ء میں ہری پور سے شائع ہونے والا ایک اشتہار بھی تھا جس کا عنوان تھا "مولوی غلام اللہ خان اور اس کے عقائد اور اس کی جمع کردہ تفسیر بلغۃ الحیران علماءِ دیوبند کی نظر میں"

یہ اشتہار افترا اور بہتان طرازی میں لاجواب اور جھوٹ کا پلندہ تھا جس میں تفسیر بلغۃ الحیران کی بعض عبارات میں پیوند کاری کر کے خود ساختہ فتویٰ مشتہر کیا گیا تھا۔ کہ علماءِ دیوبند کے نزدیک مولوی حسین علی اور ان کے شاگردوں کے عقائد معتزلہ والے ہیں۔ نیز مولوی حسین علی اور مولوی غلام اللہ خان نہ تو بریلوی ہیں اور نہ ہی دیوبندی"

اس اشتہار کا دنداں شکن جواب شیخ القرآن کے شاگردِ رشید ملا غلام مصطفےٰ نے شائع کیا اور مزید تدارک کے لئے شیخ نے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان کو بلا کر ہری پور میں تقریر کرائی۔ جس میں موصوف نے اشتہار میں شائع شدہ فتویٰ کو بے بنیاد اور من گھڑت قرار دیا اور اس کی بہ زور تردید فرمائی۔ اور حضرت مولانا حسین علی اور شیخ القرآن کے حق پرست ہونے اور توحید خالص کے علمبردار ہونے کی تصدیق و توثیق فرمائی۔

اس کے بعد چار سال تک بریلویوں کے منہ پر مہر سکوت لگی رہی۔ بعد ازں ۱۹۵۶ء میں جب پشاور میں بریلوی عبدالرؤف نے شیخ القرآن پر قاتلانہ حملہ کیا اور اس پر عدالت میں مقدمہ قائم ہوا تو اس کی تائید میں بریلویوں نے وہی اشتہار

عدالت میں پیش کیا چنانچہ اس کے جواب میں حضرت شیخ نے عدالت میں کہا کہ میں ان لوگوں کو چیلنج دیتا ہوں کہ میرے مرشد مولانا حسین علی اور مجھ پر جو فتویٰ علماءِ دیوبند سے منسوب صادر ہونے کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کی اصل قلمی کاپی عدالت میں پیش کریں لیکن میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا چنانچہ دو مرتبہ عدالت سے مہلت حاصل کرنے کے باوجود اصل فتویٰ پیش نہ کر سکے۔ اس طرح ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک ہو گیا اور وہ پورے ملک میں رسوا اور ذلیل ہوئے۔ اس کے بعد شیخ القرآن نے "ایک حقیقت کا انکشاف" کے عنوان سے مدلل اور مسکت جواب شائع کیا۔[۱]

نیز شیخ القرآن نے علماءِ دیوبند کے وہ صحیح اور اصل فتوے عدالت میں پیش کر دیئے جو ان کی اور مولانا حسین علی رح کی تعریف و توصیف پر مبنی تھے۔ ہم ان کی نقول ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۶۲ سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین کہ بعض علماء اور سجادہ نشین اور ان کے کہنے سے عوام الناس مولانا حسین علی ساکن واں بھچراں کو وہابی کہتے اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن علماء یا عوام کا ان سے بیعت کا تعلق ہے ان کے پیچھے نماز، جنازہ وغیرہ جائز نہیں ہے۔ کیا موصوف واقعی وہابی ہیں؟ بنائً علیہ ان کے مرید بھی وہابی ہیں اور ان سے تعلقاتِ اسلامیہ ناجائز ہیں۔ یا۔

---

[۱] ماہنامہ تعلیم القرآن۔ جنوری ۱۹۵۹ء، ستمبر ۱۹۶۲ء

موصوف حنفی قابلِ بیعت ہیں اور ان سے اور ان کے مریدین سے قطعِ تعلق حرام ہے؟
اگر واقعی وہابی نہیں تو ان کو مع ان کے مریدین کے وہابی کہنے اور بُرے الفاظ
سے یاد کرنے والوں کا شرعاً مذہبِ حنفی کے مطابق کیا حکم ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ۵۲۵

مولانا حسین علی صاحب موصوف حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ گنگوہی کے شاگرد ہیں اور حنفی بزرگ، متبعِ شریعت، بدعت و ضلالت کو مٹانے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتی لوگ ان کے مخالف اور سخت دشمن ہیں۔ ان کو بُرے الفاظ اور القاب سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو بدعتیوں کے اقوال سے متاثر ہونا اور مولانا حسین علی صاحب سے بدظن ہونا ہرگز ہرگز نہیں چاہیئے۔ ان سے بیعت ہونا موجبِ خیر و برکت ہے! و ران سے اور ان کے مریدین سے قطعِ تعلق کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ ان کو وہابی کہنے والے سے علیحدگی اور بے تعلقی لازم ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔

فقط واللہ اعلم

(مہر دارالعلوم دیوبند)

مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح بندہ محمد شفیع دیوبندی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

بے شک مولانا حسین علی صاحب ایک جیّد عالم، متبع شریعت، بدعت و ضلالت کے مٹانے والے ہیں۔ ان کو بُرا کہنے اور ان کو وہابی کہہ کر بدنام کرنے والے گنہگار ہیں۔

کفایت اللہ (مفتی اعظم ہند)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی۔

مجھے یہ پڑھ کر بڑا افسوس ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب اور انکے مریدین کے متعلق یہ غلط پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ علماءِ دیوبند نے ان پر کفر واعتزال کا فتویٰ دیا ہے۔ حالانکہ علماءِ دیوبند ہیں سے حضرت موصوف وغیرہ کے متعلق کسی نے بھی کفر وغیرہ کا فتویٰ نہیں دیا۔ یہ محض افتراء اور بہتان ہے جو ان لوگوں کی عادتِ قدیمہ ہے۔ ہم مولانا حسین علی صاحب کو اپنا بزرگ مانتے ہیں۔

مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ

سوال :۔ بخدمتِ اقدس مکرمی و معظمی حضرت مولانا مفتیِ اعظم ہند۔ مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد ما وجب آنکہ عرض ہے کہ احقر بالکل خلوص نیت اور ذاتی اصلاح و دلجمعی کی غرض سے مندرجہ ذیل استفتار کے جواب کا متمنّی ہے۔ اس سے قطعی طور پر کسی مخالف کی تردید یا اس پر اعتراض کی غرض نہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ حضور والا ان ہر دو سوالات کے بالتفصیل جوابات تحریر فرما کر ممنون فرمائیں گے اور طالبِ حق کو صراطِ مستقیم دکھا کر ثوابِ دارین حاصل کریں گے۔

(۱) مولانا حسین علی صاحب (جو حضرت گنگوہی کے خلفاء میں سے ہیں۔ اور جنہوں نے کتاب بلغۃ الحیران بھی تصنیف فرمائی ہے جس کے بعض مقامات پر بعض حضراتِ دیوبند نے اعتراضات بھی کئے ہیں) ان کے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کے متعلق شرعی امر بیان فرمایا جائے۔

(۲) مولانا حسین علی موصوف یا ان کے رفقاء اور وہ صاحب جو اپنے آپ کو

دیوبندی کہنا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجازاً شافی الامراض، دافع البلیات مشکلات وغیرہ بذریعہ عام تقاریر ثابت کرتا ہو، ان ہر دو میں سے از روئے شریعت اقدس، کس کی جائز ہے یا کس کو ترجیح دی جائے۔

خادمکم احقر محمد دین عفی عنہ راولپنڈی ۲ رمضان ۱۳۶۲ھ

الجواب

(۱) مولانا حسین علی صاحب مرحوم ایک جید عالم، متبع شریعت تھے۔ ان کی اتباع کرنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے بھی متبع شریعت ہی ٹھہرائے جائیں گے۔ اور ان کی اقتدا کرنے والے صدق دل سے بھی متبع شریعت ہی ہوں گے۔ مولانا حسین علی صاحب کی کتاب کے بعض مقامات پر بعض علماء کا معترض ہونا ان کے عالم اور متدین ہونے میں حارج نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ کاتب کی غلطی ہو۔ یا مطالعہ کرنے والوں کی فہم کی کمی ہو کہ جس کی وجہ سے مولانا مرحوم کی عبارت کے معنی و مقصود تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ اگر یہ دونوں احتمال نہ ہوں تو مولانا مرحوم کے سہو و نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ سہو و نسیان سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی نہیں بچے ہوئے۔ مگر سہو و نسیان ان کی شان نبوت اور مراتب عالیہ میں تنقیص کا موجب نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم

(۲) اِن امورہ مذکورہ کا ثابت کرنا بطور مجاز کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے۔ مگر عوام الناس میں اس کا بیان کرنا درست نہیں۔ کیونکہ عوام الناس اس کے سمجھنے سے قاصر و عاجز ہوتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی بہ حکم مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب

سوال :- ہمارے علاقہ کے شمالی حصہ میں ایک بہت بڑے عالم حضرت مولانا غلام اللہ خان ہیں جو کتاب و سنت کی روشنی میں شرک و بدعت کی تردید فرماتے ہیں اکثر اہل اہواء، پیرانِ بدخو، علماءِ سوء ان کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کو وہابی کہتے ہیں کبھی کبھی آپ کی طرف سے عوام میں یہ مشہور کر دیتے ہیں کہ دیکھو حضرات علماءِ دیوبند سلمہم اللہ تعالےٰ نے ان کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ حالانکہ مولانا موصوف حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے تلمیذِ رشید ہیں اور حال ہی میں رسالہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا مذکور کی تعریف بھی لکھی دیکھی ہے۔ اور پچھلے سال مولانا قاری محمد طیب صاحب پاکستان تشریف لائے تھے تو آپ نے راولپنڈی میں مولانا موصوف کے ہاں ہی قیام فرمایا تھا۔

تو اس صورتِ حال کی بنا پر تعجب ہوتا ہے کہ دونوں باتوں میں سے کونسی صحیح ہے۔ یا یہ لوگ (علمائے بریلوی) اپنے پیشوا کی تقلید کرتے ہوئے غلط بیانی سے کام لے کر مطلب حل کرا لیتے ہیں۔ جیسا کہ احمد رضا خان نے علمائے حرمین الشریفین سے غلط بیانی کی صورت میں حضرات علماءِ دیوبند رحمہم اللہ تعالےٰ کے خلاف فتویٰ شائع کر دیا تھا۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو آپ کو ان کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا نہیں تو صحیح معلومات بہم پہنچا دیں کہ مولانا موصوف کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔

ہذا من عندی۔ فقط والسلام مع الاکرام۔ المستفتی خادم اہل اللہ قریشی امداد اللہ شاہ عفا اللہ عنہ نقشبندی۔ ناظم اعلیٰ اہل سنت والجماعت۔ موضع مڈھ۔ ڈاکخانہ صدر۔ شاہ پور۔ ضلع سرگودھا۔

الجواب[۴۵۸]

مولانا غلام اللہ خاں صاحب دیوبندی عقیدہ کے ہیں۔ علماء دیوبند ہرگز ان کے خلاف نہیں کرسکتے۔ بریلوی جماعت کا ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مولانا موصوف صحیح العقیدہ، راسخ الاعتقاد ہیں۔ فقط واللہ اعلم

مسعود احمد عفی اللہ عنہ۔ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح۔ سید احمد علی سعید۔ نائب مفتی دارالسلام ۶ ۵/۱۱ھ

(منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۶۲ء)

مبشرات

تفسیر بلغۃ الحیران کا انداز بیان ایک خاص طرز کا ہے جسے رئیس المفسرین علامہ حسین علی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے تلامذہ آسانی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دوسرے حضرات کو اس کی بعض عبارات کو سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اختصار اور عدم فہم کے باعث تفسیری نکات پر اعتراضات بھی کئے ہیں۔ ان کے مفصل، مکمل اور مدلل جواب مولانا احمد حسین سجاد بخاری دامت برکاتہم نے " اقامت البرہان " کے نام سے ارقام فرمائے ہیں جو عرصہ ہوا زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں افادۂ عام کی غرض سے مبشرات بیان کردی جائیں جنہیں مذکورہ بالا اشتہار میں بھی مورد الزام ٹھہرایا گیا اور عموماً حاسدین اور مبتدعین ان میں قطع و برید اور پیوند کاری کرکے مغالطہ دینے کی مذموم کوشش کرتے رہے ہیں۔

۱۔ رأیت سیدی عثمان اعطانی تفسیر القرآن صغیر الحجم، فقلت أھو تفسیر جمیع القرآن قال نعم

میں نے خواب میں اپنے مرشد حضرت خواجہ محمد عثمان کو دیکھا، وہ مجھے قرآنِ کریم کی ایک چھوٹے حجم والی تفسیر عطا فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سارے قرآن کریم کی تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

۲۔ رأیت انی اعطیت التفسیر من ربی تعالیٰ۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تفسیر مجھے رب العالمین کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔

۳۔ رأیت انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اخذنی فی حجرہ وادخل لسانہ المبارک فی فمی والقیٰ لعابہ فی فمی۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی گود میں لیا۔ اور اپنی زبانِ مبارک میرے منہ میں داخل کی۔ اور اپنا لعاب دہن مبارک، میرے منہ میں ڈالا

۴۔ رأیت ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یامرنی بتصنیف تفسیر القرآن۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی المرتضیٰ مجھے قرآن کریم کی تفسیر تصنیف کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

۵۔ رأیت ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول لی غفرت لک ولمن اتبعک۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں نے تجھے اور تیرا اتباع کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے

۶۔ رأیت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عانقنی وذھب بی

میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ معانقہ کیا۔ اور

فی معانقته علی الصراط۔ ای پل صراط۔

اسی معانقہ کی حالت میں مجھے پل صراط پر لے گئے۔

۷۔ رأیت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب لی ضمنیت ختم علیہ بیدہ المبارک و کان معہ اکثر الاکابر دعوت عند بیت اللہِ الحرام، ثم جئت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ فعانقنی صلی اللہ علیہ وسلم وعلمنی اللطائف والاذکار

میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک "ضمنیت" (خوشنودی کی دستاویز) لکھی اور اپنے دستِ مبارک سے اس پر مہر لگائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر اکابر تھے۔ میں نے بیت اللہ شریف کے پاس دعا مانگی۔ پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا اور مجھے لطائف اور اذکار سکھلائے۔

۸۔ رأیت انہ صلے اللہ علیہ وسلم یسقط فامسکتہ واعصمتہ عن السقوط، فعبرت فی ذلک الوقت ان المراد اقامۃ دینہ ومحو الشرک

میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گر رہے ہیں اور میں نے آپ کو تھام لیا اور گرنے سے بچایا۔ میں نے اسی وقت اس کی تعبیر کی کہ اس سے مراد آپ کے دین کو قائم کرنا اور شرک کو مٹانا ہے۔

۹۔ قیل لی من یخالفک فی التوحید

مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ توحید میں

هم دجالون كذابون	تیری مخالفت کرتے ہیں وہ دجال ہیں کذاب ہیں۔
۱۰- رأيت الانبياء كلهم من آدم الى نبينا صلى الله عليهم والسلام كلهم ينادون باعلى ندائهم من دعا غير الله تعالىٰ معتقدا انه يعلم ويسمع فهو كافر	میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام انبیاء کرام آدم علیہ السلام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سب بلند آواز سے پکار کر فرماتے ہیں کہ جس نے غیر اللہ کو پکارا یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ وہ جانتا اور سنتا ہے تو وہ شخص کافر ہے۔

مکاشفہ:- میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے مزار کے پاس بیٹھا ہوا تھا مکاشفہ کی حالت میں امام ربانی نے مجھ سے فرمایا کہ توحید کا مسئلہ بیان کرنا سلوک میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔

یہ مبشرات بلغۃ الحیران کے آخر میں درج ہیں جن کا متن اور ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور معنی خیز اور مفید خواب بھی ہیں۔ جیسا کہ تحفہ ابراہیمیہ کے آخر میں درج ہیں۔

شورش کی للکار

۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے کہ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری اور بریلوی علماء خصوصاً مولوی محمد عمر اچھروی کے مابین بریلوی عقائد و نظریات پر زبردست تحریری مکالمہ عرصہ تک جاری رہا۔ بریلوی علماء کی کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ شورش نے

بریلویوں پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ ان کی تقریریں، پمفلٹوں اور دیگر تحریریں کا جواب موصوف اپنی تقریریں اور اپنے ہفت روزہ چٹان کے ذریعہ بڑی جرأت اور شدت کے ساتھ دیتے۔ شورش نے بریلوی علماء کے "تقدس" کا بھرم سرِ عام کھول دیا۔ جس کے باعث انہیں سخت ترین ندامت اور خجالت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

شیخ القرآن ایسے اقدامات کی ہمیشہ سرپرستی، حوصلہ افزائی اور بھرپور معاونت فرمایا کرتے تھے چونکہ ان کا اپنا مشن بھی ہوٰی پرست، دین فروش علماء اور پیروں کے گمراہ کن عقائد و نظریات سے عوام الناس کو روشناس کرنا تھا۔ اس لئے اس مشن پر جو آدمی جہاں کہیں بھی کام کرتا، شیخ اس پر دل و جان نچھاور کر دیتے۔ چونکہ شورش کاشمیری کی قابلِ قدر جرأت مندی اور علماءِ سوء پر بیباک تنقید پر حضرت شیخ بے حد مسرور تھے اور شورش کو اپنی علمی معاونت کا بھرپور یقین دلایا اور ان کے اعلائے کلمۃ الحق پر دادِ تحسین پیش فرماتے۔ بریلوی علماء کی بعض اہم عبارات بمع حوالہ جات کے شورش کو بھیجتے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انہیں اپنے سالانہ جلسہ میں شمولیت کی خصوصی دعوت دی۔ اور جب موصوف راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو بڑی گرمجوشی کے ساتھ فقید المثال استقبال کیا۔ چنانچہ ۱۹ اپریل ۱۹۶۳ء کو رات کی نشست سے شورش نے جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ جس کے متعلق کوائف دار العلوم کے ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۶۳ کے شمارہ میں حسبِ ذیل شائع ہوئے۔

"اور آخر میں مجاہدِ ملت آغا شورش کاشمیری کی خدمت میں دار العلوم کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ پھر مولانا قاضی ظہور الحق صاحب نے آغا صاحب کے استقبال پر ایک نظم پڑھی۔ بعد ازاں محترم شورش صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز

آغاز فرمایا جو رات تقریباً ۲ ۱/۲ بجے ختم ہوئی۔ مجمع آخر تک جما رہا اور شورش صاحب نے حالاتِ حاضرہ پر بصیرت افروز تبصرہ فرمایا۔ اور عوام اور حکومتِ پاکستان کو مرزائیوں اور گدی نشینوں کی عیارانہ چالوں سے باخبر کیا۔

قاضی صاحب مذکور نے جو منظوم کلام آغا صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ وہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

مرحبا

مرحبا اے شورش اے پروانۂ شمعِ ہدیٰ
مرحبا مستِ مئے عشقِ حبیبِ کبریا

مرحبا اے خادمِ اصحاب و آلِ مصطفےٰ
مرحبا اے قافلہ سالارِ اربابِ وفا

مرحبا ملکِ صحافت کے گرامی تاجدار
مرحبا اے کاروانِ حریت کے رہنما

تیری بیباکی و جرأت کا زمانہ معترف
تو نہ حقگوئی کے میداں میں کبھی پیچھے رہا

حق نے بخشا ہے تجھے حسنِ بیان و زورِ قلم
درحقیقت فیض ہے یہ صحبتِ آزاد کا

سنت و توحید کا تو نے اٹھایا ہے علم
حامی و ناصر ہو ہر میدان میں تیرا خدا

تو نے لی ہے خوب غدارانِ ملت کی خبر
تو نے دنیا کو حقیقت سے کیا ہے آشنا

تو نے سالوسی حماموں کے ادھیڑے ہیں لپیٹ
تو نے فرزندانِ بدعت کی اتاری ہے قبا

قصرِ بدعت تھرتھرا اٹھی تری تحریر سے
اہلِ باطل کے لئے تیرا بیاں قہرِ خدا

خرمنِ بدعات پر تو نے گرا کر بجلیاں
سنت و توحید کی قندیل کو روشن کیا

بوکھلاہٹ چھا گئی ہے سارے قبرستان پر
ہو گئے مبہوت تیرے سامنے اہلِ ہویٰ

اب کسی جانب نہیں ملتی انہیں راہِ فرار
المدد! اے حاکمانِ وقت ہے ان کی صدا

جلسۂ تعلیم القرآن میں ترا شورش ورود
دعوتِ توحید کی تائید کا ساماں بنا

مکتبِ تعلیمِ قرآں کے در و دیوار سے
آ رہی ہے پے بہ پے شورش صدائے مرحبا

ایک دنیا منتظر ہے اب تری تقریر کی
اے بخاری کے چمن کے عندلیبِ خوشنوا

یہ فقط توحید کی خدمت کی برکت ہے ظہور
آج کرتے ہیں جو ہم شورش پہ جان و دل فدا

(نوٹ) آغا شورش کاشمیری کے اندازِ بیان کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے جو موصوف کے جریدہ چٹان میں شائع ہوئی تھی۔

آوازۂ غیب

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

شورش مجھے بطحا سے ملا ہے یہ اشارا
ڈوبے گا بریلی کے خداؤں کا ستارا

بدعت کے در و بام ہلاتے چلے جاؤ
اللہ نے پامردیٔ مومن کو پکارا

بے روک ہیں ان فتویٰ فروشوں کی زبانیں
اسلاف کی توہین پہ کرتے ہیں گزارا

قرآن کے احکام سے رکھتے نہیں رغبت
توحید کے اذکار سے کرتے ہیں کنارا

میلاد کی محفل ہو تو ناغہ نہیں کرتے
ملتا ہے مریدوں سے تن و توش کا چارا

رندانِ سیہ مست کو حجروں میں بلاکر
دیتے ہیں مریدانِ تہی دست کو لارا

ہر کوچہ و بازار میں کہرام مچا ہے
ان زہد فروشوں نے مسلمانوں کو مارا

امت کے اکابر پہ سب و شتم کی بوچھاڑ
کرتی نہیں اللہ کی غیرت یہ گوارا

پہنچا ہے مجھے حجتہ اسلام کا فرمان
جس نے مرے ایمان کے چہرے کو نکھارا

دل سے مرے ہر خدشۂ فانی کو نکالا
جرأت کو مری عشقِ پیمبر سے سنوارا

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے خوفِ سکندر ہے نہ اندیشۂ دارا

میرے لئے یثرب کی فضا کافی و شافی
تعویذ فروشوں کو بریلی کا سہارا

تکفیر کی بدبو سے تعفن ہے فضا میں
سنڈاس سے بدتر ہے خرافات کا دھارا

گنگوہیؒ کے دامن پہ الحاد کے چھینٹے!
نانوتوی کافر ہے؟ یہ سوچو تو خدارا

اسلام کے باغی ہیں؟ دیوبند کے بیٹے
کس نے تمہیں اس فتویٰ تراشی پہ ابھارا

تم اور مرے قتل کی تدبیر بہت خوب
آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را

پھر یہ نہ شکایت ہو کہ گستاخ ہے شورش
جب میں نے قباؤں کو ادھیڑا کہ اتارا[1]

---

[1] ہفت روزہ چٹان ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۲ء

وصایا شریف

توحید کے خلاف خدا کے حریف ہیں
یہ لوگ یادگارِ وصایا شریف ہیں

اسلام ان کے دشنۂ الحاد کا شکار
مذہب کے اعتبار سے عضوِ ضعیف ہیں

فطرت کے اعتبار سے دشنام و اشگاف
پیشہ کی رُو سے تاجرِ دینِ حنیف ہیں

اقصائے چیں سے تا بہ سوادِ طرابلس
برطانیہ کی فصلِ ربیع و خریف ہیں

اربابِ دوں نہاد کی تصویرِ خانہ ساز
یارانِ بد زباں کے سیاسی حلیف ہیں

دو سو برس سے شرک نوازی میں بے مثال
طرّوں کے پیچ و خم کی بنا پر شریف ہیں

مفتی نہیں، فقیہہ نہیں، پیشوا نہیں
یہ خانزادگانِ بریلی شریف ہیں[1]

---

[1] ہفت روزہ چٹان ۳ر دسمبر ۱۹۶۲ء

باب پنجم

لہو رنگ داستانِ دار و رسن

خانۂ خدا کے اندر قاتلانہ حملہ

کلر سیّداں میں نظر بندی

ایوبی آمریت کے خلاف صدائے احتجاج

دریا میں نظر بندی

بھٹو شاہی کے خلاف للکار اور

استقبالِ دار ورسن

محاصرۂ دار العلوم

سرکاری غنڈوں کی مسجد کے اندر غنڈہ گردی

قتل کی سازش

لہو رنگ داستانِ مصائب

حق گوئی حضرت شیخ کا طرۂ امتیاز تھا۔ لگی لپٹی رکھنا مداہنت فی الدین سمجھتے تھے حق کہنا۔ حق پر ڈٹے رہنا اور حق کی خاطر مٹنا ان کا شیوہ تھا۔ شیخ کی بے باک اور بے لاگ تنقید سے حکمران طبقہ کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ ان کی باطن شکن للکار سے طاغوتی اور استعماری قوتیں لرزہ براندام رہتی تھیں لیکن یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ حق گوئی دنیا کی مصائب و شدائد کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں   کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس پیکرِ صدق و صفا کی جرأتِ رندانہ کا اعتراف مولانا کوثر نیازی اپنے خطیبانہ انداز اور صحافت کے پیرایہ میں کس صفائی سے کرتے ہیں۔

"مولانا تنقید میں لاگ لپیٹ کے بغیر ایسی باتیں کہہ جاتے تھے کہ ارباب حکومت کے لئے ہر دور میں انہیں برداشت کرنا مشکل کام رہا ہے۔ پھر ان کی جامع مسجد اور دارالعلوم بھی دارالسلطنت میں واقع تھے۔ رپورٹ آن کی آن میں پہنچ جاتی تھی۔ مزاج کے جلالی تھے۔ جب اپنی گرجدار آواز میں اہلِ اقتدار کو للکارتے تو

ان کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا۔[1]"

جب آپ طاغوتی اور استعماری قوتوں کے خلاف سربکف ہوکر میدان میں کود پڑے تو زبانِ حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

دریں دریائے بے پایاں، دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجرٖیہا و مرسٰہا

خانۂ خدا کے اندر قاتلانہ حملہ

شیخ القرآن کی زندگی شدائد و مصائب ہی سے عبارت ہے۔ ایسے تمام روح فرسا واقعات کا احاطہ کرنا اس مختصر سی روداد میں ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے محض "مشتے نمونہ از خروارے" کی ریت پوری کی جاتی ہے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۵۶ء کی شب مسجد قاسم علی خان پشاور میں مسئلہ توحید بیان کرنے کے "جرم" میں ایک شقی القلب انسان نما درندے نے "استرے" سے شیخ القرآن پر قاتلانہ حملہ کیا اور آپ کی رگِ حیات کاٹنے کی ناکام جسارت کی۔ آپ کے چہرے کان، ہاتھ کلائی وغیرہ پر چھ زخم آئے۔ جن کی تفصیل ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس طرح ہے۔

گردن اور چہرے کے نچلے حصہ بیرونی پر ایک گھاؤ ½۵" × ۱" × ۱" گہرا۔ اور ایک اور ایسا ہی زخم ½۲" × داہنے نتھنے پر اوپر سے نیچے تک کٹ چکا تھا تیسرا کٹاؤ کا زخم ۲" لمبا داہنے کان پر تھا۔ اسی کان کا درمیانی حصہ ایک انچ بھر پوری

---

[1] جنہیں میں نے دیکھا ص ۱۶۹

طرح کٹ گیا۔ چوتھا زخم داہنے بازو کے اگلے حصہ پر انگوٹھے کی جانب ۱/۲ ۳" × ۱/۲ ۱" × ۱/۲" گہرا تھا۔ پانچواں زخم انگشتِ شہادت پر ۱" × ۱/۸" × ۱/۴" چھٹا زخم درمیانی انگلی کے نیچے ۱/۲" × ۱/۸" × ۱/۸" تھا۔ زخموں سے خون فوارہ کی طرح رواں، مگر حوصلہ و ہمت جواں اور ہوش و حواس برقرار تھے۔ جب ڈاکٹر بے ہوش کرنے لگے تو شیخ نے فرمایا۔

"موت و زندگی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ نہ معلوم میرا چراغِ زندگی گل ہونے ہی والا ہو۔ اس لئے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں ایک وصیت کرتا ہوں۔ پھر کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا تم لوگ قیامت کے دن گواہ رہنا کہ غلام اللہ، اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں انبیاء، اولیاء، ملائکہ، جنات وغیرہ مخلوق میں سے کوئی بھی شریک نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور آخری نبی ہیں۔ جن کا مقام ساری کائنات سے بلند و بالا ہے۔ اب تمہیں اجازت ہے جو چاہو کرو۔"

سبحان اللہ! مردِ مومن کی جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کس قدر قابلِ رشک ہے کہ موت و زیست کی کشمکش کے وقت بھی توحیدِ خداوندی کا نغمہ زباں پر ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ملزم نے عدالت میں اعترافِ جرم کرتے ہوئے وجہِ اشتعال یہ بیان کی "مولانا نے تقریر کے دوران رسول اللہ ﷺ، اولیاءِ کرام، پیروں اور علماءِ کرام کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کئے تھے" لیکن فاضل جج کے استفسار پر قابلِ اعتراض جملے نہ بتا سکا۔ کیونکہ یہ تو سوچی سمجھی سازش تھی، وجہِ اشتعال کیا ہو سکتی

تھی۔مولانا مرزا یعقوب نے اس بزدلانہ حملہ پر اپنا منظوم کلام پیش کرتے ہوئے مطلع یوں پیش کیا تھا۔

بزدلوں کی بزدلی کا چلتا ہے یونہی پتہ   مارنے کو شیر کی آتے ہیں یہ لے کے اُسترا

مجسٹریٹ درجہ اول نے اپنے فیصلہ میں جو ریمارکس تحریر کئے ہیں وہ بالکل حقیقت نما ہیں۔جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :۔

"استغاثہ کا کہنا ہے کہ واردات تقریر کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔ملزم کہتا ہے کہ وعظ جاری تھا کہ اس کے جذبات بھڑک اٹھے اور اس نے مدعی پر حملہ کر دیا۔لیکن اس کے اس بیان کی تصدیق اس کا ایک گواہ بھی نہیں کرتا۔ملک فدا محمد گواہ صفائی نے غیر مبہم الفاظ میں یہ کہا ہے کہ واردات وعظ کے ایک گھنٹہ بعد بعد ہوئی۔ان حالات میں میں خیال کرتا ہوں کہ اگر بالفرض مدعی نے ہتک آمیز الفاظ ادا کئے بھی ہوں تو بھی ملزم کے لئے سخت اور فوری اشتعال کا کوئی موقع نہیں تھا۔ملزم کہتا ہے کہ اس روز جمعہ تھا اور یہ کہ اس نے استرا طہارت کے لئے استعمال کیا تھا۔لیکن کیلنڈر پر ایک سرسری نگاہ بتا دے گی کہ اس روز جمعہ نہیں تھا بلکہ جمعرات تھی۔لہٰذا استراء کی معیت ایک سوچی سمجھی طے شدہ بات تھی۔

وکیلِ صفائی نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ صرف یہ امر کہ ملزم نے مدعی پر مسجد میں حملہ کیا ظاہر کرتا ہے کہ ملزم نے اس کے متعلق پہلے سے نہیں سوچ رکھا تھا۔جبکہ جرائم کی تاریخ سے اسی خطۂ ملک میں یہ چیز واضح ہو سکے گی کہ مجرموں کو سنگدلانہ قتلوں کے لئے مسجد سے بہتر کوئی جگہ نہیں ملتی ہے!اور وہ بھی ایسے لمحات میں کہ مقتول کا سر قادرِ مطلق کے سامنے جھکا ہوا ہوتا ہے۔

اس استرا کے علاوہ ملزم کے قبضہ میں دو چھوٹے چاقو بھی تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جرم کا ارتکاب ملزم کے ذہن میں تھا۔ حالات بتلاتے ہیں کہ واردات اچانک یا ناگہانی طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک آدمی دبے پاؤں اپنے شکار کے پاس جائے اور پھر اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ دے اسے اپنی طرف کھینچے اور پھر اسے ذبح کرنا شروع کر دے۔ گویا کہ اس کا شکار انسان ہی نہ ہو۔ جس نے کہ اسے مشتعل کر دیا ہو بلکہ کوئی مرغ یا قربانی کا دنبہ ہو۔

جہاں تک اشتعال کا تعلق ہے جس کے پیچھے ملزم پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ ملزم کو اتنا بھی یاد نہیں کہ وہ کون سے الفاظ تھے جنہوں نے اسے اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب پر مجبور کر دیا اور پھر وہ بھی خانۂ خدا میں۔

میرا خیال ہے کہ ان باتوں میں کوئی چیز اشتعال انگیز نہ تھی۔ کیونکہ وہاں مولوی عبدالقیوم پوپلزئی کے پایہ کا عالم اور دوسرے بہت سے عالم موجود تھے! اور وہ لوگ مدعی کو اطمینان کے ساتھ سنتے رہے۔ ان کا بھی کہنا ہے کہ تمام وعظ میں کوئی بات بھی اشتعال انگیز نہ تھی۔

میں حیران ہوں کہ کس طرح ایک زمیندار جسے یہ بھی یاد نہیں کہ کن مخصوص الفاظ نے اسے اشتعال دلایا، ایک عالم کی باتوں اور منطق کی سچائی یا جھوٹ کا فیصلہ کر سکتا تھا۔

علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ واردات وعظ کے کہیں بعد وقوع پذیر ہوئی۔ قانون کی بازیگری سے یا کسی اور طریقہ سے بھی ملزم فوری اور سخت قسم کے اشتعال سے فائدہ اٹھانے کا تقاضا نہیں کر سکتا۔ اگر ہم مدعی

کے فقرات کا ملزم کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے موازنہ کریں تو اگر اشتعال تھا بھی تو وہ فوری قسم کا نہیں تھا۔

اگلا نکتہ جو فیصلہ طلب ہے وہ جرم کی نوعیت ہے۔ وکیل صفائی کہتا ہے کہ زخم معمولی ہے اور زیادہ سے زیادہ ملزم کو زیرِ دفعہ ۳۲۴ تعزیراتِ پاکستان سزا دی جا سکتی ہے۔ ملزم نے مدعی پر حجام کے اُسترے سے ایک اہم اور نازک حصہ پر حملہ کیا تھا۔ خود اس اعترافات سے پتہ چلتا ہے کہ ملزم قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔

لہٰذا میں ملزم عبدالرؤف کو زیرِ دفعہ ۳۰۷ تعزیراتِ پاکستان مجرم قرار دیتا ہوں۔ یہ افسوسناک امر ہے کہ لوگ مذہبی تنازعوں کو قتل کے ذریعہ سلجھانے لگیں اور وہ بھی خانۂ خدا میں۔ جہاں ایمان والے اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے سر جھکانے کے لئے آتے ہیں۔ اگر یہ مساجد کی بے حرمتی نہیں تو پھر اور کیا چیز ہو گی۔ انسانی خون بہانا اور پھر وہ بھی ایک مسلمان بھائی کا، ایک ایسی جگہ جہاں رواداری کی تعلیم دی جاتی ہے، قابلِ ملامت ہے۔ اور ایسے جرائم کے لئے قانون کی سخت سے سخت سزا ہونی چاہیئے۔ ہمارے سر اس خیال سے ہی ندامت سے جھک جاتے ہیں کہ اسلام ایسے مضبوط اور مسخر کرنے والے مذہب کے پیروؤں، جس کی تاریخ خود ملت میں اختلاف رائے کے لئے وسیع رواداری اور دوسروں کو عقوبت سے انکار اور انحطاط وادبار کے دور میں ایک وقار کی روایات کی حامل ہے۔ عدم رواداری کی ان پستیوں میں گر جائیں کہ خنجر کی منطق استعمال کرنے لگیں۔

مقدمہ کے حقائق اور واقعات کا بطور مطالعہ کرنے کے بعد ملزم عبدالرؤف

کوسات سال قید بامشقت اور دوصد روپیہ جرمانہ کی سزا دیتا ہوں۔
(ملخصاً از نقلِ فیصلہ مقدمہ)

علماءِ سوء اور دین فروش پیروں کی اس شرمناک جسارت پر پورے ملک میں صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ اس مذموم حرکت کی زبردست مذمت کی گئی۔ اخبارات اور جرائد نے اس کمینگی پر اداریے لکھے۔ اندرون اور بیرونِ ملک علماءِ ربانیین نے اس کمینہ حرکت پر سخت غم وغصہ کا اظہار کیا۔ خطیبِ اسلام علامہ قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک گرامی نامہ کے ذریعے حسب ذیل جذبات کا اظہار فرمایا۔

محترمی و مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و دامت برکاتکم

سفر سے واپسی پر علم میں آیا کہ کسی شقی نے جناب پر قاتلانہ حملہ کیا۔ مگر حق تعالےٰ نے اس کی سعی خائب و خاسر کر دی اور جناب کو بچا لیا۔ اس خبر سے ایکدم جو صدمہ اور قلق دل کو ہوا۔ اس حفاظت الٰہی کی خبر سے پھر اتنی ہی بڑی مسرت بھی ہوئی۔

میں اس پر اپنی اور دارالعلوم کے تمام عملہ کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دعائے خیر کا محتاج اور متمنی ہوں[۱]۔

امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ والسلام

محمد طیب غفرلہٗ از دیوبند ۲۰ ۵/۷/۲ ھ

جب صحتیاب ہونے کے بعد حضرت شیخ راولپنڈی تشریف لائے تو راولپنڈی

---

[۱] ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۴۶

کے علماءِ کرام اور دوسرے لوگوں نے پر تپاک استقبال کیا اور جلوس کی شکل میں ریلوے اسٹیشن سے دار العلوم تعلیم القرآن لایا گیا۔ جب جلوس مری روڈ اسلامیہ ہائی سکول کے قریب پہنچا تو مولانا محمد یوسف لدھیانوی عربی معلم اور اسکول کے طلباء نے پرجوش استقبال کیا۔ اسی طرح اسلامیہ ہائی سکول لیاقت روڈ کے طلبہ نے بھی مولانا محمد صابر عربی معلم کی قیادت میں والہانہ استقبال کیا۔ طلباء علماء دیوبند زندہ باد اور شیخ القرآن زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ اسی رات دار العلوم میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام بھی منعقد ہوا جس میں حضرت شیخ نے قاتلانہ حملہ کی تفصیلات بیان فرمائی تھیں۔

بزدلانہ حملہ

سن انیس سو چھپن اور دسمبر کا مہینہ تھا ۱۹۵۶ء
چھپا محراب میں بیٹھا کوئی ظالم کمینہ تھا
اٹھا یکدم چلایا استرا حضرت کی گردن پر
ستم ڈھایا ستمگر نے مسلمانوں کے محسن پر
بڑی تیزی سے مشرک نے کیا یہ فعلِ شیطانی
ہوئے حضرت قریب المرگ تڑپی روحِ انسانی
کیا بدبخت نے جب شیخ پر حملہ بہیمانہ
فلک کانپا زمیں لرزی اٹھا اک شورِ رندانہ
مچا کہرام پاکستان کے دینی اداروں میں
مساجد میں مدارس میں سبھی ایمانداروں میں
یہ حملہ قاتلانہ اک منظم کاروائی ہے
پشاور کی جبیں پر بھی یہ داغ بے وفائی ہے
ہے کتنی بدترین حرکت دکھائی ان کمینوں نے
پس پردہ جو کی سازش بڑے گدی نشینوں نے
الٰہی شرک و بدعت سے بچا گدی نشینوں کو
حقیقی مسلم و مومن بنا گدی نشینوں کو
عطا کر شیخ کو عمرِ درازا اور ہمتِ عالی
دوامی تندرستی خوشحالی اور خوش حالی

بسوئے دین مائل کن ہمہ افرادِ انسانی
چہ مصری و چہ ترکی و چہ ایرانی چہ افغانی

کلر سیداں میں نظر بندی

۱۹۴۹ء میں ایک متعصب شیعہ ڈی سی جسے شیخ کی زبانِ حق ترجمان سے مدح صحابہ سننا انتہائی شاق گذرتا اور صحابہ کرام کی تعریف و توصیف سے وہ آتشِ عناد میں جلتا تھا اور لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی مجسم تصویر تھا اس نے شیخ کو اپنے دفتر میں بلا کر کہا "جب آپ کی تقریر کی رپورٹ پڑھتا ہوں تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ شیخ نے کہا "میں نے آپ کو تو کبھی کچھ نہیں کہا، نہ جانے کیوں آگ لگ جاتی ہے" ڈی سی کہنے لگا "تمہیں بس دو ہی ملے ہیں صدیق اور فاروق میں ان کی تعریف سننا گوارا نہیں کر سکتا۔" شیخ نے کہا "ان کی تعریف کرنا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ میں تو ان کی تعریف سے باز نہیں آؤں گا تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔"

شیخ فرمایا کرتے تھے اس کا نام حماد رضا تھا۔ میں اسے حماد رضا کی بجائے "مادر پدر آزاد" کہا کرتا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ڈی سی آپ کو گرفتار کر کے شہر سے کہیں دور لے جانا چاہتا ہے۔ میں نے قطعاً پرواہ نہ کی۔ بہر حال چند یوم بعد مجھے گرفتار کر کے کلر سیداں پہنچا دیا گیا۔ پولیس نے کہا کہ اس گاؤں کی حدود سے باہر جانے کی آپ

کو قطعاً اجازت نہیں۔

مولوی کو تو مسجد چاہیئے اور اگر لاؤڈ اسپیکر بھی مل جائے تو کیا کہنا۔ وہاں مجھے مسجد بھی مل گئی اور ایک اللہ کے بندے نے لاؤڈ سپیکر بھی لگا دیا۔ میں نے قرآن بیان کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ وہاں کے لوگوں کے عقائد صحیح نہیں تھے اسلئے ابتدا میں تو میری تقریر سے جلتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالے نے کامیابی عطا فرمادی۔

شیخ القرآن کی آوازِ حق و صداقت کو دبانے کے لئے ڈی سی نے ایک دور افتادہ گاؤں میں نظر بند کر دیا تھا لیکن وہ جہاں بھی گئے شمعِ انجمن ہی بنے شیخ کو قدرت نے کچھ ایسے اوصاف کا مرقع بنایا تھا کہ وہ جہاں بیٹھ جاتے، بہاریں ان کی قدمبوسی کرتیں۔ وہ مسکراتے تو ان کے منہ سے پھول جھڑتے۔ ان کی پیشانی پر بل آجاتا تو حکمرانوں کے ایوانوں میں تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی۔ ستارے قندیلیں بن کر ان کی محفل کو روشن کرنا اپنی سعادت سمجھتے۔ ویرانوں میں اگر وہ شمعِ دل فروزاں کرتے تو وہاں بھی پروانوں کا جمگھٹا ہو جاتا تھا۔ ؎

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

کلرسیداں کی نظر بندی رجب، شعبان اور رمضان تین ماہ کے لئے تھی جبکہ ان مقدس مہینوں میں شیخ القرآن دورۂ تفسیر قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ جس میں نہ صرف پاکستان کے بلکہ بیرونِ ملک کے بے شمار علماء اور طلباء شریک ہوتے تھے۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

علاقہ کے غیور مسلمانوں نے جس گرمجوشی سے فقید المثال استقبال کیا تھا وہ شیخ کی پذیرائی اور عزت افزائی کا نقشِ اولیں ثابت ہوا۔ جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے دور دراز سے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ مسجد تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگی۔ شمعِ توحید کے پروانوں کی کثرت اور ہجوم کے پیشِ نظر مسجد کی توسیع ناگزیر ہوگئی۔ اہالیان کلرسیداں بڑی دریا دلی اور خندہ روئی کے ساتھ باہر سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے۔ ان کی خورد و نوش کا معقول اور پر تکلف انتظام کر رکھا تھا۔ سینکڑوں علماء اور طلباء قرآنی علوم سے فیضیاب ہونے کے لئے کلرسیداں پہنچ گئے! ان کی رہائش اور طعام کا انتظام اہلِ قریہ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ دینی اشغال، تدریسی انہماک اور ہمہ وقتی مصروفیات کے باعث بحمداللہ یہ احساس ہی نہ ہوا کہ دارالعلوم تعلیم میں شیخ رونق افروز ہیں یا ایک پسماندہ قصبہ کے ویرانہ میں جلوہ نما ہیں۔

انتظامیہ نے جس آوازۂ حق کو دبانے کی غرض سے شیخ کو شہر بدر کیا تھا وہ تو پورے طمطراق کے ساتھ بلند ہوتا رہا۔ ؏

ابھرے گا یہ اتنا ہی جتنا کہ دبا دینگے

انتظامیہ جس خوش فہمی کا شکار تھی اسے ذلت آمیز ندامت سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ان مقاصد کا حصول انتظامیہ کے لئے سوہانِ روح بن گیا جنہیں وہ شیخ کو شہر بدر کر کے حاصل کرنا آسان سمجھتی تھی۔ آخر حالات کے ہاتھوں بے بس ہو کر تین ماہ پورے ہونے سے پہلے ہی شیخ القرآن پر عائد تمام پابندیاں اٹھالی گئیں۔

بہر حال شیخ القرآن نے مسجد میں ڈیرہ لگالیا اور اپنی سحر انگیز آواز میں تلاوت

قرآن کے ساتھ تدریسِ قرآن شروع کردی۔ سارا علاقہ شرک و بدعات اور رسوم و رواجات کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ دین فروش مولوی اور پیر لوگوں کے ایمان اور مال پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ سادہ لوح مسلمان ان کی ملمع سازی اور فریب کاری کا شکار تھے لیکن شیخ نے اس ویرانہ میں ایسا چشمۂ فیض جاری کیا جس سے ہر خاص و عام مستفید ہونے لگا۔ قرآن و سنت کی ایمان پرور روشنی میں لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح ہونے لگی۔ جن لوگوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا تھا وہ بھی ترجمہ و تفسیر قرآن پڑھنے کے ذوق سے سرشار ہو گئے۔ وہ اولیاء کرام کے اوصافِ حمیدہ سے روشناس اور جعلی پیروں کے ہتھکنڈوں سے واقف ہو گئے۔

وہاں کا ایک سادہ لوح مسلمان اپنی سرگذشت اس طرح بیان کرتا تھا۔ ہمارے ہاں کشمیر کا ایک پیر ہر سال شرنی شکرانے وصول کرنے آیا کرتا تھا۔ ہم اس کے بہت عقیدتمند تھے۔ اس کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ میرے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی جس کا مجھے دلی قلق تھا۔ میں نے پیر صاحب سے التجا کی کہ مجھے اولاد نرینہ عطا کردیں۔ انہوں نے فرمایا اب تیرے ہاں لڑکا ہوگا لیکن پانچسو روپیہ کی بھینس کا نذرانہ چڑھانا ہوگا۔ میں نے اس شرط کو بخوشی قبول کر لیا۔ اسی اثنا میں شیخ القرآن کا کلر سیداں میں ورودِ مسعود ہوا۔ ان کی تقریریں سننے سے معلوم ہوا کہ ہم جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان مولویوں اور پیروں نے ہمیں گمراہی کے قعرِ عمیق میں دھکیل دیا ہے۔ اب حقیقت آشکارا ہوئی کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ وہی فریاد رس اور

اولاد عطا کرنے والا ہے۔ پھر میں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر اپنے عقائدِ باطلہ سے توبہ کی اور دل کی گہرائیوں سے اس کی وحدانیت اور ربوبیت کو قبول کیا۔ پھر اسی کے حضور دعا و التجا کی کہ اے اللہ تو میری مراد پوری کر دے! اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے فرزندِ ارجمند عطا فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد پیر صاحب بھی آ گئے۔ وہ حسبِ معمول بلا اجازت میرے گھر میں آ ٹپکے۔ میں نے کہا۔ "دُر، دُر" دفع ہو جا تو کون ہے اس نے کہا۔ ذرا ہوش سے بات کرو، کیا کہہ رہے ہو۔ میں تمہارا پیر ہوں اور یہ گھر میں میری بچیاں ہیں۔ میں نے کہا "بچیاں دا پتّر" خبردار میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرنا۔ یہ میری بیوی اور بیٹیاں ہیں تو غیر محرم کیسے ان کے پاس جا سکتا ہے" پیر کہنے لگا "میں نے تجھے بیٹا دیا ہے اور میری بھینس تیرے پاس ہے، میں بھینس لینے آیا ہوں" میں نے کہا "بیٹا مجھے اللہ تعالےٰ نے دیا ہے تو کون ہے خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔ فوراً میرے گھر سے نکل جا" اس پر پیر نے کہا "معلوم ہوتا ہے تم نے غلام اللہ کی تقریر سنی ہے۔ اور تم وہابی ہو گئے ہو" میں نے کہا "بیشک میں نے غلام اللہ کی تقریریں سنی ہیں اور الحمد للہ میں شرک سے بچ گیا اور اللہ نے مجھے جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ہے"

وہ شخص حضرت شیخ کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا کرتا تھا "استاد جی! اللہ تساڈا بھلا کرے۔ تسیں آئے ہوتے اللہ نے میتوں پتّر دی دتا تے میتوں ایمان دی نصیب ہویا تے میری مینج وی بچ گئی"

شیخ نے کہا۔ جب میری نظر بندی ختم ہوئی اور میں راولپنڈی واپس آئے

لگا تو وہاں کے ہیڈ ماسٹر نے میرے اعزاز میں ٹی پارٹی کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر اس نے کہا کہ ہم تو ڈی سی کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ اسے خوش رکھے جس نے آپ کو یہاں تین ماہ کے لئے نظر بند کیا اور آپ کی ایمان افروز تقریروں سے ہمارے عقائد کی اصلاح ہوگئی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ڈی سی آپ کو ضلع پنڈ کے مختلف قصبوں اور شہروں میں اسی طرح تین تین ماہ کے لئے نظر بند کرتا رہے تاکہ لوگوں کے عقائد درست ہوجائیں۔

ہیڈ ماسٹر نے بتایا کہ ایک وقت وہ بھی تھا کہ میں جمعہ کے دن اپنے ایک عزیز کے ہمراہ پرانا قلعہ کی مسجد کے پاس سے گذر رہا تھا اور آپ کی تقریر شروع تھی میرے عزیز نے کہا چلو یہاں ہی نمازِ جمعہ پڑھ لیں۔ میں نے پوچھا یہ کون تقریر کر رہا ہے؟ اس نے بتایا "غلام خان" میں نے کہا "توبہ توبہ! میں تو اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ خدا کی قسم میں صرف اس لئے مسجد میں نہیں گیا کہ کہیں آپ کے چہرہ پر میری نظر نہ پڑ جائے۔

پھر جب ڈی سی نے آپ کو کلر سیداں میں نظر بند کر دیا تو ہمارے لئے سخت امتحان کی گھڑی آگئی۔ اگر مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں تو ہمیں اپنے عقائد و نظریات کے خلاف سب کچھ سننا پڑتا ہے۔ اور اگر نہیں جاتے تو لوگ بدنام کریں گے کہ مسجد چھوڑ دی ہے۔ آخر مجبور ہو کر جمعہ پڑھنے چلے گئے۔ اسکول کے تمام اساتذہ بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم نے دور بیٹھ کر تقریر سنی۔ وہ پنجابی میں کہنے لگا "اساں سمجھیا ساڈے نال ڈالا ریا اے" ہم نے سن رکھا تھا کہ مولوی غلام خان پیغمبرؐ کو گالیاں دیتا ہے" اسی طرح ہم نے تین جمعے پڑھے لیکن آخر

دل و دماغ نے دیانتداری سے یہی فیصلہ دیا کہ ہم لوگ غلطی پر ہیں۔ ہمیں جو کچھ بتایا جاتا رہا وہ جھوٹ کا پلندہ تھا۔ اگر یہ آدمی پیغمبر کی شان میں گستاخی کرنے کا عادی ہوتا تو کہیں نہ کہیں ایسا اشارہ تو ضرور کر گذرتا۔ لیکن یہ تو قرآن مجید بیان کر رہا ہے گستاخی یا گالیوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔

کلر سیداں کی نظر بندی کے دوران گاؤں کی چند عورتیں حضرت شیخ کو دیکھنے کے لئے گئیں۔ بڑی غور سے دیکھنے کے بعد آپس میں کہنے لگیں "لوگ کہتے ہیں یہ مولوی وہابی ہے اور نظر بند ہے۔ مگر اس کی تو آنکھیں کھلی ہیں بند تو نہیں ہیں۔"

حضرت شیخ بیان فرماتے تھے کہ جب میں کلر سیداں گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک عورت کی قبر ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس پر بکرے اور دوسرے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ ایک مجاور قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہتا ہے "مائی جی فلاں آدمی فلاں پنڈ وچوں بکرا لے کے آیا اے، اتے فلاں اس دی مراد اے" تھوڑے سے وقفے کے بعد کہتا "جی اچھا جی" لوگوں کو یہ تأثر دیتا کہ میں نے مائی صاحبہ سے بات کی ہے اور وہ کہہ رہی ہیں کہ درخواستیں بہت زیادہ آچکی ہیں، ابھی سب کے نمٹانے کی فرصت نہیں، تم یہ بکرا چھوڑ جاؤ اور دو ماہ بعد دوسرا بکرا لے کر آجانا، پھر تمہارا کام ہو جائے گا۔ اس طرح لوگوں کو لوٹا اور گمراہ کیا جا رہا تھا۔

بہر حال کلر سیداں کی نظر بندی کے زمانہ میں حضرت شیخ القرآن نے توحید و رسالت اور مدح صحابہ رضؓ کے تبلیغی مشن کو بے حد مؤثر طریقہ سے جاری رکھا اور ساتھ ہی ساتھ انتظامیہ کی گوشمالی سے بھی باز نہ آئے۔ جس کے باعث تین ماہ

پورے ہونے سے پہلے ہی انتظامیہ نے انتہائی خجالت اور ندامت کے ساتھ نظر بندی کا حکم واپس لے لیا۔

ایوبی آمریت کے خلاف صدائے احتجاج

صدر ایوب خان کا دورِ اقتدار حضرت شیخ کے لئے زبردست دورِ ابتلا تھا۔ حق گوئی کی پاداش میں بیسیوں مرتبہ قید و بند اور ضلع بدری کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ کی حق گوئی کی عادتِ مستمرہ میں ذرہ برابر بھی لچک نہ آئی۔ اس دور کے چند عبرت آموز واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

جنرل ایوب نے ۱۹۵۸ء میں اقتدار پر قبضہ کر کے ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ اگرچہ فوجی حکومت کے خلاف لب کشائی سنگین جرم تھا مگر شیخ القرآن حق گوئی سے کب باز آنے والے تھے۔ چنانچہ آپ نے علاقہ چھچھ میں "نرٹوپہ" کے مقام پر تقریر کے دوران مارشل لا حکومت کے خلاف بھی کچھ کہہ دیا۔ جس کی پاداش میں آپ کو فوراً گرفتار کر کے اٹک جیل میں پہنچا دیا گیا اور ملٹری کورٹ میں سماعت شروع ہو گئی۔ کورٹ کے انچارج کرنل نے چھ ماہ قید بامشقت، پچیس ہزار روپیہ جرمانہ اور پندرہ کوڑوں کی سزا سنائی۔ کورٹ کے باہر شیخ کے متعلقین کا بے پناہ ہجوم تھا۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتی جیسے ممتاز بزرگ بھی باہر کھڑے نادر شاہی احکامات سننے کے لئے گوش بر آواز تھے۔ جب شیخ باہر آئے تو ہاتھوں میں ہتھکڑی کا زیور تھا۔ شیخ الحدیث نے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ "الحمدللہ دین کی خاطر جیل جا رہے ہو، کسی گناہ کی پاداش میں نہیں"۔

اگرچہ شیخ کو جیل میں کلاس اے مل گئی تھی، لیکن کھانا دونوں وقت ان کے عزیز ملک شفیق گھر سے پہنچاتے تھے۔ آپ نے جیل میں تفسیر جواہر القرآن کی تصنیف کا کام بھی جاری رکھا اور روزانہ صبح آٹھ بجے سے نو بجے تک مشقت کے لئے جاتے تھے جہاں مونجھ بنانے کا مشقت طلب کام ہوتا تھا لیکن وہاں اللہ نے کچھ ایسے قدردان قیدی بھیج دئے جو شیخ کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیتے تھے اور ان کے حصہ کا کام خود سر انجام دیتے تھے۔

ادھر پچیس ہزار روپیہ جرمانہ کی جگہ شیخ کے دو شیدائیوں نے پچیس پچیس ہزار روپیہ عدالت میں پیش کر دیا تھا لیکن بعد میں عدالت کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا جس کی وجہ سے جرمانہ معاف کر دیا۔ اور چھ ماہ کی بجائے صرف دو ماہ بعد رہائی کا پروانہ مل گیا تھا۔ دو ماہ کے سارے عرصہ میں حضرت شیخ کی خدمت، کھانا پہنچانا اور ملک بھر سے ملاقات کے لئے آنے والے مہمانوں کی دیکھ بھال اور ملاقات کرانے کی تمام خدمات شیخ کے عزیز ملک شفیق انجام دیتے رہے۔

اسی طرح ۴ نومبر ۱۹۵۹ء کو مارشل لا حکومت کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کے عذر لنگ کی بنا پر مارشل لا کے ضابطہ ۲۴ کے تحت گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل اٹک میں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔ مسلسل جدوجہد کے بعد بصد مشکل ۲۴ نومبر یعنی ۲۰ دن بعد ضمانت پر رہائی ہوئی اور ۱۰ جنوری ۱۹۶۰ء کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم ملا۔[۵۰]

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست   ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

---

۵۰ ماہنامہ تعلیم القرآن دسمبر ۱۹۵۹ء

جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا اقتدار عروج پر تھا اور مغربی پاکستان پر ملک امیر محمد خان آف کالا باغ جیسا سخت گیر اور جابر گورنر مسلط تھا۔ دونوں کا اقتدار مطلق العنان تھا۔ تنقید کا "جُرم" ناقابلِ معافی گردانا جاتا تھا۔ بڑے بڑے سیاستدان ان کے جبر و استبداد کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے۔ اسی زمانہ میں مارچ ۱۹۶۶ء میں آنجہانی لیو شاؤچی صدر چین دورۂ پاکستان کے موقع پر راولپنڈی پہنچے تو ان کے استقبال میں دوسری تقریبات کے ساتھ کالج اور اسکولوں کی دس ہزار نوعمر بچیوں کا رقص بھی شامل تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی شخصیت کا استقبال نوجوان لڑکیوں کے ڈانس سے کرنے کی حیا سوز حرکت عمل میں آئی تھی اس پر مستزاد یہ کہ صدر ایوب نے گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان کو حکم دیا کہ میں نے دس ہزار لڑکیوں کا ڈانس کرایا ہے اور تم نے لاہور میں پندرہ ہزار لڑکیوں کا ناچ کرانا ہے لیکن اس موقع پر گورنر موصوف نے غیرتِ ملی کا ثبوت دیا اور صدر کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے بڑی جرأتمندی سے کہا کہ اگر لاہور ایئرپورٹ پر ایک لڑکی بھی نظر آئی تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

بہرحال قوم کی معصوم بچیوں کی شرم و حیا کو سرِ عام پامال ہوتا دیکھ کر اسلامی حمیت اور قومی غیرت نے شیخ القرآن کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ پھر شیخ کی بارعب اور گرجدار آواز نے اصحابِ اقتدار کو غیرت دلائی۔ انہیں اس سنگین جرم کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا اور اپنی جرأتمندانہ تنقید سے "افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر"[۱] کا فریضہ ادا کیا۔ لیاقت باغ کے وسیع میدان میں

۱؎ ابن ماجہ۔ کتاب الفتن ص ۲۸۹

لاکھوں کے اجتماع سے عید کے خطبہ میں آپ نے فرمایا:۔

" چین پاکستان کا مخلص دوست ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اس کی غیر مشروط حمایت پر ہم اس کی جتنی قدر کریں، کم ہے لیکن قوم کی نوجوان طالبات کا صدرِ چین کے سامنے رقص پرلے درجے کی بے غیرتی اور اسلامی روایات کے سراسر خلاف ہے قوم کی بیٹیوں کا ناچ کسی تقریب میں پیش کرنا اپنی غیرت کا جنازہ نکالنا ہے۔ ہم جس کی بڑی بڑی مونچھیں دیکھ کر بدمعاش سمجھتے تھے وہ تو غیرت مند مسلمان نکلا اور جسے پٹھان ہونے کے ناطے غیرت مند تصور کرتے تھے وہ انتہائی بے غیرت نکلا۔ صدر نے قوم کی بچیوں سے ڈانس کرایا ہے مزہ تو تب آتا کہ اپنی بیٹیوں سے ڈانس کراتا"

شیخ کی جراتمندانہ للکار کی صدائے بازگشت ایوانِ صدر تک جا پہنچی لیکن یہ تنقید حکمرانوں کے لئے ایسا کڑوا نوالہ ثابت ہوئی جسے نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ اگر اس جرم کی پاداش میں شیخ کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کیا جاتا ہے تو ساری قوم سراپا احتجاج بن جائے گی۔ اور اگر زبان بندی کا سہارا لیا جائے تو وہ بھی پادر ہوا ثابت ہوگا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد موصوف کو ضلع بدر کرکے ان کے آبائی گاؤں " دریا" ضلع اٹک میں نظر بند کرنے کا فیصلہ صادر ہوا۔ جبکہ شیخ القرآن ببانگ دہل پکار رہے تھے ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم ۔۔۔ سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

دریا میں نظر بندی

چنانچہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء کو حضرت شیخ کے ضلع بدر کرنے کا حسب ذیل آرڈر

ڈپٹی کمشنر راولپنڈی نے صادر کیا۔

"کہ مذہبی منافرت پھیلانے والوں کے خلاف کارروائی کی جارہی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا غلام اللہ خان کو ضلع بدر کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ مذہبی منافرت پھیلا رہے تھے جس سے امنِ عامہ میں خلل پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ مولانا کو ان کے آبائی گاؤں میں رہنے کا پابند کر دیا گیا ہے۔"[۱]

نظر بندی پر ستزاد زبان بندی کا حکم بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کیمبلپور نے ۱۸؍اپریل کو جاری کر دیا اور اس طرح تقریر کرنے کے اختیارات بھی سلب کر لئے گئے۔[۲]

حضرت شیخ نے یہ نادر شاہی حکم سن کر انتہائی خندہ روئی سے فرمایا۔

"شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جب دیوبند سے گرفتار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا" اگر اللہ تعالےٰ کو طلبہ دار العلوم دیوبند کو بخاری شریف پڑھانے کے بجائے جیل کے قیدیوں کو تعلیم الاسلام پڑھانا پسند ہے تو ہم اس پر ہزار شکر سے راضی ہیں۔ میں بھی کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ کو پنڈی کی بجائے میرے علاقہ میں جس کا مجھ پر حق بھی بنتا ہے اپنی توحید اور سنت نبوی بیان کرانا پسند ہے تو دل و جان سے میں اس پر راضی ہوں۔"

شیخ القرآن دل کی اتھاہ گہرائیوں سے طمانیتِ قلب کا اظہار ان الفاظ میں کیا کرتے تھے:۔

"الحمد للہ بمصیبت گرفتارم نہ کہ بمعصیت"

خوشا وقت شوریدگان غمش　　اگر ریش بیند دگر مرہمش

۱؎ روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۶؍اپریل ۱۹۶۶ء ۲؎ روزنامہ نوائے وقت ۱۸؍اپریل ۱۹۶۶ء

اس کے غم کے پریشان لوگوں کی کیسی قابلِ رشک حالت ہے۔ اگر غم واندوہ دیکھتے ہیں تو اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

گدایانے از پادشاہی نفور　　　　بامیدش اندر گدائی صبور

ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے ہیں اور اس کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے ہیں۔

دمادم شرابِ اَلَم درکشند　　　　وگر تلخ بینند دم درکشند

ہروقت رنج کی شراب پیتے ہیں۔ جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں۔

حضرت شیخ کو ضلع بدر کرنے کے بعد انتظامیہ نے دارالعلوم تعلیم القرآن کی جامع مسجد پر قبضہ کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور ایک مولوی کا تقرر بھی کر دیا۔ جسے جمعہ کی نمازیں چارج دلانے کا فیصلہ ہوا لیکن دارالعلوم میں حضرت شیخ کے متعلقین نے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کا عزم کر لیا۔ اور کہا کہ جو آدمی بھی یہاں امام بنکر آئیگا انتظامیہ کو اس کی ہڈیاں بھی نہیں ملیں گی۔ چنانچہ دارالعلوم کا تمام عملہ اور جمعہ کے سارے نمازی اس قدر مشتعل تھے کہ سرکاری مولوی پولیس کے مسلح پہرے میں بھی اس قدر خوفزدہ تھا کہ اسے مسجد میں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور پولیس نے انتہائی مشکل سے اس کی جان بچائی اور وہ مجمع میں اس طرح کہیں غائب ہو گیا جس طرح "گدھے کے سر سے سینگ"

حضرت شیخ کے دریا میں رونق افروز ہونے سے علاقہ چھچھ کے سوئے ہوئے بخت بیدار ہو گئے اور "دریا" دریائے علم وعرفاں کا ایمان پرور منظر پیش کرنے

لگا۔ پورے ملک سے علماءِ کرام اور عوام شرفِ زیارت سے بہرہ اندوز ہونے دریا پہنچنے شروع ہو گئے جمعہ کے اجتماعات عظیم الشان جلسوں کی صورت اختیار کر گئے۔ توحید کی پُر کیف صدا سے علاقہ زعفران زار بن گیا اور شیخ حکومت کے خلاف برملا سخت ترین تنقید کرتے رہے جس کی منظر کشی شاعر اس طرح کرتا ہے۔

پابند و زباں بنا کئے جاؤ گے جتنا　　بڑھتا ہی چلا جائے گا مرا ذوقِ تقیس اتنا

شیخ القرآن کی نا فدانہ طرزِ گفتگو سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے زباں بندی کا سہارا لیا گیا لیکن موصوف کی طرف سے زباں بندی کے حکم کو پشاور ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا جسے عدالت نے ان الفاظ کے ساتھ کالعدم قرار دے دیا کہ نظر بندی کے بعد زباں بندی کا حکم سراسر زیادتی ہے اور پھر ایک عالم دین پر۔ یہ تو تبلیغِ دین کو بند کرنے کے مترادف ہے۔

شیخ نے حسبِ معمول ۱۲ رجب کو دورۂ تفسیر قرآن شروع کر دیا سینکڑوں طلبہ اور علماء شریک ہوئے۔ علاقہ بھر سے توحید کے پروانے روزانہ قرآن سننے آتے اور شیخ اپنے سحر انگیز بیان میں قرآن کی ضیا پاشی میں شب و روز مصروف و منہمک رہتے، طلبہ کی کثرت اور شائقینِ قرآن کی ہمہ وقت آمد کے باعث "دریا" میں ایک بار رونقِ شہر کی سی چہل پہل نظر آنے لگی۔

لاکھوں پیاسے آتے ہیں ساقی بھی لٹاتا رہتا ہے
اک فیض کا دریا "دریا" میں ہر وقت لبالب رہتا ہے

ان دنوں نوائے وقت کے ایک صحافی نے دریا کی پُر کیف روح پرور کیفیت کی منظر کشی اس طرح کی تھی "جب میں سرزمینِ دریا میں داخل ہوا، لہلہاتے کھیت

خاموش فضا میں لاؤڈ اسپیکر سے ایک صدا جو کبھی پنڈی میں سنتا تھا آ رہی تھی ''حاجت روا کوئی نہیں، مشکل کشا کوئی نہیں، الا اللہ'' یہ وہ منادی تھی جو ربع صدی سے زائد عرصہ سے پنڈی میں سنائی دیتی تھی۔ قریب پہنچا تو نظر بندی کے پنجرہ میں بند ایک شیر ہے جو سینکڑوں طلبہ کے حسین حلقہ میں ہر ایک کے سامنے کتاب اللہ کھلی ہوئی ہے۔ نہایت ہی بارعب اور گرجدار آواز میں احکم الحاکمین کا سب سے عالیشان حکمنامہ سُنا کر مردہ دلوں کو زندہ کر رہا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت ۱۹۶۶ء)

نظر بندی کا عرصہ طویل ہوتا گیا۔ ڈیڑھ سال تک قرآن مجید کی وجد آفریں تلاوت کرنے والی آواز کو جبراً خاموش کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ شیخ نے حق گوئی، بے باکی اور حکومت پر تعمیری تنقید کا سلسلہ جاری رکھا۔ ملکی اخبارات میں عوام کے ہر طبقہ کی طرف سے زبردست احتجاج کے ذریعہ حکومت پر دباؤ بڑھتا گیا جس سے ایک عالم ربانی کو محض ''جرم حق گوئی'' کی پاداش میں نظر بند کرنے کی وجہ سے حکومت سخت بدنام ہو چکی تھی۔ اس عرصہ میں شیخ کے ضمیر کو خریدنے، دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ آپ کی آواز کو دبانے اور حق گوئی کی سودہ بازی کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں لیکن حکمران ٹولہ کی کوئی سازش اس مردِ آہن کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ لا سکی۔ بالآخر حکومت نے مجبور اور بے بس ہو کر پندرہ ماہ کے بعد ترجمانِ حق و صداقت کو آزاد کر دیا۔

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں ۔۔۔ دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی ۔۔۔ کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

حضرت شیخ کی رہائی کی خبر خفیہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی اس کے باوجود یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح علاقہ میں پھیل گئی۔ ادھر راولپنڈی کے لوگ شہر سے ۹ میل دور ترنول کے مقام پر استقبال کے لئے جمع ہو گئے جن میں علماء، معززین شہر، دکلا، طلباء اور بہت سے دوسرے لوگوں نے پر تپاک خیر مقدم کیا اور کاروں اور موٹر سائیکلوں کے عظیم الشان جلوس کی صورت میں راولپنڈی لایا گیا۔ بیشمار عقیدتمند دارالعلوم تعلیم القرآن میں بھی جمع ہو چکے تھے اور ایک عالیشان جلسہ کی صورت بن گئی۔ جس سے مقرر شعلہ نوا ضیاء القاسمی اور دوسرے علماء نے خطاب کیا۔ اور شیخ القرآن نے صحافی برادری اور شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی مختلف تنظیموں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے جابر حکمران کے ظالمانہ فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور بالآخر حکومت کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

شیخ نے ہر دور میں جرأت، دلیری اور بے جگری کے ساتھ کلمہ حق بلند کیا حکومت وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق گوئی کا مظاہرہ کیا اور یہی وہ جرم بے گناہی تھا جس کی وجہ سے ہر حکومت کے معتوب رہے اور کئی بار پابند سلاسل کئے گئے ضلع بدری اور نظر بندی کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے لیکن کبھی بھی مداہنت اور مصلحت بینی کو شیوہ نہ بنایا۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّآ أَنْ يُّؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ

غمے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم   جرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

ملک محمد فضل کا سانحۂ ارتحال

اسی نظر بندی کے اندوہگین ایام کے دوران حضرت شیخ کے سوتیلے بھائی ملک محمد فضل کے انتقال کا جانگداز واقعہ بھی پیش آیا۔ مرحوم خانگی اور انتظامی معاملات میں شیخ کے دستِ راست تھے۔ بیماری کی شدت کے باعث اٹک ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ جب چراغِ زندگی گل ہونے لگا تو اپنے عظیم بھائی کے دیدار کے لئے دل بیقرار ہوا۔ اس نظر بندی کی آہنی زنجیر اس "طائرِ لاہوتی" کو "دریا" کے لہلہاتے کھیتوں سے آگے پرواز کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اور سنگدل انتظامیہ کو جاں بلب بھائی سے بھائی کا ملنا گوارا نہیں تھا۔ حالانکہ سزائے موت پانے والے مجرم کو بھی اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے۔

مگر اس شیرِ یزداں کو حق گوئی کی پاداش میں اپنے قریب المرگ بھائی کی ملاقات بھی انتظامیہ کو "اندیشہ" سے خالی نظر نہ آتی تھی۔ آخر جب بے رحم انتظامیہ نے اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو پھر شیخ نے اپنا جلال دکھایا اور انتظامیہ کو متنبہ کیا کہ میں معزز شہری ہونے کی حیثیت سے قانون کا احترام کرتا ہوں۔ تاہم اجازت نہ ملنے کی صورت میں تمام پابندیوں کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر بھائی کی ملاقات ضرور کر دوں گا۔ اس پر انتظامیہ نے نرم روی اختیار کی اور ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔

شیخ فرماتے تھے جب میں رات کے آخری حصہ میں ملک فضل کے پاس پہنچا، تو ان کی زبان پر اس آیتِ کریمہ کا ورد تھا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ۔ اور پھر چند لمحوں کے بعد طائرِ روح اس قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ گویا کہ جلبل المرتبت

بھائی کے چہرہ کے دیدار ہی کا انتظار تھا۔

ملک گیر احتجاج

شیخ القرآن کی نظر بندی کے خلاف ملک گیر احتجاج ہوا۔ کوئی تنظیم اور کوئی جماعت بلا امتیازِ مسلک ایسی نہ ہوگی جس نے اس غیر منصفانہ اقدام کی مذمت نہ کی ہو۔ جس کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہفت روزہ الاعتصام نے جو شذرہ سپردِ قلم کیا تھا وہ حسبِ ذیل ہے:۔

"مولانا غلام اللہ خانصاحب دیوبندی علماء میں معروف و مشہور شخصیت ہیں۔ آپ کا علم و ورع، جذبۂ تبلیغ، جرأتِ مؤمنانہ گذشتہ تیس سال سے زیادہ تبلیغی سرگرمیاں کسی سے مخفی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے توحید کی اشاعت جس جرأت و دلیری کے ساتھ کی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ قرآن مجید کے حلقۂ درس سے ہزار ہا طلبہ استفادہ کر چکے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن اور خطبات جمعہ کے ذریعے لکھو کھہا انسانوں تک کلمۂ حق کی آواز پہنچ رہی تھی۔ محکمہ اوقاف کا آپ کو موجودہ منصب سے الگ کر دینا یقیناً ایک خلقِ عظیم کو چشمۂ توحید و سنت سے محروم کر دینے کے مترادف ہے۔ ضلعی حکام اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو ضلع بدر کر دینے سے وہ آواز بند ہو جائے گی جو توحید و سنت اور پند و نصائح کے حق میں اٹھتی رہی ہے تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ کسی عالمِ دین کو مسجد یا مسند درس سے الگ کر دینے کا یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکل سکتا کہ تبلیغِ دین کا اُبلنے والا چشمہ بھی تشنگانِ علمِ دین کی پیاس بجھانے سے قاصر رہے گا۔ مولانا موصوف جہاں بھی تشریف فرما ہوں گے، عقیدتمند

پیدا ہوں گے، توحید کی آواز اٹھے گی، درس و تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگا۔ رسائل و اخبارات شائع ہوں گے۔ بدعت و شرک کے قلعے مسمار اور جعلی نبوت کے گھروندے زمیں بوس ہوں گے۔ (الاعتصام ۲۶ مئی ۱۹۶۶ء)

"مولانا غلام اللہ خان پر مذہبی منافرت کا الزام بہتانِ عظیم ہے۔ انہیں ضلع بدر کرنے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو شدید ٹھیس پہنچی ہے" (مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری امیر جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ" (نوائے وقت ۵ مئی ۱۹۶۶ء)

"مولانا غلام اللہ خان کو ضلع بدر کرنا انتقامی کاروائی ہے۔ حکومت اب دین میں بھی مداخلت پر اتر آئی ہے۔"

(شریف احمد خان سرحد زونل کونسل مسلم لیگ کے پبلسٹی سکرٹری (روزنامہ نوائے وقت ۵ مئی ۱۹۶۶ء)

"علماء کرام پر پابندی کا مطلب ملک سے اسلام کو ختم کرنا ہے۔"

(جامع مسجد عنایت شاہی ٹیکسلا میں ایک اجتماع کی قرارداد (روزنامہ نوائے وقت ۲ مئی ۱۹۶۶ء)

"مولانا غلام اللہ خان پر مذہبی منافرت پھیلانے کا الزام سراسر بہتان ہے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ صدر چین کی آمد پر لڑکیوں کے رقص کو غیر اسلامی حرکت قرار دیا تھا۔"

(عبدالجبار گوہر۔ پراپیگنڈہ سکرٹری نظام اسلام پارٹی (روزنامہ نوائے وقت ۲ مئی ۱۹۶۶ء)

"ناچ گانے اور فحاشی کی مخالفت ہر عالمِ دین کا فرض ہے۔ مولانا غلام اللہ خان پر مذہبی منافرت پھیلانے کا الزام درست نہیں۔"

(مولانا سعد الدین صدر جمعیت اتحاد العلماء ضلع مردان۔ مولانا گوہر الرحمن ناظم اعلیٰ اتحاد العلماء ضلع مردان (روزنامہ نوائے وقت ۳۰ر اپریل ۱۹۶۶ء)

"مولانا غلام اللہ خان کو دختران ملت کے رقص کی مخالفت کے صلہ میں ضلع بدر کیا گیا ہے۔ معتوب عالم دین جہاد کشمیر کے صف اول کے لیڈر رہیں۔"

(رؤف احمد رکن اسلامی جرگہ ریاست دیر (روزنامہ نوائے وقت ۲۳ر اپریل ۱۹۶۶ء)

"حکومت نے مولانا غلام اللہ خان جیسے ممتاز علماء کرام کو اپنی غیر منصفانہ کارروائیوں کا نشانہ بنایا ہے۔ عریانی فحاشی اور ناچ گانے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا علماء کا فرض منصبی ہے۔ ملک بھر میں علماء دیوبند کے ساتھ امتیازی اور انتقامی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ اگر حکومت نے اپنی روش کی اصلاح نہ کی تو پھر عوام کے غیظ و غضب سے بچ نہیں سکے گی۔"

(مولانا غلام غوث ہزاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء اسلام (نوائے وقت ۹ر مئی ۱۹۶۶ء)

"ممتاز عالم دین مولانا غلام اللہ خان اور سابق خطیب شاہی مسجد لاہور مولانا غلام مرشد کے خلاف اقدامات مداخلت فی الدین ہے۔"

(کونسل مسلم لیگ (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۶ر اپریل ۱۹۶۶ء)

لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے خطیب پاکستان مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا عبد الحی عابد نے کہا۔

"استاذ العلماء شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ قرین انصاف نہیں۔ مولانا موصوف کی دینی اور قومی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ان پر مذہبی منا رت کا الزام جھوٹ کا پلندہ ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت ۱۲ اگست ۱۹۶۶ء)

ان دونوں بھائیوں نے ملک کے طول و عرض کا طوفانی دورہ کر کے نظر بندی کے خلاف شدید احتجاج کیا تھا جس کا اعتراف شیخ کو بھی تھا چنانچہ عمرِ عزیز کے آخری سال دورۂ تفسیر کے جلسۂ تقسیم اسناد میں مولانا قاری عبدالحی عابد کی تقریر کے بعد جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا تھا "میں ان دونوں بھائیوں کا سپاسگزار ہوں۔ دریا کی نظر بندی کے زمانہ میں جب کہ اپنوں نے بے اعتنائی برتی لیکن ان دونوں نے اپنے جمعے چھوڑے اور پورے ملک میں میری رہائی کے لئے بھرپور جدوجہد کی تھی۔

جمعیت اشاعۃ التوحید والسنہ مغربی پاکستان کا ایک اجلاس زیر صدارت مولانا محمد امیر نائب امیر جمعیت دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں منعقد ہوا جس میں ملک بھر کے علماء کرام نے شرکت کی۔ ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا "شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان پر ناروا پابندیاں عائد کرنے سے دینی حلقہ کے مسلمانوں کے دینی و مذہبی احساسات و جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ ان پابندیوں کے باعث پورے ملک کے لوگ مولانا کے علمی و دینی فیضان سے محروم کر دئیے گئے ہیں۔ یہ اجلاس حکومت سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ شیخ القرآن جیسے عظیم دینی رہنما اور اسلامی حلقہ کی مرکزی شخصیت پر عائد تمام پابندیاں فی الفور ختم کی جائیں"۔ (روزنامہ نوائے وقت ۸ اگست ۱۹۶۶ء)

"مولانا غلام اللہ خان ایک ممتاز عالمِ دین، بیباک مقرر اور حق گو فرد ہیں۔ ان کی آواز دبا کر حکومت نے کوئی سعادت حاصل نہیں کی۔ بلکہ عوام کی دل آزاری

کا ارتکاب کیا ہے۔"

(مولانا عبدالحمید قاسمی ۔ مفتی آزاد کشمیر (روزنامہ نوائے وقت ۱۸ اگست ۱۹۶۶ء)

خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی رقمطراز ہیں :۔

"شیخ جبلِ استقامت اور عزیمت کے کوہِ گراں تھے۔ آپ نے دربا کی نظربندی بہت ہی جرأت اور استقلال سے کاٹی اور تمام ایام نظربندی میں جرأت و بہادری کے نادرالوقوع واقعات جریدۂ عالم پر ثبت کئے۔"[1]

اسیرش نخواہد رہائی ز بند شکارش نجوید خلاص از کمند

آغا شورش کاشمیری اس واقعہ پر اپنے تاثرات اس طرح پیش کرتے ہیں۔

مولانا غلام اللہ کا اخراج

مولانا غلام اللہ کو دینی حلقوں میں جو عزت اور وقار حاصل ہے خود حکومت کے اربابِ بست و کشاد اس سے واقف ہیں۔ وہ پاکستان کے ان گنے چنے چند علماء میں سے ہیں جن کی دینی بصیرت اور شرعی وجاہت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے توحید و سنت کی دعوت و تذکیر میں بعض بڑے اداروں سے زیادہ حصہ لیا ہے ملک کے مختلف حصوں میں ان کے عقیدتمندوں کا ایک بڑا حلقہ موجود ہے۔ خاص راولپنڈی میں انہیں جو مقام حاصل ہے وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ مدرسہ تعلیم القرآن اور اس سے ملحق جامع مسجد ان کے علم و انہماک کے شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے درجہ و مقام کا لحاظ کئے بغیر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں ضلع بدر کر دیا ہے۔ نتیجتہً وہ اپنے گاؤں میں ایک طرح سے نظربند ہو گئے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا جیسے سرکردہ عالم دین

---

[1] میرے شیخ القرآن ص۴۵

پر یہ نگاہِ کرم کیوں ہوئی لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا ہے وہ ضرور فیصلے کی غلطی کا شکار ہوئے ہیں! ول تو انہیں معلوم ہی نہیں کہ مولانا کا درجہ و مقام کیا ہے اور راولپنڈی جیسے شہر میں ان کی شخصیت کیا اثر رکھتی ہے۔ دوسرے اس قسم کے فیصلے جو اس پائے کی شخصیت کے متعلق ہوں اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں باقی رکھا جائے۔ اگر ڈپٹی کمشنر سے یہ غلطی ہو تو کمشنر کا فرض ہے کہ تصحیح کر دیں۔ مولانا غلام اللہ کے بارے میں جو کارروائی ہوئی ہے ہم اس کو حسنِ ظن کی بنا پر فیصلے کی غلطی ہی سمجھتے ہیں۔ جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ کسی لحاظ سے بھی خوش آئند نہیں معلوم ہوتا ہے مولانا کے خلاف جعلی نبوت کے گھٹیا پیروؤں سے لیکر عقائد کے خوردہ فروشوں تک نے ملی بھگت کر رکھی ہے۔ ورنہ اس قسم کی صورتِ حال کبھی پیدا نہ ہوتی۔ کمشنر راولپنڈی کا فرض ہے کہ وہ مداخلت کریں۔ صورتِ حال کا جائزہ لیں۔ اور مولانا کے خلاف جو کارروائی ہوئی ہے اس کو منسوخ کر دیں۔ اس سلسلہ میں مسجد اور مدرسہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نامناسب ہے۔ چنانچہ یہ بات حکامِ اعلیٰ کے نوٹس میں آ چکی ہو گی کہ جو پولیس افسر اپنے ہمراہ متبادل مولوی لے کر گئے تھے وہ کس طرح لوٹے مولانا غلام اللہ نے کسی مسئلہ میں قانون کی خلاف ورزی کی ہے تو ان کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے اور باندازۂ جرم سزا دی جائے۔ یہ طریقِ کار بالکل غلط ہے اور ہم سمجھتے ہیں حکومت پر نکتہ چینی کا باعث ہو رہا ہے کہ ایک عالمِ دین کو اس کے درجہ و رتبہ کا لحاظ کئے بغیر ضلع کی حدود سے نکال دیا جائے اور جس مدرسہ یا مسجد کی ان کے وجود سے رونق ہے انہیں لینے مہروں کے حوالے کر دیا جائے۔ صدرِ مملکت اور صوبائی گورنر کو خود اس صورتِ پر غور کرنا چاہیئے کہ ضلعی

حکام کے ان اقدامات کا نتیجہ کیا ہونا ہے۔ ہماری خواہش ہے اور اس خواہش میں ملک بھر کے دینی حلقوں کی خواہش بھی مضمر ہے کہ مولانا غلام اللہ پر جو پابندی عائد کی گئی ہے وہ ہٹالی جائے۔ اگر ان کے کسی خطبے سے یہ محسوس کیا گیا ہے کہ قانون وامن کی روح مجروح ہوتی ہے تو اس کا باقاعدہ احتساب کیا جائے۔ یہ غلط ہے کہ انہیں پنڈی سے نکال دیا جائے، ان کی نقل وحرکت پر پابندی لگادی جائے اور ان کی جگہ ایک دست پناہ کو مقرر کیا جائے۔ اور اس ساری کارروائی کو قانون کی منشا کا نام دیا جائے۔

ضلعی حکام کے ایسے ہی فیصلوں سے حکومت پر جا و بے جا نکتہ چینی کے دروازے کھلتے ہیں۔ خرابی یہ ہے کہ ان فیصلوں کا فائدہ تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو مقامی طور پر ملی بھگت میں شریک ہوں اور تنقید ان پر ہوتی ہے جنہیں ان فیصلوں کا سرے سے علم ہی نہیں ہوتا۔ لیکن ملک کی حکومت ان کے نام پر ہوتی ہے۔[1]

---

[1] ہفت روزہ چٹان ۲ر مئی ۱۹۶۶ء

بھٹو شاہی کے خلاف للکار
اور
استقبالِ دار و رسن

قیامِ پاکستان کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حکمران طبقہ کی غلط روش اور مذہبی و سیاسی بے اعتدالی کے باعث شیخ القرآن نے ان کی اصلاح کے جذبے سے مثبت تنقید اپنا دینی فریضہ سمجھا۔ اگرچہ حکمران ٹولہ عبرت پذیری کے بجائے شیخ کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کرتا رہا لیکن ان کی انتقامی کارروائیوں میں شرافت کا عنصر غالب تھا۔ مگر بھٹو کے ظالمانہ و جابرانہ دورِ اقتدار میں مخالفین کے ساتھ جو شرمناک سلوک روا رکھا گیا اس کی مثال پیش کرنے سے پاکستان کی تاریخ قاصر ہے۔ چونکہ بھٹو کے منشور میں سوشلزم کی بالادستی قائم کرنا تھی اس لئے روزِ اول ہی سے علماءِ ربانیین اس جماعت کے خلاف تھے۔ بدقسمتی سے ۱۹۷۰ء کے انتخاب کے بعد بھٹو نے چالبازی سے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے

مخالفین کو نیست و نابود کرنے کے لئے جبر و استبداد کا سہارا لیا۔ پیپلز پارٹی کا چھ سالہ آمرانہ دورِ اقتدار شیخ القرآن کے لئے طویل ترین دورِ ابتلا ثابت ہوا لیکن حکومت کی متشددانہ کارروائیاں اور غیر اخلاقی حربے شیخ کو جادۂ حق سے نہ ہٹا سکے۔ اور نہ ہی دار و رسن کی روح فرسا صعوبتیں حق گوئی کے جرم سے شیخ کو روک سکیں۔ بلکہ شیخ کا جذبہ و ولولہ روز افزوں ترقی پذیر رہا۔

ع بڑھتا ہے مرا ذوقِ یقین اور زیادہ

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ کی مخالفت اپنے خون سے ہاتھ رنگین کرنے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملانا عافیت کی ضمانت ہے۔ ؂

خلاف رائے سلطاں رائے جستن   بخونِ خویش باشد دست شستن

اگر شہ روز را گوید شب است ایں   بباید گفتن اینک ماہ و پرویں

حضرت شیخ کہا کرتے تھے کہ جب حنیف رامے وزیر اعلیٰ پنجاب نے کہا "پاکستان میں سوشلزم آوے ہی آوے" تو میں نے کہا تھا۔ یہاں سوشلزم نہیں آئے گا۔ نہ تو رہے گا اور نہ تیرا باپ سوشلزم رہے گا۔ یہاں خدا کا قرآن اور سنتِ محمد مصطفیٰؐ آوے ہی آوے۔ میری اس کے ساتھ ٹکر ہو گئی۔ اس نے میرے قتل کا اعلان کروایا۔ میں کہا کرتا تھا دَمی یرمی دمیا فھو دمی و دُمی یُرمی دمی فذٰلک مرمی۔ یہ بات مولوی ہی سمجھتے ہیں کہ اس کا کیا معنیٰ بنتا ہے دَمی یرمی دمیا فھو دمی مارنے والا اور و دُمی یرمی دمیا فذٰلک مرمی۔ مارا ہوا۔ جب وہ وزارتِ اعلیٰ پر فائز ہوا تو میں پنجابی میں اس کا معنی کیا کرتا تھا!

"جھوٹے کھاندا جھوٹے، پینگاں اُتے، پنگھوڑے وچ، پنگھوڑے وچ" رامے میرا بگاڑ تو کچھ نہ سکا مجبور ہو کر بھٹو سے شکایت کی، اس کے کان بھرے کہ "ان نے تیری تیوُنوں گالیاں کڈیاں نیں" حالانکہ کسی کی بیٹی کو گالیاں دینا شریفوں کا کام نہیں، نہ ہی میرا یہ شیوہ ہے۔ میں تو جس بات کو غلط سمجھتا ہوں، ڈنکے کی چوٹ پر اسے غلط کہتا ہوں۔ بہر حال وزیر اعظم بھٹو سے ساز باز کر کے دار العلوم کا گھیراؤ کر لیا۔

اس واقعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

محاصرۂ دار العلوم

شیخ القرآن اور شیخ محمد شریف جنرل سکریٹری انجمن تاجران کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس کی بھاری جمعیت نے سر شام دار العلوم تعلیم القرآن کا محاصرہ کر لیا اور مارکیٹ کے دروازے باہر سے بند کر دئیے۔ شیخ القرآن اور شیخ شریف نے احباب سے مشورہ کے بعد کسی بھی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے دورۂ تفسیر کے سینکڑوں طلبا کو لاٹھیوں سے مسلح کر دیا۔ طلبہ نے مسجد کے اندر اور چھت پر پوزیشن سنبھال لی حضرت شیخ نمازِ عشاء کے بعد بے خوف و خطر گہری نیند سو گئے۔ چونکہ طلبہ بھی تھک گئے تھے اس لئے ناظم مولانا عمر حیات اور راقم نے سب کو سو جانے کی اجازت دے دی اور ہم دونوں مسجد کی چھت پر بیٹھ گئے۔ رات ٹھیک ایک بجے جبکہ ہر جانب خاموشی اور سناٹا تھا۔ پولیس کو یقین ہو گیا کہ تمام طلبہ سو چکے ہیں لہذا مسجد میں داخل ہو کر شیخ کو گرفتار کر لیا جائے۔ پولیس جیسے ہی پنڈی مری ٹرانسپورٹ کی عمارت کی چھت پر

چڑھی مسجد کے متصل جنوب میں پنڈی مری بسوں کا اڈہ تھا جہاں اس وقت ملکہ کلاتھ مارکیٹ تعمیر ہو چکی ہے، تو ہم نے فوراً طلبہ کو اٹھا دیا اور وہ چوکنے ہو گئے سب نے ایک ساتھ چھت پر زور سے لاٹھیاں ماریں۔ جن کی خوفناک آواز سے پولیس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ ایک قدم بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکی اور ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ پولیس کا محاصرہ رات بھر جاری رہا مگر اللہ کا شیر میٹھی نیند سو یا رہا۔ سحری کے وقت ربّ ذوالجلال کے حضور عجز و نیاز کے ساتھ سر بسجود ہو کر دیر تک اس کی کبریائی اور یکتائی کا ورد کرتا رہا۔

جس طرح رات کی تاریکی آفتاب عالمتاب کی کرنوں سے شکست کھا کر گریزاں ہو گئی، اسی طرح ایک سفاک حاکم کی "وفادار پولیس" جو شبخون مارنے میں ذلت آمیز شکست کھا چکی تھی، دن کے اجالے میں "اللہ کے شیر" پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہ پا کر مجبوراً محاصرہ توڑ کر راہِ فرار اختیار کر گئی۔

صبح تقریباً ۸ بجے شیخ القرآن اور شیخ شریف نے رفقاء سے مشورہ کے بعد گرفتاری پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ دارالعلوم کے صحن میں کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور نعروں کی گونج میں گرفتاری پیش کرنے بازار کی طرف چل دیئے۔ راجہ بازار میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا جو زبردست نعرہ بازی کر رہے تھے۔ شیخ نے ایک کار کی چھت پر کھڑے ہو کر اعلان کیا " اگر کسی کے پاس میری گرفتاری کے وارنٹ ہوں تو بڑے شوق سے گرفتار کر لے۔ اگر وارنٹ نہ ہوں تو میرے قریب آنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔"

لیکن شیخ کے جاں نثاروں کی فوجِ ظفر موج کی موجودگی میں کون اپنے بچوں

کو بتیم کرانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد شیخ اپنے ساتھی شیخ شریف کی معیت میں اپنی کار میں سوار ہو کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی کار روانہ ہوتے ہی سفید کپڑوں میں ملبوس چار آدمی دوڑ کر ایک سفید رنگ کی کار میں سوار ہوئے۔ اس پر لوگوں کو شبہ گذرا کہ یہ پولیس ملازمین ہیں جو شیخ کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب کریں گے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے کار روک لی۔ جب تسلی ہو گئی کہ شیخ شہر سے نکل چکے ہوں گے تب انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

بعد ازاں معلوم ہوا کہ شیخ ٹیکسلا کی طرف نکلے تھے۔ ترنول پہنچ کر گاڑی کھڑی کرائی اور ڈرائیور سے کہا دیکھو کوئی پولیس کی گاڑی پیچھے آرہی ہے یا نہیں۔ ڈرائیور نے کہا کوئی سرکاری گاڑی نظر نہیں آتی۔ شیخ کہنے لگے "پھر ہمارا دماغ تو خراب نہیں کہ ہم بھاگتے جائیں۔ چلو واپس میرے طلبہ کا سبق ضائع ہو رہا ہے" وہاں سے واپس آکر قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ چند دن گذرنے کے بعد شیخ کو بالکل تنہا پاکر پولیس نے گرفتار کر لیا۔

یہ شیخ کی جرأتِ ایمانی کا کرشمہ تھا کہ مسلح پولیس کی بھاری نفری ایک تہیدست درویش منش عالمِ ربانی کو گرفتار کرنے کے لئے گھنٹوں نہیں، کئی کئی دن سوچ کی موج میں گم رہتی تھی۔

سرکاری غنڈوں کی مسجد کے اندر غنڈہ گردی

۲۶ راپریل ۷۷ ۱۹ء بروز بدھ حضرت شیخ القرآن کو ضلع بدری کا پروانہ ملتا ہے۔ اور کیمبلپور پہنچا دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ کی حق کی للکار نے حکمران ٹولہ کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ ضلع بدر کر کے بھی انہیں سکھ کی نیند نصیب نہ ہو سکی۔ ۵ رمئی کو گرفتار کر کے جہلم میں پس دیوارِ زنداں بھیج دیا! ادھر ایک انتہائی گھناؤنی، روح فرسا اور دل آزار سازش کے تحت ۶ رمئی بروز جمعۃ المبارک پیپلز پارٹی کے غنڈوں اور پولیس نے دار العلوم تعلیم القرآن کی عالیشان مسجد پر ہلہ بول دیا۔ خانۂ خدا میں نمازیوں اور طلبا پر بے دریغ سنگ باری کی مسجد میں شراب کی بوتلیں پھینکیں۔ مسجد کا تقدس پامال کرتے ہوئے پولیس اور پی پی کے غنڈوں نے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں پر لاٹھیاں برسائیں۔ مسجد کی کھڑکیوں اور دروازوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ تین بجے شام سے سات بجے رات تک یہ غنڈہ گردی جاری رہی عصر، مغرب اور عشاء کی اذان اور جماعت ہنگامہ کی نذر ہو گئی۔ آخر آٹھ بجے رات طلبہ اور نمازیوں کو گرفتار کر کے ہری پور اور اٹک جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ خانۂ

خدا کی بے حرمتی کی دلیرانہ جسارت اور مسجد میں درندگی اور بربریت کے مظاہرہ کی تفصیلات عالمی نشریاتی ادارہ بی بی سی اور آل انڈیا ریڈیو نے بھی نشر کیں۔ پاکستان کی تاریخ میں مساجد کے تقدس کو تاخت و تاراج کرنے کی اس سے زیادہ شرمناک مثال نہیں ملتی۔ بایں ہمہ غنڈوں کو ندامت کے آنسو بہانے کی بجائے "بڑے صاحب" کو خوش کرنے کے لئے اس پر ناز تھا۔

جب کچھ عرصہ بعد شیخ کو رہا کر دیا گیا تو جمعہ کے خطبہ میں مسجد کے سانحہ پر اسطرح اپنا ردِ عمل ظاہر کیا۔

"حکومت والوں نے مسجد کے تقدس کو پامال کر کے انتہائی سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ دار العلوم کے علماء، طلباء اور نمازیوں کو زدوکوب کیا۔ اور گرفتار کیا ہے۔ مسجد میں شراب کی بوتلیں پھینکیں۔ حالانکہ تمہاری دشمنی تو ہمارے ساتھ تھی اور میں تمہارے پاس جیل میں تھا۔ تم مجھ سے انتقام لے سکتے تھے۔ مجھے گولی سے اُڑا سکتے تھے اس پر مجھے افسوس نہ ہوتا۔ بلکہ میں خدا کے حضور سرخرو ہو کر پیش ہوتا۔ مگر تم نے جس کمینگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اس پر کافروں نے بھی تمہیں ملامت کی ہے۔ بی بی سی کی نشریات میں تمہاری اس ایمان سوز حرکت کی مذمت کی گئی ہے۔ تم نے لاہور میں مسجد شہداء اور مسلم مسجد کے اندر بھی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے اور کئی مساجد کی بیحرمتی کی ہے۔ ان شاء اللہ یہی حرکات تمہاری تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ میری فریاد اس خدائے ذوالمنتقم کی بارگاہ میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ خُذْهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ   یا اللہ تو ان کو ایسا پکڑ جیسا غالب

مساجد کی بے حرمتی سے تم نے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ تمہارا خیال تھا کہ اس طرح ہم قوم کو بے حس کر دیں گے لیکن قوم کے جذبات اور بھی زیادہ بھڑک اٹھے ہیں۔ انہیں دبانا اب تمہارے بس کا روگ نہیں۔"

قتل کی سازش

نشۂ اقتدار میں بدمست وزیر اعظم بھٹو اپنے مخالفین کے وجود کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ مخالف خواہ اس کی پارٹی کا جنرل سکرٹری ہو۔ سیاسی لیڈر ہو یا کوئی عالم دین ہو۔ انہیں ایسی ایسی اذیتناک، کربناک اور شرمناک سزا دی جاتی کہ اگر اس کا چراغ زندگی گل نہ بھی ہوتا تو اس کا شمار زندوں میں نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس کی مخالفت کرنے سے پہلے عبرتناک انجام پر غور کر لینا ضروری تھا اسی جرم کا ارتکاب شیخ القرآن نے نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ بارہا کیا تھا۔ اس لئے حکومت نے انہیں اپنے راستہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی متعدد بار کوشش کی جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکی۔

ایک مرتبہ حکومت نے شیخ کے قتل کے لئے ایف ایس ایف کے دو کارندے مامور کئے جو سفید کپڑوں میں کئی دن دارالعلوم کی مسجد میں ڈیرہ ڈالے رہے۔ مگر حق تعالیٰ نے شیخ کی حفاظت فرمائی اور وہ میلی آنکھ سے دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔ پیپلز پارٹی کے ظالمانہ اور وحشیانہ دورِ اقتدار کے زوال کے بعد ان دونوں ملازمین نے حضرت شیخ القرآن کی خدمت میں حاضر ہو کر اس امر واقعہ سے

آگاہ کیا تھا کہ ہمیں آپ کو قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا مگر طلبہ اور نمازیوں کی موجودگی اور کسی غیبی رکاوٹ کے باعث ہم ایسا نہ کر سکے۔

مولانا محمد اسحٰق مہتمم جامعہ علوم الشرعیہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دنوں میں رات کے گیارہ بجے کسی نے میرے دروازہ پر دستک دی۔ کچھ دیر میں نے اٹھنے میں توقف کیا لیکن باربار دستک کے باعث اٹھنا پڑا۔ دروازہ کھولا تو ایک سی آئی اے کا انسپکٹر کھڑا تھا جس کے ساتھ میرے اچھے مراسم تھے۔ وہ مجھے ویرانہ میں لے گیا اور وہاں زاروقطار رو رو کر کہنے لگا خدا کے لئے شیخ القرآن کی حفاظت کا فی الفور انتظام کر لو ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا میں ابھی ابھی ایک اہم اجلاس سے آ رہا ہوں جہاں چار مختلف ایجنسیوں کے چار انسپکٹر شیخ کے قتل پر مامور کئے گئے ہیں۔ جن میں میں بھی شامل ہوں۔ بدقسمتی سے وہ تینوں شیخ کو پہچانتے نہیں ہیں نشاندہی کرنا میرے ذمہ ہے۔ شیخ جہاں کہیں ہیں انہیں کہہ دیں کہ جی ٹی روڈ اور اس کے آس پاس کہیں بھی نہ آئیں، ورنہ انہیں دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی۔

شیخ القرآن اس رات دینہ میں تھے جہاں قاضی غلام مصطفےٰ مرجان والے بھی ساتھ تھے اور اگلے روز لاہور ہائیکورٹ سے شیخ نے ضمانت کرانی تھی۔ چنانچہ رات کے ایک بجے شیخ کے صاحبزادے قاضی احسان الحق اور مولانا محمد اسحٰق دینہ پہنچے، اور انہیں حالات سے آگاہ کیا۔ اسی وقت شیخ میرپور چلے گئے اور لاہور جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے حکومت کی سازش کو ناکام بنا دیا۔

ایک مرتبہ ایک وفاقی وزیر نے جس کا تعلق ضلع اٹک سے تھا حضرت شیخ القرآن کو ملاقات کے لئے بلایا۔ اور ملاقات کے لئے ایک گمنام جگہ کا انتخاب کیا۔ حضرت شیخ احقر کو بھی ہمراہ لے گئے۔ وزیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بڑی منت وسماجت سے بار بار کہا "مولانا آپ میرے حلقہ انتخاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالات کی سنگینی سے آپ کو آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ خدا کے لئے آپ مرزائیوں اور حکومت کی مخالفت چھوڑ دیں۔ آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آپ کا نام سرفہرست ہے میں آپ کو ہمدردانہ اور خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ اپنی جانِ عزیز پر رحم کھائیں اور مخالفت کی روش ترک کر دیں۔" حضرت شیخ نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ وزیر موصوف کا شکریہ ادا کیا۔ مگر قتل کے ڈر سے حق گوئی سے باز آجانا ع

این خیال است ومحال است وجنوں

البتہ مخلص اور غمگسار رفقاء کے اصرار پر حضرت شیخ کچھ دنوں کے لئے منظرِ عام سے روپوش ہو گئے۔ بعد میں بدستور اپنی آتشبار تقریروں سے خرمنِ باطل کو خاکستر کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

۱۹۷۴ء کا ذکر ہے کہ سی آئی ڈی کا ایک انسپکٹر جو شیخ القرآن کا شیدائی تھا اس نے شیخ کے برخوردار ملک محمد شفیق کو تنہائی میں لے جا کر سر پر قرآن مجید رکھ کر کہا کہ خدا کے لئے پانچ منٹ کے اندر اندر حضرت شیخ کو مسجد سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دو۔ وزیر اعظم بھٹو کے حکم پر ایف ایس ایف کی گارڈ شیخ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ مبادا وہ ظالم اپنے مذموم

عزائم میں کامیاب ہو جائیں۔

حضرت شیخ اس وقت دورۂ تفسیر پڑھانے میں مشغول تھے کہ ملک شفیق نے انہیں یہ پیغام پہنچایا۔ شیخ نے طلبار سے کہا۔ آپ حضرات بیٹھیں میرے کچھ مہمان آگئے ہیں لہٰذا کچھ دیر کے لئے میں جاتا ہوں۔ مسجد کے عقب میں گاڑی کھڑی تھی۔ شیخ کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا گیا اور ان کے ساتھ لاہور کے مولانا لطیف الرحمٰن کو بٹھا دیا اور ملک شفیق فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ شیخ کی گاڑی دارالعلوم کے متصل ڈنگی کھوئی سے نکل کر ٹائروں والے بازار کا موڑ کاٹ رہی تھی کہ ایس ایف ایس کی گاڑی ڈنگی کھوئی سے بازار دالگراں کے موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ دو منٹ پہلے شیخ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعدازاں نہ صرف پورے شہر میں پولیس کو چوکنا کر دیا گیا۔ بلکہ شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں پر جا بجا پولیس نے ناکہ بندی کر لی۔

شیخ کی گاڑی چاہ سلطان، چکلالہ سے ہوتی ہوئی ہائی وے پر پہنچ کر لاہور کی سمت روانہ ہو گئی۔ رواٹ پہنچنے پر پولیس نے گاڑی روکی لیکن قدرتِ خداوندی کا عجب کرشمہ ظاہر ہوا۔ اور قرآن مجید کی اس آیت کا قابلِ رشک منظر دیکھنے میں آیا۔

فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ — پس ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے۔

(سورۂ یٰسٓ ۹) — لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔

حضرت شیخ گاڑی میں موجود ہیں، گاڑی رکی ہوئی ہے۔ پولیس ایک ایک آدمی سے پوچھ گچھ کر رہی ہے مگر اسے حضرت شیخ کو شناخت کرنے کی توفیق ہی

نہ ہو سکی۔ سو ہاوہ پہنچنے تک شام ہو چکی تھی۔ رات کے طویل سائے ہر سمت پھیل چکے تھے۔ رات کی تاریکی بھی شیخ کی ہمدم و غمگسار بن گئی اور انہیں اپنے دامنِ عافیت میں لے کر منزل مراد تک پہنچانے میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔ سو ہاوہ پولیس نے گاڑی روکی۔ لیکن اس میں بیٹھے ہوئے علماء کی صورتیں حضرت شیخ سے مطابقت و مماثلت نہیں رکھتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے گاڑی جانے کی اجازت دے دی۔ ترکی کے پہاڑوں کے دامن میں حضرت شیخ نے اپنے رفقاء کی معیت میں نماز مغرب ادا فرمائی اور پھر نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ دینہ پہنچنے پر بھی مسلح پولیس نے استقبال کیا۔ لیکن اسے بھی ناکامی و نامرادی ہی سے پالا پڑا۔ کیونکہ گاڑی میں جتنے چہرے سامنے دکھائی دے رہے تھے ان میں شیخ القرآن کا نورانی چہرہ نظروں سے اوجھل تھا۔ اس طرح اللہ کریم نے وہاں سے گذر جانے میں کامیابی سے ہمکنار فرما دیا۔

بعد ازاں حضرت شیخ نے فرمایا کہ جہلم کے پل پر سخت چیکنگ ہو گی۔ وہاں سے بچ نکلنا بظاہر ناممکن ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ ہم رخ تبدیل کر لیں۔ ساتھی بھی اس تجویز سے متفق ہو گئے لہذا دینہ شہر سے کچھ فاصلہ پر واقع اپنے ایک معتمد ساتھی چوہدری فضل الٰہی کے مکان پر فروکش ہوئے اور ٹیکسی ڈرائیور کو اجرت دے کر فارغ کر دیا۔ اگرچہ اب بفضلہ تعالیٰ ایک پُرسکون اور محفوظ مقام پر پہنچ چکے تھے مگر اس بات کا خطرہ شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے کہ ٹیکسی ڈرائیور جو ایک عام قسم کا آدمی ہے کہیں پولیس کے سامنے راز فاش نہ کر دے اور تمام کوشش اور جدوجہد پر کہیں پانی نہ پھر جائے۔ اس لئے ڈرائیور کو اجرت دے کر

خوش بھی کیا اور اسے تاکید فرمائی کہ ہمیں کوئی خطرہ درپیش ہے اس لئے خدارا کسی آدمی سے ہمارے یہاں آنے کی بات نہ کرنا۔ اگرچہ ڈرائیور نے قسم کھا کر اطمینان دلا دیا تھا لیکن پھر بھی احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ازبس ضروری تھا۔

اس لئے شیخ نے فضل الٰہی صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر مبر پور جا کر قیام کیا۔ اور پھر چند دن بعد دورۂ تفسیر کے طلباء کو وہاں بلا لیا اور ایک مکان کے احاطہ میں قرآن کی نغمہ سرائی شروع فرما دی۔

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب تحریکِ ختم نبوت پورے زور شور سے جاری وساری تھی اور انتہائی تیزی کے ساتھ کامیابی کی منازل طے کر رہی تھی قومی اسمبلی نے مرزائیت کی تکفیر پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔ صرف وزیر اعظم بھٹو کے دستخط ہونا باقی تھے۔ مفتی محمود صاحب نے بھٹو سے ملاقات کے دوران شکایت کی کہ آپ خواہ مخواہ شیخ القرآن کو تنگ کر رہے ہیں۔ ان کی نہ صرف گرفتاری بلکہ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اگر ان پر ہاتھ ڈالا گیا تو پھر تم بھی کرسئ اقتدار پر متمکن نہیں رہو گے۔ بھٹو بیحد عیار تھا۔ موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھانا اس کا شیوہ تھا۔ اس نے مفتی محمود صاحب کو تسلی دلائی کہ اب شیخ کے خلاف کسی قسم کی کاروائی عمل میں نہیں لائی جائے گی۔ آپ انہیں کہہ دیں وہ اپنے دارالعلوم میں آجائیں۔ اگرچہ مفتی صاحب بھی مطمئن ہو گئے تھے لیکن جو خفیہ اطلاعات شیخ کو پہنچ رہی تھیں، ان کا تقاضا یہی تھا کہ فی الحال منظرِ عام پر آنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی دوران ۷ ستمبر کو قادیانیوں کے خلاف تاریخی فیصلہ صادر ہوا اور دارالعلوم تعلیم القرآن کے عظیم الشان جلسۂ عام میں یہ ایمان افروز مژدہ

سنایا گیا۔ مگر حضرت شیخ اس جلسہ میں تشریف نہ لا سکے تھے۔ بعد میں جب تسلی ہو گئی اور حالات کا دھارا بدل گیا تو شیخ نے پھر سے اپنی دینی مصروفیات دار العلوم میں شروع فرما دی تھیں۔

شیخ نے اپنی زندگی کی آخری تقریر کے اختتام پر سکھر میں فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ بھٹو نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا۔ کوثر نیازی نے کہا کہ مجھے وزیر اعظم نے حکم دیا ہے کہ مولانا کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ۔ میں جانے پر آمادہ نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی لالچ میں مجھے شکار نہ کر لے اور میرے ایمان میں کمزوری نہ آجائے۔ میں ملاقات سے بچنے کے لئے اپنے آبائی گاؤں درّیا چلا گیا لیکن پولیس بھی پیچھے پہنچ گئی۔ اُس نے کہا کہ کل بارہ بجے آپ کی ملاقات کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ میں نے کہا مجھے کچھ کام ہے اس لئے ملاقات کرنے سے قاصر ہوں۔ پولیس والوں نے کہا اگر آپ سیدھے ہاتھ سے نہیں جائیں گے تو ہم مجبوراً الٹے ہاتھ سے لے جائیں گے۔ آخر مجبور ہو کر چلا گیا اور خدا سے دُعا بھی کرتا رہا کہ وہ مجھے استقامت عطا فرمائے۔

جب اس کے پاس پہنچا واللہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہو کر مجھے گلے لگا لیا۔ اور کہنے لگا "میں بہادر آدمی کو دوست رکھتا ہوں۔ میں نے سُنا ہے آپ بڑے بہادر اور حق بیان کرنے والے ہیں۔ یار تو کہہ نہیں سکتا، بھائی کہہ سکتا ہوں۔ تم بھی مجھے بھائی کہو گے یا نہیں" میں نے کہا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور آپ بھی بھائی ہیں دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کہنے لگا۔ "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ" میں

نے کہا میں تو چھوٹا سا زمیندار ہوں، کھانے کے لئے غلہ آجاتا ہے۔ کہنے لگا نہیں نہیں میں اس وقت تک جانے نہیں دوں گا جب تک کسی خدمت کا موقع نہیں دو گے" میں دعا کر رہا تھا یا اللہ اس آزمائش سے بچانا۔ میں نے اب تک کسی حکومت سے کبھی کچھ لیا نہیں لیکن وہ اصرار پر اصرار کئے جا رہا تھا۔ آخر میں نے کہا۔ جب کبھی کوئی ضرورت پیش آئی تو عرض کر دوں گا۔ کہنے لگا "بس بس ٹھیک ہے" اپنے سکریٹری افضل کو مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا کا جب بھی فون آئے اسی وقت مجھ سے ملایا جائے۔

میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک بات پیش کر دی کہ آپ نے قادیانیوں کو قانوناً کافر ہونے کا فیصلہ دے دیا ہے۔ تو اب انہیں کلیدی اسامیوں سے ہٹانا بھی ضروری ہے۔ کہنے لگا اچھا انہیں جلد ہٹا دیا جائے گا۔

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں اَنَا وَلَا غَیْرِیْ کا ورد کیا کرتا تھا۔ آمرانہ اور جابرانہ ذہنیت کا مالک تھا اور تقریباً چھ سال تک جبر و استبداد کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ لیکن دنیا نے وہ وقت بھی دیکھا جب اسے پابجولاں کر کے پسِ دیوارِ زنداں پہنچا دیا گیا تھا۔

میں ربِّ ذوالمنتقم کی شان پر حیران ہوں کہ جیل کی جن کوٹھڑیوں میں بھٹو نے ہمیں قید کیا تھا انہی میں اسے بھی قید کیا گیا۔

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ۔	زمانے کو ہم لوگوں میں یونہی پھراتے رہتے ہیں۔

ایک کوٹھڑی میں سردار شوکت حیات تھا اور ساتھ والی میں، میں تھا۔

میں نے جب یہ خبر اخبار میں پڑھی تو کہا " واہ میرے مولا واہ، قربان تیرے اُتے اِنّوں وی توں اُتھّے لیاندا اے جھنّے اُتّے سانوں رکھیا سی"۔

انہی چار کمروں میں کبھی بھٹو نے مجھے قید کیا تھا اور آج انہی چار کمروں میں بھٹو بھی قید ہے۔ یہی مئی اور جون کی شدید گرمیوں کے مہینے تھے اور غلام اللہ وہاں قید تھا اور آج انہی مئی اور جون کے مہینوں میں بھٹو اندر ہے۔ گویا کہ مکان بھی وہی اور زمان بھی وہی۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ (آل عمران : ۲۶)	(اے نبی) آپ فرما دیجئے۔ اے اللہ تمام سلطنت کا مالک تو ہے تو جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے۔

اللہ رب العزت بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ چاہے تو تختِ بادشاہی پر بٹھا دے اور چاہے تو بادشاہوں کو بھی ذلیل و خوار کر دے۔ جو کل تک کہا کرتا تھا میری کرسی بہت مضبوط ہے، اللہ نے اس کے تکبّر کو اس طرح خاک میں ملایا کہ دنیا کے لئے باعثِ عبرت بن گیا۔

کوٹ ادو کی تقریر

حضرت شیخ کے عزیز ملک شفیق بیان کرتے ہیں :-

ایک مرتبہ شیخ نے کوٹ ادو میں تقریر کی۔ اس وقت ملک غلام مصطفےٰ کھر پنجاب کا وزیر اعلیٰ تھا اور صوبے کا ہر فرد اس کے جبر و استبداد سے نالاں تھا شیخ کا موضوع مسئلہ ختم نبوت اور مرزا قادیانی کے نظریات کفریہ کا پوسٹ مارٹم تھا لیکن ڈی سی نے تعصب سے کام لیتے ہوئے کھر کو رپورٹ پیش کی کہ مولانا غلام اللہ خان نے تمہارے خلاف تقریر کی اور تجھے گالیاں دی ہیں نشۂ اقتدار بندے کو اندھا کر دیتا ہے اور معاملہ فہمی کی صلاحیت بھی سلب کر لیتا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے حکم دیا اسے فوراً گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے اور اذیتناک سزا دی جائے۔

پولیس بلا ضمانت وارنٹ لے کر کوٹ ادو سے راولپنڈی پہنچ گئی جب کہ ان دنوں دورہ تفسیر شروع تھا اور شیخ دار العلوم میں موجود تھے۔ اتفاق سے ملک شفیق دار العلوم تعلیم القرآن کے دفتر میں تھے۔ پولیس انسپکٹر نے ملک صاحب کو اپنی آمد کی غرض و غایت سے آگاہ کیا۔ وارنٹ گرفتاری دکھائے لیکن پولیس انسپکٹر کہنے لگا ہم سرکاری ملازم ہیں اور سرکار کے صحیح یا غلط کام کی بجا آوری ہمارے فرائض منصبی میں شامل ہے مگر دار العلوم کے احاطہ میں پہنچتے ہی میرے دل کو کسی غیبی قوت نے دبوچ لیا ہے اور دل مجھے حکم دے رہا ہے کہ مولانا کو کسی صورت بھی گرفتار نہ کروں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے مگر میں یہ باتیں پیشہ ورانہ چال سے نہیں بلکہ صدقِ دل سے کہہ رہا ہوں! ورمیں نیک نیتی سے مشورہ دیتا ہوں کہ مولانا فوراً لاہور جا کر ہائی کورٹ سے ضمانت کرا لیں۔ اور یہ وارنٹ گرفتاری لے جائیں مولانا کو دکھا دیں۔

بہر حال شیخ کو انسپکٹر موصوف کا ہمدردانہ مشورہ پسند آیا۔ اسی وقت ملک شفیق کو ساتھ لیا اور بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہو گئے۔ وہاں چوہدری اسمٰعیل وکیل سے مل کر رٹ تیار کرائی اور صبح ہائیکورٹ میں رٹ دائر کر دی اور خوش قسمتی سے اگلے روز تاریخ بھی مل گئی لیکن مقدمہ جسٹس افضل ظلّہ موجودہ چیف جسٹس کے پاس گیا۔ جب وکیل کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے مشورہ دیا کہ جسٹس موصوف ضمانت نہ لینے میں مشہور رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آج پیش نہ ہوں اور کل کو ہم کوشش کر کے کسی دوسرے جج کے ہاں مقدمہ منتقل کرا لیں گے مگر شیخ کا اصرار تھا کہ پہلی فرصت میں ضمانت ہو جائے تاکہ میرے دینی مشاغل متاثر نہ ہوں چوہدری اسماعیل نے دوسرے وکلاء سے مشورہ کیا۔ سبھی کی یہی رائے تھی کہ جسٹس افضل ظلّہ کی عدالت میں پیش نہیں ہونا چاہیئے وہ یقیناً ضمانت مسترد کر دے گا۔ لیکن شیخ کسی صورت میں بھی اپنا وقت ضائع کرنے پر رضامند نہیں ہو رہے تھے آخر وکیل نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں جج کے سامنے پیش نہیں ہوں گا۔ آپ بیشک پیش ہو جائیں۔ ضمانت مسترد ہو جانے کی صورت میں میری سُبکی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود شیخ اپنے ارادہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ اور کمرۂ عدالت میں جا کر بیٹھ گئے۔ فہرست کے مطابق آپ کی پیشی کا گیارہ نمبر تھا۔ شیخ بیٹھے ذکرِ خداوندی میں مصروف رہے اور جج کی کارکردگی کا مشاہدہ بھی کرتے رہے۔ دس کی دس رٹ درخواستیں جج نے مسترد کر دیں کوئی ایک بھی منظور نہ کی۔ جب شیخ کا نام پکارا گیا تو موصوف کے وکیل چوہدری اسماعیل بادلِ ناخواستہ کھڑے ہوئے۔ جسٹس نے پہلا سوال کیا مولانا موجود ہیں؟ وکیل نے کہا۔ جی حضور۔ جسٹس صاحب نے پوچھا کہاں ہیں؟ وکیل نے

کہا یہ کمرۂ عدالت میں بیٹھے ہیں۔ جسٹس صاحب نے کہا۔ آگے آجائیں۔ حضرت شیخ سامنے پیش ہوئے۔ جسٹس صاحب نے کہا۔ کیوں مولانا۔ آپ نے کوٹ ادو میں تقریر کی ہے؟ شیخ نے اثبات میں جواب دیا۔ جج نے کہا۔ آپ نے حکومت کو گالیاں دی ہوں گی؟ شیخ خاموش ہیں۔ جج نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کوٹ ادو کس کا شہر ہے؟ اور حکومت کن لوگوں کی ہے؟ اس کے باوجود آپ وزیر اعلیٰ کے شہر میں جاکر اسے گالیاں دیں تو پھر یقیناً قابلِ دست اندازی جرم ہے۔ لیکن شیخ قطعاً خاموش ہیں اور یادِ خدا میں مصروف ہیں۔ جسٹس صاحب پھر کہتے ہیں۔ جواب تو دیں گالیاں دی ہیں یا نہیں وکیل بھی کہنے لگا۔ مولانا آپ عالمِ دین ہیں کچھ تو جواب دیں۔ ہاں یا نہ کریں۔ کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ کتنے ہی وکلاء کارروائی سن رہے ہیں جن میں کئی ایک وکلاء قادیانی بھی تھے۔ اس پر شیخ نے فرمایا۔ بات ہے صاف کہ میں نے وہاں جلسہ میں قرآن مجید کی فلاں آیت تلاوت کی تھی۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا ذکر ہے۔ اس کی تفسیر و تشریح میں احادیث بیان کی تھیں اور قرآن مجید اور احادیث شریف کی روشنی میں یہ بھی بتایا تھا کہ مرزا قادیانی کذاب ہے، دجال ہے۔ میں نے یہ بات تقریر میں بھی کہی تھی اور اب بھی کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کافر تھا اور اس کو نبی ماننے والے بھی کافر ہیں۔

اس پر جسٹس افضل ظلہ پکار اٹھے "بس بس مولانا بس" جو شخص عدالت کے اندر سچ کہنے سے نہیں ڈرتا، اسے کوئی طاقت حق گوئی سے نہیں روک سکتی۔ لہٰذا میں اسی وقت ان کی ضمانت منظور کرتا ہوں اور کوٹ ادو نہیں بلکہ میری عدالت میں ہی مچلکے بھرے جائیں اور ان کی پکی ضمانت لیتا ہوں۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

چنیوٹ میں معرکۃ الآراء خطاب

۱۹۷۶ء میں چنیوٹ کی معرکۃ الآراء تقریر جس کے بعد شیخ کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

"حفیظ پیرزادہ نے شیعہ سے مل کر سازش تیار کی اور کچھ ٹاؤٹ قسم کے مولویوں کو بھی خرید لیا۔ اور دینیات کا نصاب تیار کیا۔ شیعہ کے لئے جو نصاب تیار ہوا ہے اس میں کیا قباحتیں ہیں اور دین کے کون کون سے اساسی عقائد کو پامال کیا گیا ہے یہ داستان تو بہت طویل ہے۔ سنی بچوں کے لئے جو نصاب بنایا گیا ہے اس میں اذان نہیں۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں ہے تاکہ شیعہ ناراض نہ ہو جائیں۔ اس میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد نہیں لکھا گیا۔ جب کہ شیعہ کے نصاب میں اذان اور کلمہ دونوں میں شیعہ کے نظریات کے مطابق اضافہ کیا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ صادق حسین قریشی اقتدار کے نشہ میں شیعہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پیرزادہ سے سازباز کر کے اذان اور کلمہ طیبہ میں زیادتی کا مرتکب ہوا ہے۔ جو نصاب پیرزادہ کے ساتھ مل کر مولویوں نے تیار کیا ہے۔ اس پر خدا کی .... عوام جواب میں کہتے ہیں، لعنت، خدا کی .... لعنت۔ پیرزادہ پر خدا کی .... لعنت۔ ان مولویوں پر بھی خدا کی .... لعنت۔ اذان اور کلمہ طیبہ میں تبدیلی کرنے والوں کو ہم مسلمان نہیں سمجھتے۔ ہم کسی قسم کی کمی یا زیادتی کو گوارا نہیں کر سکتے

اب پنجاب کا وزیر اعلیٰ صادق حسین قریشی کو بنایا گیا ہے۔ صدقے جاواں او علی دیا ملنگا، صادق حسین قریشی آئے نے" آتے ہی سنیوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ ڈیرہ غازی خان کے علاقہ میں "چھوٹی زیری" کے مقام پر جبراً شیعہ کا جلوس نکلوایا۔ ڈی سی نے کہا بھی کہ اس کا لائسنس نہیں ہے، فساد کا خطرہ ہے لیکن وزیر اعلیٰ نے قطعاً پرواہ نہ کی اور کہا خواہ کچھ ہی ہو جائے جلوس نکالنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں پانچ سو سنی مسلمان زخمی ہوئے۔ کئی سو شہید ہو چکے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور آنتڑیاں نکل آئیں مسجد عیدگاہ میں گھوڑے دوڑائے گئے۔ اسی طرح کئی دوسرے ضلعوں میں بھی سنیوں کو ظلم و تشدد کا تختہ مشق بنایا گیا۔ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ مارے بھی سنی گئے اور مقدمات بھی سنیوں پر قائم کئے گئے ہیں۔

راولپنڈی میں ایک اشتہار نکالا گیا جس میں میرا نام، مفتی محمود، مولانا عبدالستار توحیدی، مولانا عبداللہ اور نورانی میاں کے متعلق لکھا تھا یہ پانچوں واجب القتل، مباح الدم ہیں۔ میں نے وہ اشتہار ڈی سی کو بھی دکھایا تھا۔ میں نے کہا کہ اگر تم نے کسی بھی عالم دین پر ہاتھ ڈالا تو پھر تمہارے ساتھ وہ کروں گا کہ تمہاری نسل بھی یاد رکھے گی۔

میں وزیر اعلیٰ پنجاب اور حکومت کو بھی کہتا ہوں کہ پاکستان کے مسلمان بے غیرت نہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دجال کی نبوت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح صحابہ کرام کی شان میں کوئی توہین آمیز کلمہ نہیں سن سکتے۔ صحابہ کرام کی شان میں جس زبان سے گستاخانہ بات نکلے گی اس بے ایمان

کی زبان کو گدی سے نکال دیا جائے گا۔ ہم صحابۂ کرام کی عزت و ناموس پر اپنی جان اپنے والدین، اولاد بلکہ ساری قوم کو قربان کر سکتے ہیں لیکن ان کی شان میں گستاخی نہیں سن سکتے۔

میں بھٹو کو بھی کہتا ہوں کہ وزیر اعلیٰ کو فی الفور برطرف کر دو۔ اور سنیوں پر ظلم و ستم ڈھانے والے ظالم بے ایمانوں کو کیفرِ کردار کو پہنچاؤ۔ "علی دیا ملنگا سونٹا ایں دَمّا بر می گیا تے توں وی نہیں رہوے گا۔"

ہم نے کئی اقتدار دیکھے ہیں۔ انگریز کا دورِ اقتدار دیکھا ہے۔ ہم اقتدار کے آگے نہ کبھی جھکے ہیں نہ جھکیں گے۔

تقریر ختم ہونے کی دیر تھی کہ پولیس نے گرفتار کر لیا اور اگلے روز فیصل آباد پہنچا دیا گیا جہاں مولانا تاج محمود وغیرہ نے پولیس سے رابطہ قائم کیا۔ اس وقت شیخ حوالات میں فرشِ خاکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا تاج محمود صاحب کا کہنا تھا کہ پولیس نے بتایا کہ ہمیں ان پر انتہائی زیادہ سختی کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ دوسرے دن شیخ کے صاحبزادہ مولانا قاضی احسان الحق اور حافظ محمد اسحاق مہتمم جامعۃ العلوم الشرعیہ بھی فیصل آباد پہنچ گئے تھے۔ وہ ملاقات کی غرض سے جیل گئے تو وہاں پولیس کی بہت سی گاڑیاں موجود پائیں۔ کچھ دیر بعد ایک بند جیپ بڑی تیزی کے ساتھ آئی اور جیل کے دروازہ کے پاس جا رکی۔ کوئی نصف گھنٹہ بعد شیخ القرآن سفید براق کپڑوں میں ملبوس آہنی زیور پہنے (ہتھکڑی لگے) جیل سے برآمد ہوئے۔ اپنے رفقاء کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے مسلح گارد اور پولیس کی بہت سی گاڑیوں کی حفاظت میں کوٹ لکھپت جیل کی

طرف روانہ ہو گئے۔

پولیس کا رویہ انتہائی درشت اور کسی خطرہ کے الارم کا پیش خیمہ نظر آتا تھا لیکن ایک ہی دن بعد کی بات ہے کہ احقر دار العلوم تعلیم القرآن کے دفتر میں بیٹھا تھا حافظ محمد صدیق ناظم اشاعت الاسلام اٹک بھی دفتر میں موجود تھے۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی احقر نے ریسیور اٹھایا۔ "میں عبدالرؤف خطیب مسجد آسٹریلیا لاہور سے بول رہا ہوں۔ آپ کو مبارک ہو کہ شیخ القرآن رہا ہو گئے ہیں" ہمیں اس تعجب انگیز بات پر کیسے یقین آئے۔ جبکہ کچھ دیر پہلے ہمارے کانوں میں خطرہ کے الارم کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ہم نے مولانا عبدالرؤف جو شیخ کے تلامذہ میں سے ہیں، کی خدمت میں عرض کیا کہ شیخ سے بات کرا دیں تاکہ طمانیت حاصل ہو جائے۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ میری رہائشگاہ پر فون نہیں ہے۔ حضرت شیخ رہائشگاہ پر تشریف فرما ہیں اور میں بازار سے فون کر رہا ہوں۔ تاہم یہ خوش آئندہ اطلاع ہمیں پوری طرح مطمئن نہ کر سکی۔ ہم نے لاہور حاجی محمد صادق صاحب کو فون کیا کہ حقیقت حال دریافت فرما کر ہمیں مطلع کریں۔ جس کی تصدیق حاجی محمد صدیق موصوف نے کر دی۔ حالات کی سنگینی کے پیش منظر یقین نہیں آ رہا تھا کہ حکومت نے اس قدر جلد شیخ القرآن کی رہائی کا پروانہ جاری کر دیا۔ لیکن جب نصرت خداوندی شامل حال ہوتی ہے تو بڑی سے بڑی مشکل کافور ہو جاتی ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

فخرِ ملت مردِ حق وہ شیخِ قرآںؒ چل بسا

وہ کہ جس کا نام نامی تھا غلام اللہ خاںؒ — وہ کہ تھا ایمان پرور جس کا اندازِ بیاں
وہ کہ جس کی زندگی تھی وقف دیں کے واسطے — وہ کہ جس کے دل میں تھا عشقِ رسول اللہؐ نہاں
وہ کہ جس کا نورِ ایمانی سے روشن تھا ضمیر — وہ کہ جس کا کلمۂ توحید تھا وردِ زباں
وہ کہ تھی جس کی غذائے روح قرآن و حدیث — وہ جو رہتا تھا خدا کے ذکر میں رطب اللساں
وہ کہ جس کا ہاتھ تھا جود و سخا کا اک سحاب — وہ کہ جس کا خوان تھا مانند دریائے رواں
دعوتِ توحیدِ حق کا جو علم بردار تھا — جس کی حق گوئی و بیباکی سے واقف ہے جہاں
شرک اور بدعات کی تردید جس کا کام تھا — سنت و توحید کی تبلیغ تھا جس کا نشاں
جس کے جوشِ حیدریؓ سے رفض تھا لرزہ بجاں — عشقِ صدیقیؓ سے جس کے کانپتا تھا قادیاں
تاج ور خائف تھے جس کی جراَتِ ایمان سے — اسوۂ "فاروقِ اعظمؓ" جس کی ہیبت کا نشاں
جس کے دل میں موجزن تھی حبِ "عثمانِ غنیؓ" — مال و جاں کی جس نے راہِ حق میں دیں قربانیاں
کانپتے تھے نام سن کر جس کا سب باطل پرست — بھاگتے تھے جس کے سائے سے شیاطینِ زماں
جس نے ہر جابر کے آگے کلمۂ حق کہہ دیا — جس نے دی ہے بتکدوں میں عمر بھر حق کی اذاں
جس نے ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے — بار بار زنداں میں جھیلیں سختیاں تنہائیاں

جس کا سینہ نورِ قرآنی سے ہو روشن ظہور
اس کے حق میں مرگ بھی ہو گی حیاتِ جاوداں

حافظ محمد ظہور [illegible]

باب ششم

فتنوں کا تعاقب

فتنوں کا تعاقب

تحاریک ختمِ نبوّت

مجلسِ عمل کا قیام

سنتِ یوسفی

دارالحکومت میں تاریخی جلوس

مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

مرزا ناصر کی مذموم سرگرمیوں پر احتجاج

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ

مشینی ذبیحہ کا المیّہ

فتنوں کا تعاقب

قدرت نے شیخ القرآن کو ان تمام اوصاف سے نوازا تھا جو فتنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونے کے لئے درکار ہوتے ہیں فتنوں کی سرزنش اور تعاقب کے لئے "ایمانی غیرت" ایسی پرجوش تھی کہ انہیں ہمہ دم ان کے خلاف بے قرار اور آتش زیر پا رکھتی تھی "شجاعت و جرأت" کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے فراعنہ اور جابر و ظالم حکمرانوں سے ٹکر لینا روزمرہ کا معمول تھا۔ علم و فضل، فہم و فراست اور سیادت و وجاہت میں اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ان کے دل میں قادیانیت کے خلاف زبردست تپش، بے چینی و بے قراری اور غیظ و غضب پایا جاتا تھا۔ اور اس شعلہ فشاں نفرت و بیزاری کا اظہار تقریروں میں کئے بغیر چین نہ آتا۔ بنابریں جب کبھی قادیانیت کی سرکوبی کا موقع آیا تو شیخ نے سب سے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔ جس کی کچھ تفصیلات، قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں :-

تحاریکِ ختمِ نبوت اور ان کا پسِ منظر

تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو لاتعداد قربانیوں کے بعد معرضِ وجود میں آیا۔ پنجاب، کشمیر اور بنگال وغیرہ کی تقسیم کے سلسلہ میں انگریز اور قادیانیوں کی ملی بھگت اظہر من الشمس تھی۔ تقسیم ملک کے بعد بدقسمتی سے چوہدری ظفر اللہ مرزائی کو وزارتِ خارجہ کا انتہائی اہم منصب تفویض کر دیا گیا۔ جس نے اس منصب کے ذریعہ مسلم قوم اور ملکِ پاکستان کے لئے تو کوئی قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی۔ البتہ اس منصب کے باعث مرزائیت کو ایک مضبوط عالمی جماعت بنانے کی مذموم سازش میں کامیاب ہو گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود اور چوہدری ظفر اللہ کی ملک دشمن سرگرمیاں ہر محبِ وطن پاکستانی کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھیں۔ وطنِ عزیز کے وجود کو تسلیم نہ کرنا اور اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگانا، کشمیر کے متعلق حکومتِ پاکستان کے موقف کی صریح خلاف ورزی جیسے کتنے ہی سنگین جرائم کے مرتکب تھے۔

چونکہ علماءِ دیوبند، بعض نامور دانشور اور سیاستدان بھی مرزائیوں کو ملک و مذہب دونوں کے لئے عظیم خطرہ قرار دیتے تھے! اور پھر ان کی سرگرمیوں سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گئی تھی۔ اس لئے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے مشترکہ طور پر ان کے خلاف تحریک چلانے کا متفقہ فیصلہ کر لیا۔

اس کی تفصیلات زیرِ تصنیف اس کتاب کا موضوع نہیں۔ اسلئے قائین

سے معذرت خواہ ہوں۔

احقر نے عرض یہ کرنا ہے کہ اس تحریک میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا کردار کیا تھا۔ اور حکومتِ وقت اور عوام کی نگاہ میں ان کی سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں۔

حضرت شیخ نے سب سے پہلے احرارِ اسلام کے سٹیج سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح کی قیادت میں مرزائیوں کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔ آپ نے ملک بھر کا طوفانی دورہ کر کے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کیا۔ اپنی آتش بیانی سے مسلمانوں کو گرمایا۔ انہیں مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور ملک و مذہب کے خلاف ان کی خطرناک سازشوں سے روشناس کیا۔ جس سے غیور مسلمانوں میں ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ ہر شخص ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر سر بکف میدانِ عمل میں نکل آیا۔

حضرت شیخ بریلوی علماء کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ہے۔ کسی معاملہ میں اِن سے اشتراکِ عمل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً اس زمانہ میں راولپنڈی کی مرکزی مسجد کے خطیب مولانا عارف اللہ شاہ قادری کے ساتھ سخت ترین معرکہ بپا تھا۔ لیکن تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر نہ صرف بریلوی علماء کو گلے لگا لیا بلکہ عالی ظرفی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے مولانا عارف اللہ شاہ کو صدر بنا کر ان کی کمان میں تحریکِ ختمِ نبوت کے لئے اپنی تمام تر خدمات وقف کر دیں۔

شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پینے اور آگ و پانی کو یکجا دیکھ کر

چشمِ فلک بھی خیرہ تھی اور شیخ برملا فرمایا کرتے تھے۔

"اگر غلام اللہ اور عارف اللہ کے وجود کی بوٹیاں بنا کر دیگ میں ڈال دی جائیں تب بھی غلام اللہ کی بوٹیاں اکٹھی نہیں رہیں گی، وہ اچھل کر باہر نکل آئیں گی لیکن تاج و تخت ختم نبوت کی خاطر میں ہر کسی کی جوتیاں اٹھانا بھی اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔"

مرزائیوں کے خلاف مسلمانوں کا غیظ و غضب ابتدا ہی سے سخت ترین تھا لیکن پاکستان کی تاریخ میں اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی مطالبہ حضرت شیخ کے دار العلوم تعلیم القرآن کے ایک سالانہ جلسہ میں حکومت کے سامنے پیش کیا گیا تھا جس کے متعلق "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" المعروف منیر انکوائری رپورٹ میں لکھا ہے۔"

"احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے راولپنڈی کی ایک کانفرنس میں کیا گیا اور اس کے بعد یکم مئی ۱۹۴۹ء کو پنڈ دادن خان کے ایک جلسۂ عام میں اس کا اعادہ کیا گیا۔[۱]

چونکہ سارے ملک میں مرزائیوں کے خلاف جلسوں اور تقریروں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اور حضرت شیخ بھی اکثر جلسوں میں شریک ہو کر مرزائیوں کے خبثِ باطن کو آشکارا کرتے تھے جس سے مسلمان بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ جیسا کہ تحقیقاتی رپورٹ میں ہے۔

"احرار نے ۷ دسمبر ۱۹۴۹ء کو نوشہرہ ورکاں میں اہلِ سنت والجماعت کے

---

[۱] رپورٹ تحقیقاتی عدالت۔ صـ۱۲

نام سے ایک جلسۂ عام منعقد کیا۔ جس میں مولوی غلام اللہ خان نے یہ کہا کہ مرزا غلام احمد دجال تھا جس کو انگریز نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی غرض سے پیدا کیا تھا۔ قادیانی لوگ خصوصاً چوہدری ظفر اللہ خان پاکستان اور ملتِ مسلمہ کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور قادیان کے لئے کشمیر کو فروخت کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

یہ تقریر زیرِ دفعہ ۱۵۳۔ الف مجموعۂ تعزیرات اور زیرِ دفعہ ۲۱ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ قانونی کارروائی کے قابل بتائی گئی۔ اور میاں انور علی ڈی آئی جی سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ کیس ہوم سکریٹری کی خدمت میں بھیجتے ہوئے دریافت کیا کہ آیا حکومت کا یہ ارادہ ہے کہ جو لوگ چوہدری ظفر اللہ کو گالیاں دے رہے ہیں اور جمہور کے ایک خاص حصے کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں، ان کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے؟

مسٹر انور علی نے اپنے تبصرہ میں ایک معاہدے کا ذکر بھی کیا جو احراریوں کے قول کے مطابق ان کے اور وزیر اعظم کے درمیان ہو چکا ہے اور اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان جو ایک سیاسی خطرہ بن چکے ہیں مرکزی وزارت سے نکال دئے جائیں۔ جب یہ کیس شعبۂ قانون کے مشیر کے پاس پہنچا تو اس نے ایک اور کیس میں اپنی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے حکم صادر کیا کہ فی الحال احرار لیڈروں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ اور حکومت ابھی حالات کا انتظار کرے گی۔"[۱]

۱؎ رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص۱۶

۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو مجلسِ عمل کے ایک وفد نے کراچی میں وزیر اعظم سے ملاقات کر کے حسبِ ذیل تین مطالبات پیش کئے جو بعد میں تحریک کے بنیادی مطالبات قرار پائے۔

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارتِ خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

۳۔ مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

جب تحریک پورے عروج پر پہنچ گئی اور ہر شہر سراپا احتجاج بن گیا تو حکومت کی طرف سے حسبِ ذیل سرکلر جاری کیا گیا۔

"ہوم سکرٹری نے مندرجہ ذیل لاسلکی پیغام فی الفور اضلاع راولپنڈی گجرات سیالکوٹ، لائل پور (فیصل آباد) منٹگمری (ساہیوال) ملتان، سرگودھا اور شیخوپورہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ارسال کر دیا۔

چونکہ احمدیوں کے خلاف شورش بدتر صورت اختیار کر گئی ہے اس لئے ذیل کے اشخاص کو زیرِ دفعہ ۳ پبلک سیفٹی ایکٹ چودہ دن کے لئے گرفتار کیجئے مزید نظر بندی کے احکام حکومت جاری کرے گی اور مناسب وقت کے اندر ارسال کر دے گی۔ آپ دونوں میں سے جو صاحب بھی صدر مقام پر موجود ہوں وہ ۲۷، ۲۸ فروری کی درمیانی رات کو یہ کارروائی کر کے تعمیل کی رپورٹ بھیجدیں۔

راولپنڈی مولوی غلام اللہ خان خطیب مسجد پرانا قلعہ"[1]

ان کے علاوہ دوسرے اضلاع کے بعض علماءِ کرام کے نام درج تھے۔

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۴۸

اگرچہ تحریک کے قائدین نے حکومت سے تصادم کی بجائے پُرامن راست اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن حکومت نے جب پورے ملک میں علماء کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں مجلسِ عمل کے سات مقتدر رہنماؤں کو گرفتار کر کے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت، دیا تو اس کے بعد پورے ملک میں گرفتاریاں پیش کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

راولپنڈی جہاں شیخ مقیم تھے، تحریک کی کیفیت کیا تھی۔ اس کی تفصیل بھی عدالتی رپورٹ سے پیش کی جاتی ہے۔

"یہاں بھی فسادات کے آغاز سے پیشتر واقعات کی رفتار بالکل صوبے کے دوسرے شہروں ہی کی مانند تھی۔ احراریوں نے احمدیوں اور ان کے مذہب کی مذمت سے کام کا آغاز کیا۔ اس کے جواب میں احمدیوں نے احراریوں کے ماضی کو اجاگر کرنا شروع کیا تاکہ پاکستان کے متعلق ان کی نیت کی نسبت جو شبہات تھے وہ قوی ہو جائیں۔ آل پارٹیز مسلم کنونشن کے بعد احراری دوسرے مذہبی فرقوں مبلغوں اور پیروؤں کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈا کا مرکز بن گئیں۔ اور جمعہ کے خطبات تو احمدی عقائد کی مذمت و مخالفت کے لئے وقف ہی کر دیئے گئے۔

نومبر ۱۹۵۲ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے جو احراریوں کے بڑے لیڈرز میں سے ہیں، لیاقت آباد کے ایک جلسۂ عام میں تقریریں کیں (یہ جلسہ حضرت شیخ کے زیرِ انتظام منعقد ہوا تھا) اس کے بعد رضاکاروں کی بھرتی اور سرمائے کی فراہمی کی مہم شدت سے شروع کر دی گئی۔

جب کراچی میں تحریک کے لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور مولوی غلام اللہ خان کو بھی ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو حکومتِ پنجاب نے گرفتار کر لیا تو دھڑا دھڑ جلوس اور جلسے منعقد ہونے لگے۔[1]

احقر کے والد گرامی بیان کرتے تھے :-

"شیخ القرآن کو کراچی مجلسِ عمل کے عہدہ داروں کی گرفتاری کی اندوہگیں اطلاع مسجد پرانا قلعہ میں خطبہ جمعہ کے اختتام پر ہوئی جس سے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی سخت غضبناک ہو کر فرمایا۔ رات کو کلاں بازار میں جلسہ ہو گا۔ اور پھر میں اپنا "ردِ عمل پیش کروں گا" نماز جمعہ میں معوذتین پڑھ کر اختصار کے ساتھ نماز مکمل فرمائی لیکن شیخ کی للکار سے ایوانِ اقتدار میں کھلبلی مچ گئی اور ان کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے انہیں پابندِ سلاسل کرنے کی سازش ہونے لگی اس سے پہلے کہ قوم کے سامنے آپ کسی انتہائی اقدام کا اعلان کرتے، اسی روز شام سے پہلے گرفتار کر لیا گیا۔

اس طرح مجلسِ عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد پورے ملک میں سب سے پہلے آپ کی گرفتاری وقوع پذیر ہوئی۔ گرفتاری کے بعد پولیس نے جس اذیتناک کمینگی کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی قابلِ نفریں تھا۔ آپ کو ایک ایسی کوٹھڑی میں رکھا گیا جہاں گدھوں، گھوڑوں اور کتوں کی غلاظت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ کئی دن اس جاں گداز تکلیف سے دوچار رکھنے کے بعد جیل بھیجدیا۔ بعد ازاں گرفتاریوں کا سیلِ بیکراں شروع ہوا۔ جس نے قصرِ اقتدار کی بنیادوں کو کھوکھلا!

---

[1] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۸۴، ۱۸۵

کر دیا۔ چار چھ ماہ بعد تمام اسیران تحریکِ ختم نبوت کی رہائی کے باوجود حکمران ٹولہ آپ کی رہائی کو برداشت نہ کر سکا۔ اور تحریک کے جن مقتدر رہنماؤں پر ناموسِ ختمِ نبوت کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہونے کے الزام میں مقدماتِ بغاوت قائم کئے گئے تھے، آپ بھی انہی کے زمرہ میں شامل تھے۔

جنوری ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ قادیانیوں نے ربوہ کے ملحقہ علاقوں میں پروپیگنڈہ کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے وقت کے علماء اور مشائخ کو دعوتِ مباہلہ دی تھی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی تھی۔ چونکہ یہ صریح جھوٹ اور کذب بیانی تھی، اس لئے ان کے کذب کو طشت ازبام کرنے کی خاطر مولانا منظور احمد چنیوٹی پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ نے خلیفۂ ربوہ کو ایک رجسٹرڈ خط کے ذریعہ ۴ جنوری ۱۹۵۶ء کو مباہلہ کی دعوت دی۔ بڑی ردوکد کے بعد بات یہاں آکر ٹھہری کہ اگر مولانا چنیوٹی کسی جماعت کی طرف سے سندِ نمائندگی پیش کر دیں تو ہم مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اس کے جواب میں مولانا چنیوٹی نے تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان اور جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے مصدقہ سندات پیش کر دیں۔ لیکن اس کے باوجود عرصۂ دراز تک ٹال مٹول کے بعد ۲۴ فروری ۱۹۶۲ء کے اخبارات گواہ ہیں کہ مرزائیوں نے مباہلہ کرنے سے صریح انکار کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں جو تحریر حضرت شیخ نے مولانا چنیوٹی کی خدمت میں ارسال کی تھی وہ حسب ذیل ہے۔

"مکرم و محترم مولانا محمد منظور صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو قادیانیوں کے مقابلہ میں مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے میں اپنی جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ اور اپنے ادارہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ آپ ہماری طرف سے نمائندہ ہیں ہمیں آپ کی نمائندگی پر اعتماد ہے۔ فقط

لاشئ غلام اللہ خان راولپنڈی ۷/۱/۶۲

(ماہنامہ تعلیم القرآن اپریل ۱۹۶۳ء ص۳۲)

تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء

مرزائیوں کی شرانگیزی کے باعث ایک مرتبہ پھر ملک کے سات کروڑ مسلمان قادیانیوں کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے اور بالآخر اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی خاطر بے پناہ قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ہُوا یوں کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نہتے مسلمان طلبہ پر مرزائی غنڈوں نے بزدلانہ حملہ کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ اس واقعہ سے مسلمان سیخ پا ہو گئے اور سخت مشتعل ہو کر مذہبی وسیاسی قائدین، طلباء اور عوام نے ملک بھر میں ایجی ٹیشن شروع کر دی۔ چونکہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہوتے ہی حضرت شیخ القرآن کو پسِ دیوارِ زنداں بھیج دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں تاجدارِ ختمِ نبوت کے ساتھ اپنے عشق و محبت کے جوہر دکھانے کا موقع میسر نہ آسکا تھا جس کی مکافات کے لئے ۱۹۷۴ء کی تحریک کی خاطر جانی، مالی، علمی اور عملی تمام تر

توانائیاں ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر نچھاور کر دیں اور تن، من، دھن کی بازی لگا کر مرزائیت کے خلاف سینہ سپر ہوں گے! ور جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلیمہ کذاب کے خلاف جہاد کی خاطر "مسجدِ نبوی شریف" کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز گردانا تھا۔ یونہی شیخ القرآن نے بھی سنت صدیقی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مرزائیت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کے لئے دارالعلوم تعلیم القرآن کی مسجد کو ہیڈکوارٹر قرار دے دیا۔

چنانچہ حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر شیخ القرآن نے شہر کے مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام کا ایک ہنگامی اجلاس ۳۰ مئی ۱۹۷۴ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں طلب کیا۔ جس میں طے پایا کہ سانحۂ ربوہ کے خلاف ۳۱ مئی کو تمام مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں صدائے احتجاج بلند کی جائے اور اس واقعہ کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے نماز جمعہ کے بعد جلوس نکالا جائے۔ جس کی ترکیب اس طرح ہو کہ تمام بڑی مساجد سے لوگ جلوس کی صورت میں راجہ بازار پہنچیں اور پھر ایک بڑے جلوس کی شکل میں حسبِ پروگرام روانہ ہو جائیں۔

چنانچہ ساڑھے تین بجے دارالعلوم تعلیم القرآن سے شیخ القرآن کی قیادت میں جلوس برآمد ہوا۔ ایک جلوس جامعہ فرقانیہ کوہاٹی بازار سے برآمد ہوا۔ جس کی قیادت مولانا عبدالحکیم کر رہے تھے۔ جبکہ مرکزی جامع مسجد سے برآمد ہونے والے جلوس کی قیادت طالب علم لیڈر شیخ رشید احمد اور مولانا فیض علی فیضی کر رہے تھے۔ اسی طرح دوسری مساجد سے بھی جلوس نکل کر راجہ بازار میں بڑے جلوس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جلوس مختلف بازاروں سے گذرتا ہوا لیاقت باغ کے وسیع میدان

میں پہنچ کر عظیم الشان جلسہ کی صورت اختیار کر گیا جس سے ہر مکتب فکر کے علمار کرام نے خطاب کیا۔ شیخ القرآن نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"سانحۂ ربوہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں ملوث تمام مجرموں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ عوام میں پائی جانے والی بے چینی کا ازالہ ہو سکے اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مسلمانوں کے دیرینہ اور متفقہ مطالبہ کو پورا کیا جائے"

مرزائیوں کے خلاف مسلمانوں میں زبردست ہیجان پایا جاتا تھا۔ ہر جانب مظاہرے اور احتجاج شروع ہو چکا تھا۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر شیخ القرآن نے ۳ جون ۱۹۷۴ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں ملک بھر کے مقتدر علمار کرام اور مختلف جماعتوں کے قائدین کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کر لیا۔ ادھر حکومت نے سانحۂ ربوہ میں ملوث مرزائی بلوائیوں کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام کرنے کی بجائے تحریک کو کچلنے کی ٹھان لی۔ اس اجتماع کو ناکام بنانے کے لئے حکومت نے تین مندوبین مفتی زین العابدین، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور علامہ تاج محمود کو لالہ موسیٰ سٹیشن پر ریل سے اتار لیا۔

بہرحال اجلاس میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ مرزائیوں کو فی الفور غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اور عوام سے مرزائیوں کی مصنوعات کا مقاطعہ کرنے اور سانحۂ ربوہ کے خلاف ہڑتال کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں ۴ جون کو پنجاب کے تمام بڑے شہروں میں مکمل ہڑتال ہوئی۔

۹ جون کو لاہور میں بیس جماعتوں کا تاریخی اجلاس ہوا۔ جس میں تمام مکاتب

فکر کے علمار اور سیاسی جماعتوں کے مندوبین شریک ہوئے۔ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنت کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے شیخ القرآن نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں مجلسِ عمل کی جانب سے ۱۴ر جون کو ملک گیر مکمل ہڑتال اور مرزائی گروہ کے ساتھ مکمل سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۳ر جون کو وزیر اعظم بھٹو کی ریڈیو سے تقریر نشر ہوئی۔ جس میں حادثۂ ربوہ کا نام تک نہیں تھا مرزائیوں کے متعلق کہا کہ یہ نوّے سال کا پرانا مسئلہ ہے۔ اتنا جلدی حل ہونے والا نہیں۔

۱۴ر جون کو مجلسِ عمل کی اپیل پر ملک میں درۂ خیبر سے کراچی اور کوئٹہ سے لاہور تک ایسی مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اور نمازِ جمعہ کے بعد ہر شہر کی بڑی بڑی مساجد میں جلسے بھی ہوئے۔ دار العلوم تعلیم القرآن میں نماز جمعہ کے بعد بہت بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں شہر کے تمام مسالک کے علمار اور طالب علم لیڈروں نے خطاب کیا۔ اگرچہ جلسہ دار العلوم کی مسجد کے اندر تھا لیکن ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ راجہ بازار میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی دار العلوم کے باہر راجہ بازار اور گرد نواح کی عمارتوں کی تین منزلہ چھتوں پر پولیس پوزیشن لئے تیار کھڑی تھی۔ گویا کہ ان کی جنگ مرزائیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ انتظامیہ جلتی پر تیل ڈالنے کی مذموم کوشش میں مصروف رہی۔ مجمع کو مشتعل کرنے کے لئے بار بار لاٹھی چارج کرتی رہی لیکن شیخ القرآن اور دیگر علمار کرام کی مدبرانہ اور دانشمندانہ رہنمائی نے عوام کے جذبات قابو میں رکھے۔ شیخ القرآن نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت مرزائیوں کے متعلق نرم گوشہ رکھتی ہے لیکن اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر پیپلز پارٹی نے اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مخالفت کی اور انہیں مسلمان قرار دینے کا فیصلہ کیا تو ہم ان کے ایسے فیصلہ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے اس دیرینہ مطالبہ کو پورا کیا جائے۔ ورنہ اس راہ میں حائل ہونے والی "چٹانوں" کو ہم پاش پاش کر دیں گے اور اعلان کیا کہ احتجاج مؤثر طریقے سے جاری رکھتے ہوئے ۳۰ رجون تک شہر کی ہر بڑی مسجد میں جلسے منعقد ہوتے رہیں گے"

چنانچہ شیخ نے بڑی مستعدی اور جوش و ولولہ کے ساتھ دیگر علماء کی ہمرکابی میں تمام جلسوں میں شرکت کی اور اپنے پہلے سے طے شدہ تبلیغی پروگرام منسوخ کر دئے۔

۱۶ رجون کو حضرت شیخ مجلسِ عمل کے اجلاس میں شرکت کے لئے فیصل آباد تشریف لے گئے۔ جہاں تمام مکاتب فکر کے مندوبین کے اتفاق رائے سے علامہ سید محمد یوسف بنوری کو مجلسِ عمل کی صدارت کا منصب تفویض کیا گیا۔ اجلاس میں طے پایا کہ "تحریک کو پُرامن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور سول نافرمانی کا شکار ہونے سے بچایا جائے اور قادیانیوں کا بائیکاٹ جاری رکھا جائے"۔ جب کہ حکومت کا رویہ انتہائی جارحانہ تھا۔

"مجلسِ عمل کی پالیسی تو یہ تھی کہ حکومت کے ساتھ تصادم سے بہر صورت گریز کیا جائے۔ لیکن حکومت نے ملک کے چپے چپے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ پریس پر پابندی عائد کر دی۔ انتظامیہ نے اشتعال انگیز کارروائیوں سے کام لیا۔ و-

مسلمانوں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ چنانچہ سینکڑوں اہلِ علم اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا۔ انہیں ناروا اذیتیں دی گئیں۔ کبیر والا، اوکاڑہ، سرگودھا۔ لائلپور، راولپنڈی اور کھاریاں وغیرہ میں دردناک واقعات رونما ہوئے جن کو مظلومانہ جبر کے ساتھ برداشت کیا گیا۔ صرف ایک شہر اوکاڑہ میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر بارہ دن مکمل اور مسلسل ہڑتال ہوئی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ملک بھر میں مجموعی طور پر کتنا ظلم اور اس کے خلاف کتنا احتجاج ہوا۔ جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا۔ اشک آور گیس کا استعمال بڑی فراخدلی سے ہوتا رہا۔

مجلسِ عمل کی تلقین تمام مسلمانوں کو یہی تھی کہ صبر کریں اور مظلوم بن کر حق تعالیٰ کی رحمت اور غیبی تائیدِ الٰہی کے منتظر رہیں۔ قریباً پورے ایک سو دن تک ان حالات کا مقابلہ کیا گیا اور تمام سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے[1]۔

اجلاس سے واپسی پر شیخ القرآن کو گرفتار کر لیا گیا۔ جبکہ اس سے قبل پولیس نے علماء کے گھروں میں آدھی رات کو گھس کر راولپنڈی کے ۱۴ علماء اور بہت سے طالبعلم لیڈر گرفتار کر لئے تھے! ان کے ساتھ جیل میں توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا اور انہیں اخلاقی مجرموں کی طرح پابندِ سلاسل کیا گیا۔ جس کے باعث علماء نے احتجاجاً کھانے کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ لیکن عوام کے زبردست ردِّ عمل اور احتجاج سے مرعوب ہو کر وزیر اعلیٰ پنجاب حنیف رامے کی ہدایت پر ۱۷ جون کو شیخ القرآن سمیت دیگر ۱۴ علماء کرام کو رہا کر دیا گیا۔

۱۸ جون کو شیخ القرآن نے رہائی کے بعد دار العلوم تعلیم القرآن میں پریس

---

[1] ماہنامہ بینات بنوری نمبر ص ۳۵۵

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"حکومت کو چاہیئے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد اسمبلی میں پیش کرنے کی بجائے اسے بل کی صورت میں پیش کرے کیونکہ قرارداد پیش کرنا، یا اس مسئلہ کو سپریم کورٹ یا اسلامی مشاورتی کونسل میں پیش کرنا اسے کھٹائی میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ جبکہ مرزائیوں کے مسئلہ پر ۱۹۵۳ء میں ۳۳ علمائے دین اپنا فیصلہ دے چکے ہیں۔ اگر وزیر اعظم چاہیں تو پارٹی کے ارکان اسمبلی کو پارٹی ڈسپلن کے تحت بل کے حق میں ووٹ دینے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اس طرح مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا قانون ایک دن میں پاس ہو سکتا ہے۔ جہاں تک انہیں کلیدی اسامیوں سے ہٹانے کا تعلق ہے تو یہ کام وزیر اعظم ایک حکم کے تحت اسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح انہوں نے ۱۳۰۰ بدعنوان افسران کو برطرف کیا تھا۔ شیخ نے طالب علم لیڈروں کی رہائی کا پرزور مطالبہ بھی کیا۔

۲۸ جون کو مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں مجلس عمل کا احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں امیر مجلس عمل علامہ سید محمد یوسف بنوری، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، مولانا عبد المصطفےٰ الازہری اور علامہ تاج محمود وغیرہ نے خطاب کیا۔

۲۹ جون کو دار العلوم تعلیم القرآن میں مجلس عمل کی میٹنگ میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت پر زور دیا گیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا بل منظور ہونے تک قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ کیا جائے۔ اسی روز نماز عشاء کے بعد دار العلوم تعلیم القرآن میں جلسہ بھی منعقد ہوا۔ جس میں علامہ بنوری، مفتی محمود، شیخ القرآن

علامہ مظفر علی شمسی، مولانا ثناء اللہ بھٹہ اور دیگر علماء نے خطاب کیا! ور سندھ اور پنجاب اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرار داد پیش کرنے کی اجازت نہ دینے پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔

۳۰ رجون کو دار العلوم تعلیم القرآن میں مجلسِ عمل کا اجلاس زیر صدارت علامہ محمد یوسف بنوری منعقد ہوا۔ جس میں تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے شرکت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ "قادیانیوں کی عسکری و نیم عسکری تنظیموں کو غیر قانونی قرار دیا جائے اور ان کے تمام فنڈز منجمد کئے جائیں"۔

۲۱ رجولائی کو دار العلوم تعلیم القرآن میں مجلسِ عمل کے اجلاس میں عوام کو صبر و تحمل کے ساتھ مطالبات منظور ہونے تک تحریک جاری رکھنے اور مرزائیوں کے ساتھ سوشل بائیکاٹ قائم رکھنے کی اپیل کی گئی۔ اسی روز شیخ القرآن نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ سوشل بائیکاٹ کے متعلق مجلس عمل کے فیصلہ پر عمل پیرا ہونے کی عوام کو تاکیدِ مزید کی۔

۴ر اگست کو دار العلوم تعلیم القرآن میں مجلسِ عمل کا اجلاس ہوا۔ جس میں علماء کرام اور طلباء کی گرفتاری کی مذمت کرتے ہوئے اسے حکومت کی شر انگیز کارروائی قرار دیا۔

دار الحکومت میں تاریخی جلوس

مجلسِ عمل کے ایک اجلاس میں طے پایا کہ راولپنڈی و اسلام آباد کے تمام خطباء آمدہ جمعہ کو نمازِ جمعہ کے بعد مرکزی جامع مسجد اسلام آباد میں جمع ہوں اور جلوس کی شکل میں گورنمنٹ ہاسٹل سے گزرتے ہوئے قومی اسمبلی ہال پہنچ کر وزیر اعظم بھٹو کو ایک یادداشت پیش کریں۔ حسبِ پروگرام نماز جمعہ کے بعد بہت بڑی تعداد میں

علمائے کرام مرکزی جامع مسجد اسلام آباد پہنچ گئے۔ جہاں عظیم الشان جلسہ کرنے کے بعد ہزاروں کی تعداد میں علماء، وکلاء، سیاسی لیڈر، طالب علم لیڈر اور عوام کا جلوس شیخ القرآن کی قیادت میں روانہ ہوا۔ گرمی کی شدت کے باعث پسینہ میں شرابور، عارضۂ قلب میں مبتلا ستر سالہ پیر جواں عشقِ نبوی سے سرشار شیخ القرآن خراماں خراماں گورنمنٹ ہاسٹل کی طرف جا رہے ہیں۔ مرزائیوں کی اشتعال انگیز کارروائیوں اور حکومت کی سردمہری کے خلاف جلوس کے شرکاء زبردست غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔

گورنمنٹ ہاسٹل کو جانے والی سڑک پولیس نے بلاک کر رکھی تھی۔ مسلح پولیس کی بہت بڑی تعداد دیکھ کر جلوس کے شرکاء مشتعل ہو گئے اور پولیس کا گھیرا توڑ کر برابر آگے بڑھنے لگے۔ ہاسٹل کے پاس پولیس نے پھر ناکہ بندی کر لی۔ اتنے میں مفتی محمود اور دوسرے معزز ممبران اسمبلی تشریف لے آئے! ور مفتی صاحب نے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے ان کی جدوجہد کو سراہا اور انہیں یقین دلایا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے تک ہم بھی تمہارے شانہ بشانہ شریکِ کار رہیں گے۔ جلوس کے شرکاء اسمبلی ہال تک جانے پر مصر تھے۔ مفتی صاحب کا بیان ختم ہوتے ہی جلوس نے پیشقدمی شروع کر دی۔ اسمبلی ہال کے قریب پہنچنے پر پولیس نے زبردست لاٹھی چارج کیا اور نہتے مظاہرین پر گولیاں برسائیں۔ مظاہرین نے پتھراؤ شروع کر دیا! ور کئی گھنٹے یہ سلسلہ جاری رہا۔

جلوس کے قائدین نے ایک مرتبہ پھر ہاسٹل کے باہر جلوس کو منظم کیا اور پولیس افسران سے گفت و شنید ہونے لگی کہ ہم پرامن طور پر اسمبلی ہال پہنچ کر یادداشت

پیش کر کے منتشر ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں ایک ایس۔ ایچ۔ او نے ایسی شاطرانہ چال چلی کہ سب اس کے دامِ فریب میں آگئے۔ اس نے ہاسٹل کی دیوار پر کھڑے ہو کر خطبہ مسنونہ کے بعد مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ الخ پڑھی اور ختم نبوت کے موضوع پر دھواں دھار تقریر شروع کر دی۔ لوگ پوری یکجہتی اور انہماک سے تقریر سن رہے تھے اور محظوظ ہو رہے تھے کہ ایس۔ ایچ۔ او نے پولیس کو کارروائی کرنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر پولیس نے جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا، وہ انتہائی قابلِ مذمت اور باعثِ صد نفرین تھا۔ انتہائی بے رحمی سے لاٹھیاں برسائیں اور ایسی زہریلی آنسو گیس کے گولے پھینکے کہ خدا کی پناہ۔ بہت سے علماء وکلاء اور طلباء شدید زخمی ہوئے۔ اشک ریز گیس سے ہاسٹل میں مقیم ممبران اسمبلی اور ان کے اہلِ خانہ بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ گیس اس قدر مہلک تھی کہ بہت سے لوگوں کو خون کی قے ہونے لگی۔ کتنے ہی علماء اور طلباء کو گرفتار کر لیا گیا جن میں شیخ القرآن کے صاحبزادے مولوی حسین علی بھی شامل تھے۔ اور زخمی ہونے والوں میں شیخ کے بڑے صاحبزادے مولانا احسان الحق بھی شامل تھے۔

لیکن شیخ القرآن نے جس بےمثال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی قابلِ رشک اور عبرت انگیز تھا۔ شدید علالت کے باوجود سکون و طمانیت اور پامردی کے ساتھ پیش آمدہ مظالم کا مقابلہ کیا۔ گیس کی شدّت سے سانس لینا دشوار ہو گیا۔ دیر تک سکتہ طاری رہا۔ لیکن معنی خیز خاموشی کے ساتھ سب کچھ برداشت کر گئے۔ بالآخر غروبِ آفتاب کے بعد لوگ گھروں کو واپس لوٹ گئے اور شیخ القرآن نے انتظامیہ سے رابطہ قائم کر کے اسیرانِ ختم نبوت کو رہا کرایا۔ تب اطمینان حاصل

ہوا۔

وہ روحِ انجمن، فخرِ چمن، معمارِ میخانہ | کہاں سے لائیں گے اہلِ وطن اب ایسا مستانہ
قلم سنگین، نگاہِ حق شناس و نکتہ رس فطرت | بیانِ دلگداز و جرأتِ بیباک مردانہ
غریقِ عشقِ حق و مستِ جامِ بادۂ سنت | وہ سرشارِ مئے عرفاں و فخرِ بزمِ رندانہ
کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ | بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

مسلمانوں کے زبردست دباؤ اور احتجاج کے سامنے آخر کار وزیرِ اعظم بھٹو کو سرنگوں ہونا پڑا۔ چنانچہ جون کے آخر میں بنگلہ دیش کے دورے پر جاتے ہوئے وزیرِ اعظم نے اعلان کیا کہ قادیانی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے قومی اسمبلی کو ایک تحقیقاتی کمیٹی کی حیثیت دے دی جائے گی۔ بنگلہ دیش کے دورے سے واپس آکر یکم جولائی ۱۹۷۴ء کو بھٹو نے قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا! اور اس میں قومی اسمبلی کو "خصوصی کمیٹی" قرار دینے کا فیصلہ ہوا۔ اور یہ بھی طے ہوا کہ کمیٹی کے لئے چالیس ارکان کا کورم ہوگا جن میں تیس ارکان حزبِ اقتدار کے اور دس حزبِ اختلاف کے ہوں گے۔ اس خصوصی کمیٹی کے سامنے دو قراردادیں بحث و تمحیص کے لئے پیش کی گئیں۔ ایک حزبِ اقتدار کی جانب سے وزیرِ قانون حفیظ پیرزادہ نے پیش کی اور دوسری حزبِ اختلاف کی جانب سے پیش کی گئی۔

۳۱ جولائی کو وزیرِ اعظم نے مستونگ بلوچستان میں اعلان کیا کہ قادیانی مسئلہ کے فیصلہ کی تاریخ کا اعلان کل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فیصلہ کے لئے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی تاریخ کا اعلان ہوا۔

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی نے قادیانی مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لئے دو

مہینے میں ۲۸ اجلاس کیئے اور ۹۶ گھنٹے نشستیں کیں مسلمانوں کی طرف سے "ملتِ اسلامیہ کا موقف" نامی کتاب اسمبلی میں پیش کی گئی۔ قادیانیوں کی ربوائی اور اور لاہوری پارٹیوں کے سربراہوں نے اپنے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے کتابچے پیش کئے۔ ربوہ جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد پر گیارہ دن تک ۴۶ گھنٹے اور لاہوری پارٹی کے امیر مسٹر صدرالدین پر سات گھنٹے جرح ہوئی۔

چونکہ وزیراعظم بھٹو قادیانیوں کے حلیف رہ چکے تھے وہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر رضامند نہیں تھے۔ وہ قادیانیوں کو کسی نہ کسی طرح آئینی تلوار کی زد سے بچانا چاہتے تھے اور اس کے لئے اپنی طاقت اور ذہانت کا سارا سرمایہ صرف کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ حزبِ اختلاف کے ارکان سے جو "مجلسِ عمل" کے نمائندے تھے، وزیراعظم کی بار بار ملاقاتیں ہوئیں۔ کئی مرتبہ صورتِ حال نازک ہو گئی۔ آخری دن تو گویا ہنگامۂ محشر تھا۔ امید و بیم کی کیفیت آخری حد و د چھو رہی تھی۔ وزیراعظم کی "انا" نے تصادم کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ حکومت کی جانب سے پولیس اور انٹیلی جنس کو حرکت کر دیا گیا تھا۔ بڑے شہروں میں فوج لگا دی گئی تھی۔ جو لوگ گرفتار تھے وہ تو تھے ہی، ان کے علاوہ ہزاروں علماء اور سرآوردہ افراد کی گرفتاری کی فہرستیں تیار ہو چکی تھیں! ادھر مجلسِ عمل کے نمائندے بھی سر بکف کفن بردوش تھے۔ گویا

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد[1]

---

[1] ماہنامہ بینات بنوری نمبر ص ۳۵۹

طالب علم رہنماؤں پر تشدّد

علمائے کرام کی طرح بہت سے طلبہ اور ان کے لیڈروں کے ساتھ بھی جیل میں حکومت نے حیا سوز سلوک روا رکھا۔ طلبہ کو برہنہ کر کے پیٹا گیا اور انہیں اذیتناک سزائیں دی گئیں آخر کار ۱۶ اگست ۱۹۷۴ء کو بیس طالب علم لیڈروں کو میانوالی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ جب یہ خوش آئند خبر شیخ القرآن کو معلوم ہوئی تو انہوں نے شمعِ رسالت کے پروانوں اور اسیرانِ ختمِ نبوت کا ریلوے اسٹیشن راولپنڈی پر استقبال کرنے اور ٹھنڈے مشروبات سے ان کی ضیافت کا پروگرام بنایا۔ اگرچہ طلبہ کی تعداد صرف بیس تھی لیکن حضرت شیخ نے کم از کم ایک سو آدمیوں کو مشروبات پلانے کی خدمت پر احقر کو مامور فرمایا۔ احقر نے مدینہ مارکیٹ کے چوکیدار ولایت کو ساتھ لیا۔ اور گاڑی آنے سے پہلے اسٹیشن پر جا کر انتظام کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ کی قیادت میں سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں دینی مدارس اور اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کا جلوس ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔

پلیٹ فارم اور باہر کے حصہ میں لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ ادھر پولیس کی مسلح بھاری جمعیت بھی طلباء کا "استقبال" کرنے کے لئے چشم براہ تھی۔

۱۲½ بجے دن گاڑی پہنچنے پر علماء اور طلباء نے رہا ہونے والے طالب علم لیڈروں کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ استقبالی طلبہ کی خواہش تھی کہ جلوس کی صورت میں اپنے ساتھی طلبہ کو دار العلوم تعلیم القرآن لے جایا جائے۔ جیل کی جاں گداز صعوبتوں سے

رہائی پانے والے طلباء ابھی پانی کا گھونٹ بھی نہ پینے پائے تھے کہ پولیس نے بڑی سنگدلی کے ساتھ لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں اور اشک آور گیس پھینکنے لگی جس سے علماء طلباء اور اسٹیشن پر موجود مسافر بُری طرح متاثر ہوئے اور بیس طلباء کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس افراتفری اور بھگدڑ میں شیخ القرآن پولیس کے ظلم و تشدد اور بربریت کے خلاف سراپا احتجاج بنے پلیٹ فارم پر تنہا کھڑے تھے۔ اشک آور گیس سے آنکھوں میں سوزش اور آنسو رواں تھے! احقر یہ کیفیت دیکھ کر فوراً کپڑا پانی سے بھگو کر لایا۔ آنکھوں پر پھیرنے سے شیخ کو راحت پہنچی اور چند لمحوں کے لئے ایک طرف بٹھایا۔ پھر طلباء کو اکٹھا کرنے کا حکم شیخ نے دیا۔ تھوڑی سی دیر میں تمام طلباء جمع ہو گئے۔ شیخ انہیں ہمراہ لے کر اسٹیشن سے باہر آئے۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جو ویگنیں، ٹیکسیاں اور کاریں طلباء کو لے جانے کے لئے پارک کی تھیں، پولیس نے سب غائب کر دیں۔ جس کی وجہ سے پیدل دارالعلوم تعلیم القرآن کو روانہ ہونا پڑا۔

دارالعلوم پہنچ کر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ القرآن نے طلباء کی تحریکِ ختم نبوت کے لئے جدوجہد اور قربانیوں پر انہیں مبارکباد پیش کی۔ اور ان کے عزم و حوصلہ کو سراہا اور اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی اور پولیس کی بے پناہ زیادتیوں اور ظلم و تشدد کی پرزور مذمت کی۔

بدینِ مصطفیٰ دیوانہ بودی فدائے ملّتِ جانانہ بودی
بہ بزمِ مارئیسِ عشق بازاں بہ رزمِ دشمناں فرزانہ بودی
بدل بودی فقیرے بے نوائے بہ قالب پیکرِ شاہانہ بودی

جن دنوں تحریک پورے عروج پر تھی اور جوش و خروش کے ساتھ منزلِ مراد کی طرف رواں دواں تھی تو وزیر اعظم بھٹو نے شیخ القرآن سے ایک ملاقات کے دوران درشت لہجہ میں کہا تھا۔

"مولانا آپ کا یہ دار العلوم ہے یا تحریکوں کا ہیڈ کوارٹر"

شیخ نے برجستہ جواب دیا۔

"وزیر اعظم صاحب میرے مدرسہ کا نام ہے دار العلوم تعلیم القرآن اور قرآن کی تعلیم یہ ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"۔

وزیر اعظم کے روبرو ایک مردِ قلندر کا اس بیباکی کے ساتھ اظہارِ حق کرنا، اسے کب گوارا ہو سکتا تھا۔ پہلے ہی سے شیخ کی سرفروشانہ سرگرمیوں اور حکومت اور قادیانیوں کے خلاف مؤثر کارروائیوں نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ گلشن رسالت کے چہکتے ہوئے اس "عندلیبِ خوش نوا" کو راستہ سے ہٹانے کی سازش ہونے لگی اور بالآخر کابینہ کے ایک اہم اجلاس میں شیخ القرآن کے قتل کا قطعی فیصلہ کر لیا گیا لیکن جسے خدا رکھے، اسے کون چکھے۔

۲۳ اگست ۱۹۷۴ء کو راولپنڈی کے تمام مکاتبِ فکر علماء کا مشترکہ جلوس نماز جمعہ کے بعد نکالنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن حکومت دفعہ ۱۴۴ نافذ کرنے کے علاوہ رعب اور دھونس کے ذریعہ بھی حضرت شیخ اور مجلسِ عمل کے دوسرے عہدیداروں کو جلوس نکالنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کرتی رہی۔ اس موقع پر خطبہ جمعہ میں حضرت شیخ نے حسبِ ذیل تقریر کی تھی۔

مَیں حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائیوں پر جن سنگدل مرزائی غنڈوں نے بزدلانہ حملہ کیا ہے انہیں فوراً گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے اور اس سازش کے اصل سرغنہ مرزا ناصر دجّال کو بھی گرفتار کیا جائے۔ حکومت کان کھول کر سن لے کہ اگر ان مرزائی دجالوں کو گرفتار نہ کیا گیا تو پھر مرزائیوں کا قتلِ عام ہوگا اور ملک بھر میں آگ لگ جائے گی اور اس کا الاؤ اس قدر شدید ہوگا کہ بھٹو اس پر قابو پانا تیرے بس میں نہیں ہوگا۔

بعض ٹوڈیانِ کرام حکومت کے پٹھو مولوی کہتے ہیں کہ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ بڑی زیادتی ہے اور وہ حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا تھا اگر کوئی کتا بھی پیاسا مر گیا تو اس کی باز پرس بھی مجھ سے ہوگی۔ میں کہتا ہوں کتے کے ساتھ ہمدردی ضرور ہونی چاہیے لیکن کسی مرزائی دجال کے ساتھ ہرگز ہمدردی نہ کی جائے۔ کیونکہ قادیانی دجال کتے سے بھی بُرے ہیں۔ کتا قرآن پر حملہ نہیں کرتا۔ کتا رسولِ خدا کی عصمت پر حملہ نہیں کرتا کتا عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ نہیں کرتا۔ لیکن قادیانی دجال قرآن پر، دینِ محمد مصطفےٰ اور انبیاءِ کرام پر حملے کرتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔

پیغمبرِ خدا، خاتم الانبیاء، مجسمۂ شرم و حیا، مجسمۂ عفت و عصمت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قادیانی دجال لکھتا ہے کہ ان کی نگاہ مائی زینب پر پڑی جبکہ وہ ننگی نہا رہی تھی، پسند آگئی۔ دل میں آیا اس کے ساتھ نکاح کروں اور طلاق حاصل کرنے سے بھی پہلے نکاح کرنے کے خیالات دل میں انگڑائیاں لے رہے تھے استغفراللہ

معاذ اللہ)

بہر حال مرزائی دجالوں کو جب تک غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جاتا اور ربوہ میں حملہ کرنے والے کتوں کو گرفتار کر کے سزا نہیں دی جاتی، ان کے خلاف مسلمانوں کی تحریک جاری رہے گی جاری رہے گی۔

حکومت نے مساجد میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے جبکہ مجلسِ عمل نے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کا فیصلہ دیا ہے۔ میں یہ بات حکومت کے گوش گذار کر دینا چاہتا ہوں کہ مجلسِ عمل کی بات مانی جائے گی اس کے مقابلہ میں حکومت کی بات کو ہم پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے۔

ہمارا جلوس بند کرنے کے لئے انتظامیہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ مجھے بار بار بلا کر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم آپ کے جذبات و احساسات کی قدر کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کے جذبات سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں لیکن جلوس نکلنے سے حالات خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ مہربانی کر کے جلوس کا پروگرام ملتوی کر دیں۔

میں یہ ما کہتا ہوں کہ جلوس ہر قیمت پر نکالا جائے گا۔ خواہ ہمیں گرفتار کر لو ہماری جان جاتی ہے تب بھی جان کا نذرانہ پیش کر کے ختمِ نبوت کا جلوس نکالیں گے۔ ہمیں گولی کھانی پڑی تو کھائیں گے۔ ہم ختمِ نبوت کے لئے اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں مگر جلوس کا پروگرام ملتوی نہیں ہوگا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مجھے گرفتار کر لیا گیا تو میں اپنی جگہ مولانا قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ کو مجلس عمل کا صدر مقرر کرتا ہوں۔ اسی طرح اگر انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا تو ان کی جگہ دوسرے

علماء جلوس کی قیادت کریں گے۔ جلوس نکالنے کا فیصلہ مجلس عمل نے کیا ہے۔
اس لئے نہ ہم جلوس کا راستہ تبدیل کریں گے نہ اس کا پروگرام ملتوی کریں گے"۔
کراچی کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے کہا تھا۔
"کئی لوگ کہتے ہیں غلام اللہ ۱۶، ۱۷ ماہ کی نظر بندی کاٹ کر آیا ہے۔ اب
تو نرم اور ڈھیلا پڑ گیا ہو گا۔ نہیں نہیں، غلام اللہ تو "ٹھلا" اسے ہو ہی نہیں
سکتا" یہ تو اجتماع ضدین ہے۔ مرزائیوں، پرویزیوں اور فضل الرحمٰن جیسے
زندیقوں کے سامنے ڈھیلا پڑ جاؤں۔

ع ایں خیال است و محال ست و جنوں

ہم نے پنجاب میں بھی یہ تحریک چلائی ہے کہ ہر ایک آدمی کی زبان پر ہو۔
"مرزائی کافر"۔ دکانداروں سے کہتا ہوں جو بھی گاہک سودا لینے آئے، اسے
دو چار آنے سودا سستا دیں اور ساتھ یہ بھی کہیں کہ یہ عقیدہ کی بات ہے کہ قادیانی
کافر ہیں۔ آپ لوگ جب اپنے گھروں میں جائیں تو بچوں اور عورتوں سے کہیں
قادیانی کافر ہیں۔ نوجوان اسکولوں اور کالجوں میں جائیں تو راستہ میں ایک دوسرے
سے کہتے جائیں، قادیانی کافر ہیں۔ جب کلاس میں جائیں تو ماسٹر صاحب سے کہیں۔
ماسٹر جی۔ قادیانی کافر ہیں۔ جہاں چند مسلمان مل بیٹھیں تو آپس میں کہیں قادیانی کافر
ہیں۔ پروفیسروں اور پرنسپلوں کو کہو، قادیانی کافر ہیں۔ اگر اس طرح دکانوں، بازاروں
اسکولوں، کالجوں، دفتروں اور گھروں میں یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو حکومت کو
بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس آواز کو مٹانا ہمارے بس کا روگ نہیں۔
قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ آخری مراحل میں

داخل ہو چکا تھا لیکن وزیر اعظم کا کردار مشکوک نظر آتا تھا۔ پولیس اور انٹیلی جنس کو چوکس کر دیا گیا تھا اور بڑے بڑے شہروں میں فوج بلالی گئی تھی۔ جبکہ سات کروڑ مسلمان قادیانیوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔ ان سے ٹکرانا بھی آسان نہ تھا۔ ایسے مجلس عمل نے الٹی میٹم دے دیا کہ اگر ۷ ستمبر تک مسلمانوں کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو ۸ ستمبر کا سورج سرخ انقلاب کا علم لئے طلوع ہو گا۔

ستمبر کی ابتدا ہی سے مجلس عمل کے مرکزی قائدین، دیگر علمائے کرام اور سیاسی لیڈروں نے دارالعلوم تعلیم القرآن میں مستقل قیام اختیار کر لیا تھا۔ رات دن میٹنگیں مشورے اور جلسے جاری رہتے اور آخری جلسہ ۷ ستمبر کو دارالعلوم ہی میں رکھا گیا۔ جس میں مطالبات منظور نہ ہونے کی صورت میں کسی انتہائی اقدام کا اعلان متوقع تھا۔ لیکن آخر کار شہیدوں کا خون رنگ لایا۔ علمائے کرام اور عوام کی بے پناہ قربانیاں بار آور ثابت ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ پورا کر دیا۔ جلسہ کے دوران ہی یہ مژدہ جاں فزا سنایا گیا کہ "مرزا غلام احمد قادیانی کی ہر قسم کی ذریت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔"

اگرچہ اس موقع پر شیخ القرآن موجود نہیں تھے لیکن ان کی مخلصانہ جدوجہد اور کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہونے پر ہر آدمی بزبانِ حال انہیں ہدیۂ تبریک پیش کر رہا تھا۔

بھٹو کے قتل کی مرزائی سازش

ایک مرتبہ مرزائیوں نے وزیر اعظم بھٹو کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازش

سازش کی۔ جو قبل از وقت بے نقاب ہو گئی اس پر شیخ القرآن نے اپنا ردِ عمل اس طرح پیش کیا تھا۔

"تم نے یہ خیال کیا کہ بھٹو کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیں گے سن لو۔ پاکستان پر قبضہ کرنے کا تمہارا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ ہم تمہارے خون سے پاکستان کو لالہ زار بنا دیں گے۔ نہ تمہارا ناصر دجال بچے گا اور نہ کوئی اور بچ سکے گا بھٹو کو قتل کرنا تو درکنار، پاکستان کو مرزائیت کی ریاست بنانا تو درکنار، تمہیں ماں نے جنا ہی نہیں کہ تم سامنے بھی آسکو۔ پاکستان پر قبضہ کرنے کی سازشیں کرنے والو! ہم پاکستان کو تمہارا قبرستان بنا کر چھوڑیں گے۔ قبضہ کرنے کے بچو تم نے ابھی تک سمجھا نہیں ہے۔ میں نے جنرل عبدالحمید کا بیان بھی پڑھا کہ" میں ذاتی طور پر مرزائی نہیں ہوں" اس وقت تو اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی مگر معلوم ہوا کہ اسے بلا جواز ترقی دے کر اعلیٰ منصب پر کسی سازش کے تحت فائز کیا گیا تھا۔ اب تو بھٹو صاحب کو بھی پتہ چل گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مرزائیوں کی وفاداریوں کا علم بھٹو کو ہو گیا ہے ہم تو کہتے کہتے مر گئے مگر یہ ماننا ہی نہیں تھا۔ اب جب اس کے اپنے سر پر پڑی ہے تو ہوش آ گیا ہے۔ ہم تو روزِ اول سے کہہ رہے ہیں کہ مرزائی پاکستان کے دشمن اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

میں وزیر مذہبی امور کوثر نیازی سے کہوں گا تم کہتے ہو جو شخص قرآن کی تحریف کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ غلام اللہ کہتا ہے خدا کی قسم مرزا قادیانی نے قرآنِ پاک کی تین سو آیات کی لفظی تحریف کی ہے جب کہ معنوی تحریف بشمار کی ہے۔ اس کی کتابوں میں سے اگر غلام اللہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔

اس تقریر کے دوران ماسٹر محمد موسیٰ امیر جمعیت علماء اسلام راولپنڈی کا ایک رقعہ شیخ کو دیا گیا جس میں تحریر تھا کہ میری ایک بھانجی نے پشاور یونیورسٹی سے امتحان میں اعزازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی ہے اور اسے انعام میں ایک قرآن مجید کا نسخہ دیا گیا جس کا انگریزی ترجمہ مرزائی قادیانی شیر علی کا ہے جو ربوہ سے شائع ہوا۔

شیخ نے کہا میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ بھٹو صاحب جب تم جانتے ہو کہ پاکستان پر قبضہ کرنے کا ناپاک منصوبہ مرزائیوں نے بنایا ہے تو اس کے باوجود ان بے ایمانوں کو اس قدر مراعات کیوں دی جا رہی ہیں۔ ان پر پابندی کیوں نہیں لگائی گئی۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ مرزائیوں پر فی الفور پابندی لگائی جائے اور ان کی تمام کتابوں کو ضبط کیا جائے۔

قادیانی مغل خاندان سے تھا

ہماری جماعت کے ایک شخص حبیب اللہ کلرک امرتسری گذرے ہیں جو تقسیم ملکی سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ وہ کھانا بہت کھایا کرتے اور کہا کرتے تھے میرا ہاضمہ بھی قوی ہے اور حافظہ بھی قوی ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کا ہاضمہ بھی خراب تھا اور حافظہ بھی خراب تھا۔ میرے خیال میں مرزا قادیانی دجال کو اپنی کتابوں کی اتنی عبارتیں یاد نہیں تھیں جتنی حبیب اللہ کلرک کو یاد تھیں۔ کتابوں کے نام صفحہ در سطر تک یاد تھی۔ کلرک موصوف نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں مرزا غلام احمد کی ماں، نانی پرنانی سے مائی حوا تک سب کے نام لکھے۔ اسی طرح قادیانی کے باپ، دادا، پردادا

تک دادا سے حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے نام ترتیب وار بیان کئے۔ گویا کہ اس دجال کا مکمل نسب نامہ لکھا تھا۔

سب مسلمان تعجب کرتے تھے کہ حبیب اللہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اس دجال کا نسب نامہ لکھنے کی "سعادت" حاصل کر رہا ہے۔ میں اس زمانہ میں نیا نیا یہاں آیا تھا۔ کوہ مری میں معمولی سی خطابت تھی۔ میں نے بھی کہا کہ آپ نے اس دجال کا نسب نامہ کیوں لکھا ہے تو وہ کہنے لگے میں نے اس کے ننہالی اور ددھیالی نسب سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب مغل خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق نہیں رکھتا۔ جبکہ قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء ان ہی کی نسل سے ہوں گے۔

وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ — اور ہم نے نبوت ان دونوں (نوح اور ابراہیم علیہما السلام) کی اولاد میں منحصر کردی

تو میں نے ثابت کیا ہے کہ جتنے مغل ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ اور جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں اسے نبوت از روئے قرآن نہیں مل سکتی۔

جن دنوں تحریک ختم نبوت چل رہی تھی، مجھ پر مقدمہ قائم تھا۔ میں ہسپتال میں بیمار پڑا تھا۔ ایک دن نماز پڑھنے مسجد میں گیا تو وہی جج صاحب ملے جن کے پاس میرا کیس تھا۔ میں نے پوچھا۔ آپ کدھر؟ کہنے لگے میں تو ریٹائر ہو چکا ہوں۔ میں نے ان سے ضمانت کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے۔ ضمانت تو جج لے لے گا اور آپ کو

بنوں جانا پڑے گا۔ میں بنوں کبھی گیا ہی نہیں تھا نہ وہاں کوئی واقفیت تھی بہرحال گاڑی لے کر بنوں مولانا صدرالشہید صاحب کے پاس چلا گیا۔ وہاں ایک مولوی صاحب آئے اور مجھ سے پوچھا آپ کا نام مولانا غلام اللہ خان ہے؟ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر دیا کہ مولانا غلام اللہ خان تشریف لا چکے ہیں وہ تقریر فرمائیں گے۔ میں نے کہا کچھ دیر آرام کر لوں پھر تقریر کروں گا۔

لیکن ان کے اعلان کرنے کی وجہ سے سی آئی ڈی اور پولیس کو فوراً اطلاع ہو گئی میں تو وہاں ضمانت کرانے گیا تھا، گرفتاری دینے کے ارادہ سے تو گیا نہیں تھا میں لیٹا ہوا تھا کہ پولیس کی بھاری نفری آ پہنچی اور میرے کمرے کا محاصرہ کر لیا! ڈی ایس پی نے میرے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا۔ میں چادر اوڑھے ہوئے تھا اسے دیکھ کر پھر چادر اوڑھ لی۔ وہ کہنے لگا مولانا! میں ڈی ایس۔ پی سٹی ہوں میں ڈپٹی کمشنر کے حکم سے آیا ہوں۔ پولیس میرے ساتھ ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں اسی وقت آپ کو بنوں شہر کی حدود سے باہر چھوڑ آؤں۔

میں نے کہا۔ میں بڑا تھکا ہوا ہوں۔ لمبا سفر کر کے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر مجھے آرام کرنے دیں۔ میں نے ابھی اتنی ہی بات کہی تھی کہ پچیس تیس پٹھان آ پہنچے۔ میں چاہتا تھا کہ پولیس کے ساتھ میرا ٹکراؤ نہ ہو بلکہ پٹھانوں کی ٹکر ہو جائے۔ پٹھانوں نے پولیس کو دیکھتے ہی یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا "پھو دی مرزائی بھائی بھائی" اور پولیس کو کہا کہ مولوی صاحب ہر حال میں تقریر کریں گے۔ میں نے کہا۔ پولیس کہتی ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے تحت آپ یہاں ٹھہر بھی نہیں سکتے اور پٹھان کہتے ہیں دفعہ ۱۰۰ کے تحت

مولوی صاحب تقریر کریں گے۔

بات جس قدر بڑھتی گئی مجمع زیادہ ہوتا گیا۔ چار پانچ سو آدمی جمع ہو گئے۔ آخر ڈی۔ایس۔پی نے مجبور ہو کر ڈی سی کو فون کیا کہ مجمع بڑھتا جا رہا ہے اور لوگ اس پر مصر ہیں کہ مولوی صاحب تقریر بہر حال ہی کریں گے۔ اب آپ بتائیں کیا کیا جائے۔ ڈی سی نے کہا۔ پھر جلدی جلدی تقریر کروا لو اور اسے شہر سے باہر پہنچا دو۔

چنانچہ ڈی ایس۔پی مجھے کہنے لگا "مولانا! لوگوں کا اصرار ہے اس لئے آپ کچھ تقریر کر لیں۔ انہیں پانچ نمازوں اور روزوں وغیرہ کے مسائل بتائیں"۔

میں نے کہا یہ مسلمان ہیں اور پانچ ہی نمازیں پڑھتے ہیں، چھ نمازیں تو کوئی نہیں پڑھتا۔ اور روزے بھی رمضان المبارک کے رکھتے ہیں۔ میں تو تقریر ختم نبوت کے موضوع پر کروں گا اور مرزائیوں کے خلاف کروں گا" مجھے بتایا گیا تھا کہ ڈی سی مرزائی ہے"۔

ڈی ایس۔پی نے اسی طرح جا کر ڈی سی کو کہہ دیا کہ وہ کہتا ہے "میں تقریر مرزائیوں کے خلاف کروں گا اور مجھے معلوم ہے کہ ڈی سی مرزائی ہے" ڈی۔سی نے کہا۔ اچھا اب تقریر جو چاہے کر لے، مگر تقریر کے بعد فوراً اسے یہاں سے نکال دو۔

بہر حال میں نے پشتو میں تقریر کی اور مرزائیوں کے خلاف تقریر کی۔ بعد میں پولیس کی دو کاریں آ گئیں۔ ان کے درمیان میری کار تھی اور مجھے میانوالی کی حدود میں پہنچا کر وہ واپس چلے گئے۔

پٹھانوں کے اس نعرہ سے میں بیحد متاثر ہوا "یہودی مرزائی بھائی بھائی"۔ یہ

حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو غلط عقائد یہودیوں کے تھے وہی گندے عقائد مرزائیوں کے بھی ہیں میں چاہتا ہوں مسلمانوں میں یہ نعرہ عام کیا جائے۔

جب ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام مرزائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ اس مردود کو موجودہ عہدے سے برطرف کیا جائے اور نوبل پرائز انعام واپس لیا جائے تو مرزائیوں نے علماء کی طرف ایک خط لکھا۔ جس میں میرے متعلق لکھا "ایک بدبخت ملّا" اس میں طرح طرح کی دھمکیاں تھیں لیکن میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم ختم نبوت کی خاطر اپنے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے تو کروا سکتے ہیں لیکن ختم نبوت کے ان ڈاکوؤں کو کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

یہ تبلیغ و ارشاد کا جذبہ صادقہ تھا کہ ہسپتال میں زیرِ علاج ہونے کے باوجود اور جبکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہیں اور جاتے ہیں ضمانت کی غرض سے۔ لیکن وہاں بھی تقریر کئے بغیر نہ رہ سکے پھر طرفہ تماشا یہ کہ قانون کا ڈنڈا بھی سر پر ہے۔ مگر عشقِ نبوی سے سرشار پچھتر سالہ بوڑھا شیر ختم نبوت کے ڈاکوؤں پر ایسا تابڑ توڑ حملہ کرتا ہے کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبال)

مرزا ناصر کی اسلام دشمن سرگرمیوں پہ شدید احتجاج

برطانیہ کے بعد حرمین شریفین کے سفر سے واپس وطن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مرزا ناصر احمد اسلام آباد میں اسلام دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ جس کے باعث حضرت شیخ نے فی الفور ۲۶ جون کو ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جس میں مولانا تاج محمود قاری محمد امین، مولانا محمد رمضان علوی اور مولانا محمد عبداللہ کے علاوہ متعدد علمائے نے شرکت کی حضرت شیخ نے حسب ذیل تحریری بیان پڑھ کر سنایا۔

"نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد:۔ یورپ کے طویل دورہ سے وطن واپس آنے کے بعد جو پہلی افسوسناک خبر سننے میں آئی وہ مرزا ناصر کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر مشتمل تھی۔

مرزائیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد جو کچھ عرصہ سے اسلام آباد میں انتشار پھیلانے اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں مصروف ہے، اس نے "مجلس عرفان" کے نام سے قرآن وسنت کا درس شروع کر رکھا ہے۔ جس میں مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ ختم نبوت اور وفات مسیح پر من گھڑت تقاریر کرتا ہے دار الحکومت میں قصرِ خلافت تعمیر کر کے ایک متوازی حکومت کا تصور پیش کر رہا ہے۔ اس قصرِ خلافت کے قریب ہی 3/7/F میں قادیانیوں کی زیرِ تعمیر مسجد ہے جس کا عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے! ور عدالتِ عالیہ کے حکم امتناعی کی رُو سے اس کی تعمیر اور وہاں قادیانیوں کا اجتماع اور عبادت ممنوع ہے۔ مگر اس کے باوجود مرزا ناصر

وہاں باجماعت نماز پڑھنا ہے۔ جو کہ صریح توہینِ عدالت ہے۔ عدالت کے حکمِ امتناعی کے باوجود زیرِ تعمیر مسجد میں کافی اضافہ کیا گیا ہے۔

اگر مرزائی اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے تو پھر ہم بھی وہاں نماز پنجگانہ اور جمعہ ادا کرنا شروع کر دیں گے اور اگر کوئی ہنگامہ ہوا تو اس کی ذمہ داری احمدیہ جماعت پر ہو گی۔"

مسئلہ ختمِ نبوت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا:۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قبر پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ایک وقت دنیا میں ان کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ چار "لا" بیحد اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک "لا" قرآن کے لئے۔ ایک "لا" حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ ایک "لا" کعبۃ اللہ کے لئے اور ایک "لا" امت کے لئے! اور میں ان میں ایک اور "لا" کا اضافہ کرتا ہوں جو بنیاد ہے ان سب "لاؤں" کی "لا الٰہ الا اللہ"۔ یعنی "لا" اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے۔ اب دیکھئے:۔

(۱) "لا" کتاب بعد القرآن	قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب نہیں
(۲) انا خاتم النبیّین "لا" نبیّ بعدی۔	میں سب نبیوں سے آخر آنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔
(۳) "لا" قبلۃ بعد بیت الحرام	بیت اللہ کے بعد قبلہ کوئی نہیں۔
(۴) "لا" امۃ بعدکم	تمہارے بعد امت بھی کوئی نہیں۔

اب قرآن کا انداز دیکھیں، قرآن کے لئے فرمایا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ۔

پیغمبر کے لئے فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔

قرآن بھی لِلنَّاسِ۔ پیغمبر کی نبوت بھی لِلنَّاسِ

کعبۃ اللہ کے متعلق فرمایا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔

امت کے لئے فرمایا۔

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

قبلہ بھی آخری، امت بھی آخری، کتاب بھی آخری اور پیغمبر بھی آخری۔ یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جس طرح قرآن بروزی نہیں، قبلہ بروزی نہیں۔ امت بروزی کوئی نہیں تو پیغمبر بھی بروزی کوئی نہیں۔ ”ہن آیا نے کھسیٹی دا پتر، بروز پروز کردا پھیرٹی شکل، کانا، بدکردار، بداخلاق، پرلے درجے دا بدمعاش“ میں کہتا ہوں کہ تم بروز ہو، لیکن انگریز شور دا بروز، دنیا جہاں کے عیبوں کا مرکب انگریز ملعون کا بروز ہے۔

آمنہ کے لال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا با اخلاق، باکردار، حسین و جمیل، عفت و عظمت کا پیکر، جمیل ایسا کہاں جیسا نہ کوئی آیا نہ آئے گا قرآن آواز دیتا ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ	حضرت محمد مردوں میں سے کسی کے
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	باپ نہیں۔ ہاں البتہ اللہ کے رسول

وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ۔ اور تمام نبیوں کے دہرا عتبار سے۔
زمانی بھی، امکانی بھی، رُتبی بھی، ختم کرنے
والے ہیں۔

یہی فلسفہ تھا کہ اللہ رب العزت نے آپ کا کوئی بیٹا جوانی تک پہنچنے ہی نہیں دیا بلکہ صغر سنّی ہی میں اپنے پاس بلا لیا۔ اگر آپ کے بیٹے زندہ رہتے تو لوگ انہیں دیکھ کر کہتے یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہے۔ یہ تو شکل و شباہت اور طور اطوار میں حضورؐ کا بالکل پرتو ہے۔ اللہ نے پسند نہیں کیا کہ کوئی ایسی بات بھی کہے۔

اب چار لَا تو سمجھ لئے ہیں۔ پانچواں لَا بھی سمجھ لیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر کھڑے ہیں اور پہلی مرتبہ پیغام دینے لگے ہیں۔

یا ایّھا الناس قولوا لا الٰہ اے لوگو۔ کہہ دو اللہ کے سوا کوئی معبود
الّا اللہ تفلحوا نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ شیطان نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد تو میں محتاط ہو گیا۔ سرگودھا کے ریگستانی علاقہ میں ایک شہر "بلند" کے مقام پر میں تقریر کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں وہاں اونٹ پر سفر کرنا ہوتا تھا۔ اب تو سڑکیں بن گئی ہیں میں نے تقریر کے دوران حدیث شریف کا یہ جملہ پڑھا۔

قولوا لا الٰہ الّا اللہ تفلحوا۔

ادھر شیطان نے اپنی پارٹی کے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ دیکھو

غلام اللہ لا الہ الا اللہ تو پڑھ رہا ہے اور محمد رسول اللہ نہیں پڑھتا۔ یہ محمد رسول اللہ کو ماننا ہی نہیں۔ ایک آدمی بڑے غصے سے کہنے لگا۔ "اگوں وی پڑھ نا۔ لڑدا ای" میں نے کہا۔ خدا کے بندے میں حدیث شریف کی عبارت پڑھ رہا ہوں۔ حدیث میں اسی قدر ہے قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔ مگر وہ بار بار کہہ رہا تھا۔ "پڑھ نا اگوں وی، پڑھ نا اگوں وی کوئی لڑدا ای"۔

میرے پیچھے قاری نور محمد صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ شیطان آگیا ہے آپ پورا پڑھ لیں۔ میں نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ کہنے لگا "من گیا ای ناں، نہیں سی مندا۔ علی، علی ہمن گیا، من گیا۔ بڑا آیا ای نہ منن والا"۔ میں نے کہا۔ خدا تجھے ہدایت دے، پوری بات سن تو لے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا۔ "او چھوڑ او چھوڑ، سنن ناسنن۔ من گیا ایں کہ نہیں منیا ایں، رسول نے منوایا کہ نہیں منوایا"۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ

صدر ایوب خان "فیلڈ مارشل" بن جانے کے بعد "مسندِ اجتہاد" پر بھی براجمان ہونے کے خواب دیکھنے لگے تھے! انہوں نے اکبر بادشاہ کی طرح دینِ الٰہی تیار کرنے کے لئے ایک کارخانہ "مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی" کے نام سے قائم کیا اور مشہور ملحد ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو امریکہ سے درآمد کر کے اس کا سربراہ بنایا۔ نشۂ اقتدار کی بدمستی، سرکاری ذرائع کی پشت پناہی، دین اور دیندار طبقہ سے عناد نے

فیلڈ مارشل ور ڈاکٹر کو اس قدر انتہا پسند بنا دیا کہ دینِ محمدیؐ کے متعلق "روایتی اسلام" "فرسودہ اسلام" اور "جامد اسلام" جیسی ایمان سوز اور دل آزار اصطلاحات کا آزادانہ استعمال کرنے لگے۔ سود اور شراب جیسی قطعی حرام چیزوں کو حلال قرار دے کر ملک میں بیحیائی اور فحاشی کو فروغ دینے کی سعی مذموم ولا حاصل کرنے لگے۔ فضل الرحمن نے "اسلام" کے نام سے انگریزی میں ایک کتاب لکھی جو ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ میں طبع ہوئی تھی۔ جس کی چیرہ دستیوں سے صحیفہ مقدس اور وحیٔ الٰہی بھی محفوظ نہ رہے۔ وہ یہاں تک جسارت کر گیا کہ قرآن کا کوئی خارجی وجود نہیں تھا، نہ کوئی فرشتہ لے کر آتا تھا۔ یہ سب (نعوذ باللہ) افسانے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجدان اور ضمیر سے جو بات اٹھتی تھی، وہی وحی اور وہی قرآن کہلاتا تھا۔

اس کتاب کے منظرِ عام پر آتے ہی شیخ القرآن نے جیّد علمائے کرام کا ایک اجلاس دار العلوم تعلیم القرآن میں طلب کر لیا۔ جس میں اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کی تدابیر زیرِ غور آئیں۔ اگرچہ ڈاکٹر فضل الرحمن اور ادارہ کے دوسرے ذمہ دار حضرات کے ملحدانہ اور ایمان سوز نظریات "فکر و نظر" اور اخبارات میں مشتہر ہوتے رہے۔ تاہم شیخ کی تجویز پر مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری مدیر ماہنامہ تعلیم القرآن اور حافظ ریاض احمد اشرفی خازن روزنامہ جنگ راولپنڈی پر مشتمل دو رکنی کمیٹی بنائی گئی۔ تاکہ کتاب کا مطالعہ کر کے اسلام کے ابدی مسلمات اور بنیادی عقائد کے خلاف گمراہ کن عبارات کی نشاندہی کریں۔ تاکہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل وضع کیا جا سکے۔ چند روز بعد کمیٹی نے اپنی رپورٹ شیخ کو پیش کر دی۔ موصوف نے علمائے کرام کا اجلاس بلا کر انہیں ڈاکٹر فضل الرحمن کے کفریات سے آگاہ کیا۔

پھر شیخ القرآن بے خوف و خطر آتشِ نمرود میں کود گئے۔ فیلڈ مارشل کے شوقِ اجتہاد اور فضل الرحمٰن کی ملحدانہ تحریفات کے خلاف سربکف ہو کر میدان میں نکل آئے اور زبردست جذبِ سرمستی، دلیری و شجاعت کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے۔ جس سے الحاد و زندقہ کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ اس عظیم فتنہ کے خلاف تندی، تلخی اور تیزی سے پے در پے ضربیں لگائیں اور اپنی آتش فشاں تقریروں سے ڈاکٹر کے "ماڈرن اسلام" کے خلاف ملک بھر میں آگ لگا دی۔ پورے ملک میں اس کے خلاف ایک طوفان بپا ہو گیا۔ علمار کرام اور عوام اس کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور فیلڈ مارشل کا مطلق العنان اقتدار اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا "ماڈرن اسلام" اس طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ بالآخر حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر فیلڈ مارشل نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کو ادارہ کی سربراہی سے برطرف کر دیا اور اس طرح عوام الناس کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے اور اپنے اقتدار کو بچانے میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا۔

کراچی کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا۔

"فضل الرحمٰن زندیق نے "الاسلام" کے نام سے کفریات سے لبریز کتاب پیش کی ہے جس میں اسلام کے نام ہی سے اسلام کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ جس میں معراج کو افسانہ، پانچ نمازوں کی جگہ تین نمازیں، قرآن کو خدا کا کلام نہیں بلکہ حضرت محمدؐ کا اپنا کلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کا مریض جیسی کفریات ہیں پھر وزیرِ قانون کا یہ کہنا کہ میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا ہے کوئی چیز اسلام کے خلاف نظر نہیں آئی۔

میں حکومت کو وارننگ دے رہا ہوں کہ تم باز آجاؤ۔ دین میں مداخلت کے

ارتکاب سے باز رہو۔ ہم دین میں مداخلت ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ تم کرسی صدارت پر متمکن ہو۔ تمہاری صدارت کا پاس لحاظ کرتے ہوئے ہم خاموشی اختیار کر لیں۔ خدا کی قسم ہم اپنے وجود کے ٹکڑے تو کروا سکتے ہیں لیکن مداخلت فی الدین ہرگز برداشت نہیں کریں گے، ہمیں تم پر ایک رتی بھی اعتماد نہیں۔

اب فضل الرحمٰن سے استعفےٰ لے لیا گیا ہے لیکن حکومت یاد رکھے اس کو ادارہ سے الگ کر دینے سے مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوں گے۔ بلکہ فضل الرحمٰن کو قرار واقعی سزا دی جائے اور اس کی کتاب کو ضبط کیا جائے۔ تم اسلام کو مٹاتے بھی جاؤ اور اسلام کا دم بھی بھرو۔ اور چھری کا نام بھی اسلام رکھ دیا۔ کتنا غضب ہے۔ کیا ہی خوب کہا ہے شیخ سعدی نے۔

شنیدم گوسفندے را بزرگے رہانید از دہان و دست گرگے

سعدی شیرازی کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ بھیڑیے نے بکرا پکڑا اور اسے مار رہا ہے اور بکرا چیخ و پکار کر رہا ہے۔ بزرگ نے دیکھا کہ بکرے کی جان جا رہی ہے۔ بھیڑیا اسے کھا جائے گا۔ بزرگ دوڑ کر بکرے کو بھیڑیے کے پنجہ سے نجات دلاؤں۔ بکرا بھی دیکھ کر خوش ہوا کہ اب میرا ہمدرد، میرا رکھوالا آ گیا ہے۔ بھیڑیا بھی گھبرا گیا کہ اب بزرگ آ گیا ہے، میری بھی خیر نہیں۔ اس نے بکرا چھوڑ دیا اور بھاگ گیا۔

شبانگہ کارد بر حلقش بمالید روان گوسفند از وے بنالید

جب رات ہوئی تو ایک نے بکرے کی ٹانگ پکڑی، دوسرے نے بھی ٹانگ پکڑی اور تیسرے نے سر پکڑ کر گرا لیا اور ذبح کرنے کے لئے گلے پر چھری چلانے

لگے، تو بکرا چیخ کر کہنے لگا۔

کہ از چنگال گرگم در ربودی — چوں دیدم عاقبت خود گرگ بودی

تم مجھے ذبح تو کرنے لگے ہو مگر کم از کم مجھے بات کرنے کا موقع تو دیا جائے تم نے بھیڑیے کے چنگل سے مجھے آزاد کرایا۔ میں اس پر تمہارا احسانمند ہوں۔ لیکن اب تم جو ظلم و ستم کر رہے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تم بھیڑیے سے کم نہیں ہو۔ اب دیکھئے کہ بکرے کی مثال تو اسلام ہے۔ بھیڑیے انگریز، ہندو اور سکھ تھے۔ اور بزرگ، پاکستانی زندیق ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور قادیانی وغیرہ تھے۔ کہ ان قادیانیوں، زندیقوں، سنت کے منکروں، دین کے دشمنوں اور دین میں مداخلت کرنے والوں نے اسلام کو جو بکرے کی مانند تھا، ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کے پنجہ استبداد سے چھڑایا لیکن اب خود اسے ذبح کر رہے ہیں۔ اب اسلام ہی کے نام سے اسلام کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ ذبح کرنے والا کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور چھری کا نام بھی اسلام رکھ لیا ہے اور ذبح بھی اسلام ہی کو کر رہا ہے۔ ایک ذمہ دار افسر نے بیان دیا ہے کہ ہم ان مولویوں کو کچل دیں گے۔ میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم دین کی خاطر کچلے جانے کے لئے سربکف تیار بیٹھے ہیں۔

عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے — عشق بے پرواہ ہے جانِ زار سے

ہم اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ "ماڈرن اسلام" کو ہرگز نہیں چلنے دیں گے۔ ہائے افسوس! خدا نے ایک ہی وجود عطا فرمایا ہے اگر سینکڑوں وجود ہوتے تو پیغمبرِ خدا کی ختمِ نبوت پر ایک ایک کر کے سب

قربان کر دیتے۔ ہم اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے۔ وجود کی بوٹیاں تو کرا سکتے ہیں مگر دین میں مداخلت ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ ظلم کی انتہا ہے کہ تم دین کی جڑیں کاٹ رہے ہو اور ہمیں بات کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

ہمارے حال پر شیخ سعدی رح کا یہ واقعہ صادق آتا ہے کہ وہ کسی مقام پر گئے تو وہاں کے لوگوں نے ان کے پیچھے کتے چھوڑے۔ سعدی پتھر اٹھانے لگے تو کورے اور برف کی وجہ سے پتھر نہ اٹھا سکے تو کہنے لگے۔

"عجب مردمانند، سگہا را کشادہ و سنگہا را بستہ اند" (عجیب لوگ ہیں کہ کتے کھلے چھوڑ دئے ہیں اور پتھروں کو باندھ رکھا ہے۔)

دین کو مٹانے والے، دین میں تحریف کرنے والے دندناتے پھر رہے ہیں۔ اور دین کے محافظوں پر بولنے تک کی پابندی لگا رکھی ہے۔

حکومت والو! کان کھول کر سن لو۔ تم جتنے چاہو مقدمے بنا لو۔ مگر غلام اللہ حق کہنے سے باز نہیں آئے گا۔"

تحریفِ دین

جنرل ضیاء الحق کے دور میں اے۔ کے بروہی نے ایک بیان دیا تھا کہ چاروں صوبوں سے ایک ایک جج لیا جائے۔ مزید ایک جج ان کا چیئرمین بنایا جائے علاوہ ازیں دو جج اور لئے جائیں۔ اس طرح سات ججوں کا ایک پینل بنا دیا

جائے جو اسلامی قوانین مرتب کرے۔ اس پر شیخ نے فرمایا:۔

میں جنرل ضیاء الحق سے کہوں گا کہ اسے ۔کے بروہی کا یہ کہنا کہ "اگر قرآن سے کوئی آدمی آئین ثابت کر دے تو میں اسے پانچ ہزار روپیہ انعام دوں گا" یہ بیان انتہائی خطرناک ہے۔ بروہی کو موجودہ منصب سے فی الفور ہٹا دیا جائے۔ یہ سات ججوں کا پینل اپنے ذہن سے قرآن و حدیث کو جس طرح سمجھیں گے ان کے نزدیک وہ دین بن جائے گا۔ اس میں نہ تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو حجت تسلیم کیا جائے، نہ صحابہ کرام کے ارشاد و عمل کو دلیل بنایا جائے اور نہ ہی امام اعظم ابو حنیفہ کے اقوال کو دلیل سمجھا جائے۔ بلکہ جو ان ججوں کا ذہن کہے وہ دین ہوگا۔ نہیں وہ دین نہیں ہوگا بلکہ نرا کفر ہوگا۔

پھر ان سات ججوں کا باپ سر ظفر اللہ جو صرف پاکستان کا ہی جج نہیں بلکہ اس سے ترقی کر کے بین الاقوامی جج بن گیا ہے۔ کیا ایسے مرزائی ججوں کے دین کو قبول کر لیا جائے گا؟ ہو سکتا ہے میری اس بات سے کوئی جج ناراض ہو جائے مگر تاریخ اس حقیقت کو دہراتی ہے کہ جو لعنت آتی ہے ان ججوں کے ذریعہ آتی ہے خاندانی منصوبہ بندی کرانے والے بھی جج تھے، مرزائیت کو اس ملک پر مسلط کرنے والے بھی جج تھے۔ میں حکومت کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ جو دین ان سات ججوں کے ذریعہ آئے گا اس لعنت کو پاکستان میں ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دین کی جو تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ بھی آپ نے اپنی ذات کی طرف سے نہیں فرمائی بلکہ اللہ کی وحی سے اللہ کے حکم کے مطابق فرمائی۔ قرآن ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۔ اپنی خواہش سے وہ (نبی کریمؐ) دین کے بارے کچھ نہیں کہتے ۔ بلکہ وہ تو سراسر وحی ہی ہوتی ہے۔

وحی کی دو قسمیں ہیں ۔ جلی و خفی یا متلو و غیر متلو ۔ وحیٔ خفی یا غیر متلو وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ مضامین اپنے نبیٔ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر القا فرماتا ہے ۔ اور یہ وحیٔ خفی ، وحیٔ جلی کی تفسیر و تشریح ہوتی ہے ۔ تو گویا یہ تشریح بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جو بزبانِ رسالت ادا کی جاتی ہے ۔

یہ وضاحت اس لئے کر دی گئی ہے تاکہ ہر آدمی اپنے ذہن سے دین کو سمجھ کر اس کی تشریح نہ شروع کر دے ۔

اللہ تعالیٰ نے ۲۳ برس یعنی ۱۳ برس مکہ مکرمہ میں اور دس برس مدینہ منورہ میں اپنی عطا کردہ تشریح کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل کروایا ۔ تاکہ دین میں کسی کو رائے زنی کی جرأت نہ ہو سکے ۔ مثال کے طور پر نماز کو دیکھ لیجئے ۔ حکم ہوتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو)

اس کا مقصد اور تشریح کیا ہے ؟ نماز کس طرح قائم کی جائے ؟ نماز کی ادائیگی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے پر نہیں چھوڑ دیا ۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا ، جاؤ پیغمبر کو نماز پڑھنے کا انداز بتا دو ۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیلؑ کی معیت میں نماز ادا فرمائی ۔ پھر آپ نے صحابۂ کرام کو بھی اسی طرح نماز سکھلائی ۔ قیام ، رکوع ، سجدہ ، قومہ اور ہر ہر حرکت و سکون اور قول و فعل

اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ادا فرمایا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا۔

صلوا کما رأیتمونی اصلی ۔ جس طرح میں نماز پڑھ رہا ہوں تم نے دیکھ لیا۔ اسی طرح تمہیں بھی نماز پڑھنی ہوگی۔

دیکھا کتنے اہتمام کے ساتھ حکم صلاۃ کی تشریح اللہ تعالےٰ نے خود کردی۔ تاکہ ذرہ برابر بھی دین میں تبدیلی نہ ہونے پائے۔ اسی طرح حج کا حکم دیا اور پھر مناسک حج اللہ تعالےٰ نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمادئے۔ یوں ہی دین کے جتنے احکام اللہ تعالےٰ نے قرآن میں عطا کئے ان کی تشریح بھی خود بتادی۔ تاکہ دین میں ہر آدمی اپنی رائے سے تشریح نہ کرسکے۔ اگر اس طرح ہر آدمی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تشریح کرنے لگے تو ہمارے پاس کونسی اتھارٹی ہوگی کہ ہم کہہ سکیں فلاں غلط ہے اور فلاں درست کہہ رہا ہے۔ جب دین کی تشریح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن پر نہیں چھوڑا۔ حالانکہ اگر ساری دنیا کے انسانوں کے اذہان کو ایک پلڑے میں رکھا جائے۔ اور دوسرے پلڑے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہنِ مبارک کو رکھا جائے تو یقیناً آپ کی ذہانت غالب رہے گی۔ دین کو اپنے ذہن اور رائے سے سمجھنا یہ اتباعِ ہوٰی ہوگی، دین نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے ضابطۂ حیات اور آئین و دستور خود اللہ تعالےٰ نے عنایت فرمادیا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے آئین میں خرابیاں اور نقائص ہوتے ہیں۔ ان میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ مگر جو دستورِ حیات آسمان سے اترا ہے، وہ ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے۔ شاعرِ اسلام اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

تو نمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　زیرِ گردوں سرِّ تمکین تو چیست

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　حکمتِ او لایزال ست و قدیم

رہزناں از حفظِ او رہبر شدند　　از کتابِ صاحبِ دفتر شدند

زندہ وجاوید کتاب صرف قرآن مجید ہے۔ توریت، انجیل اور زبور سب کی سب مبدل اور محرف ہیں۔ جو کتاب نہ بدلی اور نہ بدلی جائے، صرف قرآن مجید ہے جس کی حکمت ختم ہونے والی ہی نہیں۔ اس کتاب کے آنے سے لوگوں کی کایا پلٹ گئی رہزن، قوم کے رہبر بن گئے۔

قرآن مجید ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے اور رہنمائی کے لئے کافی شافی ہے۔

داریم باخلاص سرے بر خطِ تسلیم
با قولِ نبی چون و چرا را نہ شناسیم
قرآن و حدیث است شفائے دلِ رنجور
قانون و اشارات و شفا را نہ شناسیم

مولانا شاہ احمد نورانی نے ایک مرتبہ بیان دیا تھا کہ "پاکستان میں وہ دین نافذ کیا جائے گا جو مولانا احمد رضا خان کی کتابوں میں ہے" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نے فرمایا۔

جب سے پاکستان بنا ہے ہمارا یہ مطالبہ مسلسل جاری ہے کہ یہاں قرآن و حدیث کے آئین و قوانین کو نافذ کیا جائے۔ جو دین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے وہ یہاں لایا جائے لیکن نورانی میاں کا مطالبہ ہے کہ قرآن و حدیث

والا دین نہیں بلکہ احمد رضا خان والا دین آئے گا۔ میں مولوی احمد رضا خان کے دین کی ایک ادنیٰ سی جھلک پیش کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ — سارے نظام عالم کا مدبّر (تدبیر کرنے والا، چلانے والا) کون ہے؟

اس کے جواب میں مشرکینِ مکہ کا قول بیان کیا جاتا ہے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ — تو وہ مشرکین مکہ سب بیک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ صرف اللہ۔

اب سنیئے مولوی احمد رضا خان کا عقیدہ اور دین۔ موصوف کی کتاب "حدائق بخشش حصہ اول ص۱۲ میں ہے۔

ذی تصرف بھی ہے، ماذون بھی ہے مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبد القادر

قرآن تو کہتا ہے کہ مدبّر صرف ایک اللہ کی ذات ہے اور مشرکینِ مکہ بھی اسی کو مدبّر مانتے تھے۔ مگر رضا خانی دین میں "کارِ عالم کا مدبّر عبد القادر ہے"۔ ہم تو قرآن کو مانیں گے۔ جو عقیدہ یا شعر قرآن کے خلاف ہو، اسے جہنم میں پھینکیں گے غلام اللہ کا قصور یہی تو ہے کہ وہ کسی کا شعر یا قول دین میں حجت نہیں مانتا۔ ہمارے نزدیک حجت اللہ کا قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی ہو گا، ہم اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیں گے۔

مشینی ذبیحہ کا المیہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ نظریات کا ایک شاہکار "مشینی ذبیحہ کی حلت کا" فتویٰ بھی تھا۔ اس نے فتویٰ دیا کہ "اسلام میں مشینوں کے ذریعہ حلال مویشیوں کو ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ صرف ذبح کرنے والا شخص مسلمان یا اہلِ کتاب ہونا ضروری ہے۔" اس بیان کو اسلام میں تحریف کے مترادف قرار دیتے ہوئے ملک بھر کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے صدائے احتجاج بلند کی اور مشینی ذبیحہ کو حرام قرار دیا۔ چونکہ مذبح راولپنڈی کے قریب سہالہ میں واقع تھا اس لئے شیخ القرآن اور راولپنڈی کے دیگر علماءِ کرام پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو اُجاگر کریں۔ شیخ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ایسی مذموم حرکتوں کا اصل منشا مسلمانوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کرنا ہے۔ یہ فتویٰ قرآن و سنت کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے اور مداخلت فی الدین کی مکروہ سازش ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے جس طرح سود اور شراب کو حلال قرار دینے کی ناپاک جسارت کی تھی۔ اسی طرح اب وہ مسلمانوں کو حرام گوشت کھلانے کی شرمناک کوشش میں مصروف ہے۔ اگر حکومت نے ایسی ایمان سوز پالیسی ترک نہ کی تو پھر اس کے سنگین نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے۔"

شیخ کی اس دھمکی سے مرعوب ہو کر مذبح کے سکریٹری کرنل محمود رضوی نے علماء کے نام ایک مراسلہ جاری کیا۔ جس میں مذبح میں نصب شدہ مشینوں کے

معائنہ کی دعوت دی گئی لیکن مراسلہ کے مندرجات بورڈ کی بدنیتی کی عکاسی کرتے تھے۔

بنابریں شیخ القرآن نے تمام مکاتبِ فکر کے علماءِ کرام کا اجلاس ۱۴ فروری ۱۹۶۸ء کو جامع مسجد پرانا قلعہ میں طلب کیا۔ جس میں ستر علماءِ کرام نے شرکت کی اور چٹھی کا مضمون زیرِ بحث آیا۔ جس پر حسبِ ذیل ردِّ عمل ظاہر کیا گیا:۔

"علماء کرام سلاٹرنگ کی نمائش کا نظارہ کرنے کی دعوت کو علماء سے مذاق اور استہزاء کے مترادف سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آزمائشی ذبح جاری ہو جانے کے بعد علماء کو دعوت نظارہ دینے سے کیا حاصل۔ علماء کی تصدیق و توثیق کے بغیر ذبح شروع کر دینے کے اقدام کو ہم تمام علماء سخت مذموم سمجھتے ہیں۔ نیز سکریٹری کی وضاحت علماء کے شکوک و شبہات کو تقویت پہنچاتی ہے کہ " ذبح کا طریقہ اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر کے مطابق رکھا گیا ہے"۔ جب حکومت مشینی ذبیحہ کو اسلامی شریعت کے مطابق قرار دے چکی ہے تو اب علماء کو بلا کر اپنے حق میں پروپیگنڈہ کے لئے استعمال کرنے کے سوا کوئی اور مقصد ہی نہیں ! اور پھر ستم ظریفی یہ کہ چٹھی میں علماء کے فیصلہ کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تک نہیں۔ چونکہ ذبیحہ کا مسئلہ حلال و حرام کا معاملہ ہے جو اسلام میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور جس کے متعلق علماءِ کرام کے فیصلہ کو ہی آخری سند حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہم اس موقف پر قائم ہیں کہ مشینی ذبیحہ قطعی حرام ہے"۔

اجلاس میں اتفاق رائے سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو آئندہ پیش آنے والے حالات میں صحیح رہنمائی کر سکے۔

بعد ازاں اگست ۱۹۶۸ء میں کمشنر راولپنڈی ڈویژن آغا احمد رضا خان کی دعوت پر علماءِ کرام نے مذبح کا معائنہ کیا۔ جن میں حسبِ ذیل علماء شامل تھے۔ شیخ القرآن

مولانا غلام اللہ خان مفتی عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن۔ مولانا عبدالستار توحیدی مولانا سید چراغ الدین اور مولانا فیض علی فیضی وغیرہ۔ معائنہ کے بعد علماء نے ایک اخباری بیان میں اس طرح تفصیلات بتائیں۔

"جو تفصیلات ہمیں بتائی گئی ہیں، ان کے مطابق جانوروں کو لٹانے۔ کھال اتارنے، انتڑیاں اوجھڑی نکالنے اور گوشت بنانے کا کام مذبح میں نصب شدہ مشینری کے ذریعہ ہوگا لیکن جانوروں کو مسلمان شخص شرع اسلامی کے مطابق چھری سے ذبح کرے گا۔ جانوروں کو مشینوں کے ذریعہ ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اگر واقعی سرکاری مذبح میں اس تفصیل کے مطابق جانور ذبح کئے گئے تو یہ مشینی ذبیحہ نہیں بلکہ شرعی ذبیحہ ہوگا اور حلال ہوگا۔

چونکہ وفد میں جماعتِ اسلامی کا کوئی نمائندہ شامل نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے اپنی "انا" کا مسئلہ بنا لیا اور حلقہ ٹیکسلا سے ایک بیان "داغ" دیا کہ راولپنڈی کے دس علماء نے مشینی ذبیحہ کو شرع اسلامی کے مطابق قرار دے دیا ہے۔ جس سے مسئلہ اُلجھ گیا ہے۔ لہٰذا ملک کے پانچ معتمد علماء سے معائنہ کرایا جائے تاکہ عوام کو اطمینان حاصل ہو سکے۔"

چونکہ یہ بیان حقیقت کے سراسر خلاف اور علماءِ کرام کو بدنام کرنے کی ایک کڑی تھی۔ لہٰذا شیخ القرآن نے اس الزام تراشی کی تردید کرتے ہوئے مورخہ ۲۶ / اگست ۱۹۶۸ء کو وضاحتی بیان جاری کیا۔

مذبح کے ذمہ دار حضرات نے مجھے اور چند دیگر علماء کو مذبح کے معائنہ کی دعوت دی تھی۔ مذبح کے انچارج نے تمام شعبے دکھائے اور اس امر کی صراحت کی کہ جانور

ذبح کرنے والا انسان اور مسلمان ہو گا۔ جانور مشین سے ذبح نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ مشین سے صرف کھال اُتاری جائے گی اور گوشت بنایا جائے گا۔ چنانچہ میں اور دوسرے علماء دیانتداری سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان تصریحات کے مطابق ذبیحہ عین شرعِ اسلامی کے مطابق ہو گا! اور ہم توقع کرتے ہیں کہ حکومت مسلمانوں کو حرام کھلانے سے گریز ہی کرے گی۔ ہم نے مشینی ذبیحہ کو نہ حلال کہا ہے اور نہ ہی حلال کہتے ہیں۔ مشین سے ذبح کئے جانیوالا جانور حرام ہے"!

غلافِ کعبہ کی نمائش

۱۹۶۳ء میں سعودی حکومت نے غلاف کعبہ بمبئی کی ایک فرم سے تیار کرایا۔ اور کچھ حصہ پاکستان میں بھی بنایا گیا تھا۔ کراچی میں کچھ حصہ زیرِ نگرانی سعودی سفیر تیار ہوا اور کچھ حصہ لاہور میں امیر جماعتِ اسلامی مولانا مودودی صاحب کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دونوں ٹکڑے تیار کر کے سعودی عرب بھیج دیئے جاتے۔ مگر دونوں ٹکڑے شہر شہر اور کوچہ کوچہ میں پھرائے گئے۔ تعزیہ کی طرح بازاروں میں اس کا جلوس نکالا گیا۔ اس کی نمائش اور زیارت کے پروگرام اشتہارات اور اخبارات کے ذریعہ مشتہر کئے گئے۔ کراچی والے ٹکڑے کو مولانا عبدالحامد بدایونی لے کر شہروں میں نمائش کراتے اور غلافِ کعبہ کے فضائل ومناقب پر وعظ فرماتے رہے! اور لاہور والے ٹکڑے کی زیارت کا افتتاح خود مولانا مودودی نے کیا اور پھر ملک بھر میں پھرایا گیا۔ غلاف کے ساتھ جو نارواسلوک اور غیر شرعی حرکات وقوع پذیر ہوئیں، انہیں دیکھ کر شیخ القرآن کی رگِ حمیّت پھڑکی اور اس طوفانِ

بدتمیزی کو برداشت نہ کر سکے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل بیان جاری فرمایا۔

"غلافِ کعبہ کے سلسلہ میں پاکستان کے تمام شہروں میں جو جو امورِ محرّمہ ہوتے رہے ہیں، ان سے ہر خاص و عام آگاہ ہے۔ عورتوں کا بے حجابی کا مظاہرہ کرنا پھر ان کی بیحرمتی، عصمت ریزی، عورتوں کا اغواء، اور کئی ایک افراد کی جانوں کا تلف ہونا۔ غلاف کے سامنے سجدے کرنا۔ اس سے مرادیں مانگنا۔ عورتوں کا اپنے دوپٹے اور مردوں کا رومالوں کو غلاف کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لئے لگانا اور اسی قسم کی دوسری حرکتیں شرعاً سخت جرم ہیں۔ مولوی عبدالحامد بدایونی اور بریلوی جماعت پر تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں ہر بدعت اور ہر بُرائی سنت کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن افسوس مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت اسلامی پر جنہوں نے ان بدعات و محرمات کا سدّباب کرنے کی بجائے غلافِ کعبہ کی شہر بہ شہر اور کوچہ بکوچہ نمائش کر کے عوام کو ان بدعات اور غیر شرعی امور کا دل کھول کر ارتکاب کرنے کے لئے موقع فراہم کیا۔ اور باقاعدہ نمائش کا پروگرام شائع کیا۔ اس طرح بدعات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک خانۂ کعبہ پر غلاف نہ ڈالا جائے۔ نہ وہ غلاف کعبہ ہے اور نہ ہی وہ متبرک ہے۔ کسی بھی امام یا فقیہ نے خانۂ کعبہ پر چڑھائے جانے سے پہلے اسے متبرک نہیں کہا۔ جو ہدی یا جانور اللہ کے تقرب کے لئے نامزد کر کے خانۂ کعبہ کی طرف لے جایا جا رہا ہو وہ ہدی میں داخل ہے مگر یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اسے سارے ملک میں پھرایا جائے۔ اور اس کی نمائش کی جائے! اس پر کپڑے ڈالے جائیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ غلاف کعبہ شریف پر چڑھانے کے باوجود وہ حاجت روا اور مشکل کشا نہیں بن جاتا۔ مشکلکشا اور حاجت روا صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ کعبہ شریف پر غلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی ڈالا جاتا تھا۔ مگر جس طرح جماعت اسلامی اور بریلویوں کے لیڈروں نے اس کی زیارت، نمائش اور جلوس کا اہتمام کیا ہے، خیر القرون میں ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ اور نہ اس کی اجازت دی گئی۔ یہ ایک خالص بدعت ہے جو ان دونوں جماعتوں کی اجتماعی کوشش سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو چشم بصیرت عطا فرمائے اور لیڈران قوم کو خوف خدا کی دولت نصیب فرمائے۔

لاشئ غلام اللہ خان

حافظ محمد ظہور الحق ظہور
اسلام آباد

نقشِ محبت

بیادِ بود حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ مرحوم و مغفور
أعلى الله مقامه

دلوں میں یاد رہی اور لبوں پہ نام رہا — اس انجمن میں ترا ذکر صبح و شام رہا
کبھی مٹا نہ سکی گردشِ زمانہ اسے — دلوں میں نقشِ محبت علی الدوام رہا
ترے بغیر فضائے چمن اُداس اُداس — ترے ہی دم سے بہاروں کا التزام رہا
ترا ضمیر تھا آئینۂ خلوص و وفا — جہاں نما ترے فکر و نظر کا جام رہا
فضا میں زاغ و زغن کی اُڑان بھی دیکھی — مگر عقاب کا اونچا بہت مقام رہا
تری ادائے تبسم میں کیفِ رُوح افزا — سکونِ دل کا نظر پر تری پیام رہا
کبھی وداع کی محفل کبھی ہے جشنِ وصال — کسی کا کوچ، کسی کا یہاں قیام رہا

ظہورؔ جب وہ آنکھوں سے ہو گئے غائب
ہمیں سحر پہ بھی اکثر گمانِ شام رہا

باب ہفتم

مناظرے

جبّر کا مناظرہ

حضرو کا مناظرہ

روہڑی کا مناظرہ

ریڑکا میں مناظرہ

خانقاہ ڈوگراں میں مناظرہ

غیر مقلّدین کی چھیڑ خانی

دُعا بعد الجنازہ

مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مودودی کے نظریات سے اختلاف

مناظرات ومناقشات

مناظرہ بمقام جبر

۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے کہ راولپنڈی سے جنوب کی طرف موضع جبر کے مقام پر پندرہ دن کے وقفہ سے دو مرتبہ مناظرہ ہوا۔ پہلا مناظرہ شیخ اور مفتی محمد صادق کے درمیان ہوا۔ موضوع تھا حاضر ناظر۔ مفتی صادق نے بہت جلد شکست تسلیم کرلی اور پندرہ دن کی مہلت طلب کرلی۔ شیخ نے مہلت دے دی۔ البتہ علمی شکنجہ میں جکڑنے کی خاطر یہ لکھوا لیا کہ مناظرہ کا موضوع حاضر ناظر ہوگا اور دلائل قرآن مجید اور صحیح احادیث سے پیش کئے جائیں گے۔

چنانچہ پندرہ دن بعد دوسرا مناظرہ مولوی محمد عمر اچھروی سے ہوا۔ ان کی طرف سے صدر مناظرہ مولوی عبدالغفور ہزاروی تھے۔ ادھر شیخ القرآن مناظر اور سید عنایت اللہ شاہ بخاری صدر تھے اور علاقہ کی ایک معتبر شخصیت دوست محمد نمبردار کو ثالث مقرر کیا گیا۔ اچھروی صاحب بات کو الجھا کر وقت ضائع کرنے کے عادی تھے۔ بنابریں اس بات پر دیر تک تکرار رہی کہ مدعی کی تقریر پہلے اور

مجیب کی آخر ہو گی۔ آخر کئی گھنٹے ضائع کرنے کے بعد مناظرہ شروع ہوا۔ مدعی مولانا اچھروی نے یہ آیت پڑھی اور اسی کی تشریح میں سارا وقت صرف کر دیا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الآیہ (سورۂ جن : ۲۶-۲۷)

شیخ القرآن نے خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا۔ "سن لے مولوی اچھروی۔ مُن آئی اے قرآن دی بارش" پہلی تقریر میں گیارہ آیات پڑھ کر ثابت کیا کہ علمِ غیب اور حاضر ناظر ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں۔ اس کے سوا کوئی بھی نہ عالم الغیب ہے نہ حاضر وناظر۔ دوران مناظرہ شیخ نے اچھروی صاحب کو کہا کہ جملہ کی تعریف کر دیں تو ایک سو روپیہ انعام دوں گا (اس زمانہ میں سو روپیہ کی اتنی زیادہ وقعت تھی۔ جتنی آجکل ہزار روپیہ کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ) اچھروی صاحب نے شیخ کی للکار پر کان ہی نہ دھرا۔ انہیں معلوم تھا کہ شیخ القرآن علم کے جال میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ جس سے نکلنا پھر مشکل ہو جائے گا۔ یہ پیش کش۔ شیخ نے بارہا دہرائی مگر انہوں نے توجہ تک نہ کی۔

نمازِ ظہر کے وقفہ کے بعد دوبارہ مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا اچھروی کے پیش کردہ دلائل فی نفسہٖ نہ تو موضوع سے متعلق تھے اور نہ ہی قوی و قابلِ استناد۔ مگر آیات و احادیث کی تشریح و تاویل میں ضعف و اضطراب کے باوجود موضوع پر چسپاں کرتے ہی رہے۔ آخر میں انہوں نے زرقانی کی یہ روایت پیش کی (جس کا ترجمہ ان کی کتاب مقیاس حنفیت ص۴۶۸ سے درج ذیل ہے)

"ابنِ عمر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے

لئے اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا کو ظاہر فرمایا۔ تو جو کچھ اس تمام دنیا میں تھا میں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ تو میں اس تمام دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اور قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے، دیکھ رہا ہوں جیسا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں"۔

ابھی انہوں نے پوری عبارت بھی نہیں پڑھی تھی کہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری پکار اُٹھے ۔ سند لاضعیف، سند لاضعیف۔ حضرت شیخ نے کہا اگر اچھروی صاحب اس کی سند صحیح ثابت کر دیں تو ہم اپنی شکست تسلیم کر لیں گے۔ لیکن اچھروی صاحب سند کہاں سے ثابت کریں۔ وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگے آخر شیخ القرآن نے ثالث صاحب سے کہا۔ کہ آپ انہیں اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے پر مجبور کریں۔ ثالث کی کوشش کے باوجود اچھروی صاحب سند پیش نہ کر سکے۔ بالآخر ثالث کو یہ فیصلہ صادر کرنا پڑا کہ اچھروی صاحب شکست کھا چکے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ مزید رسوائی سے بچنے کے لئے فریقِ مخالف نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی جس سے نہ صرف مجمع منتشر ہو گیا۔ بلکہ مولوی اچھروی کے ساتھ ایک دو آدمیوں کے سوا ان کے "علماءِ عظام" بھی بھاگ گئے اور میدان خالی رہ گیا۔ جب کہ حضرت شیخ القرآن نے اپنے علماء اور رفقاء کی معیت میں وہاں ہی نمازِ عصر ادا فرمائی۔ اور فتح سے فائز المرام ہو کر واپس لوٹے۔

حضرو کا مناظرہ

قیامِ پاکستان سے پہلے شیخ القرآن کو بریلوی علماء نے حضرو علاقہ چھچھ میں

مناظرہ کا چیلنج دیا تھا جس کا پسِ منظر اور انجام حسبِ ذیل ہے :-

قاضی عبدالشکور ساماں والے بیان کرتے ہیں کہ مولوی عبدالحق پیرزئی اور میاں عبدالحق غورغشتی علاقہ چھچھ میں بریلوی علماء کے سرغنہ تھے۔ بھبودی والے مولانا غلام ربانی نے شیخ القرآن کو تقریر کی دعوت دی جس پر بریلوی علماء، مولوی غلام رسول بارہ زئی، مولوی عبدالحق پیرزئی اور میاں عبدالحق غورغشتی وغیرہ نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ مولانا غلام اللہ خان کو علاقہ میں تقریر کرنے سے باز رکھیں ورنہ لوگوں کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرتیں پیدا کر دیں گے۔

وہ اپنے پروگرام میں ناکام ہوئے۔ شیخ وہاں تشریف لے گئے اور تقریر کی اور مسئلہ توحید بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے لئے درود شریف پڑھنے کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے یہ حدیث پڑھی من صلی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علی غائبًا اُبلغته یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی میری قبر کے قریب درود شریف پڑھے میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور دراز جگہ میں پڑھے تو اللہ کے فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔

اس پر میاں عبدالحق غورغشتی والے نے بڑے درشت لہجہ میں کہا جھوٹ کہہ رہے ہو، غلط کہہ رہے ہو، نبی علیہ السلام تو ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور ہر ایک آدمی کا درود شریف بنفس نفیس خود سنتے ہیں۔ شیخ القرآن نے فرمایا۔ آپ اس پر قرآن مجید یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش کریں۔ میرا آپ کو چیلنج ہے کہ دنیا کی کسی کتاب سے ایسی کوئی حدیث دکھا دیں جس میں لکھا ہو کہ حضور ساری دنیا کے لوگوں کے درود شریف

خود ان کے پاس جا کر سنتے ہیں۔

میاں صاحب کہنے لگے تم حدیث کی بات کرتے ہو میں قرآن سے ثابت کروں گا کہ آپ خود ہر کسی کا درود سنتے ہیں۔ علماء اور عوام حیرت زدہ ہو گئے کہ میاں صاحب قرآن کی کس آیت سے درود شریف سننا ثابت کریں گے؟ چنانچہ میاں صاحب نے وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھ کر کہا۔ تم ہی بتاؤ کیا اللہ تعالےٰ حضورؐ کو سنانے پر قادر نہیں ہے؟

شیخ القرآن نے ترکی بترکی جواب دیا۔ میاں صاحب اللہ تعالےٰ اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کو عورت بنا دے اس پر وہ بالکل لاجواب ہو گئے اور پھر کہنے لگے۔ حاضر ناظر کے مسئلہ پر آپ ہمارے ساتھ مناظرہ کر لیں۔ شیخ نے چیلنج قبول کر لیا اور حضرو کے مقام پر جنازہ گاہ جہاں اب منڈی لگتی ہے جگہ طے پائی۔ اور تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔

چنانچہ وقتِ مقررہ پر شیخ القرآن، سید عنایت اللہ شاہ بخاری، قاضی شمس الدین شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین وغیرہ حضرو پہنچ گئے۔ فریقِ مخالف کی طرف سے مولوی عبدالحق پیرزئی، میاں عبدالحق غورغشتی اور مولوی حفظ الرحمٰن اگروری خان وغیرہ تھے شیخ القرآن مناظر اور شاہ صاحب صدر مقرر ہوئے جبکہ بریلوی علماء کی طرف سے مولوی عبدالحق پیرزئی مناظر اور اگروری خان صدر تھے۔ پہلی تقریر شیخ القرآن کی ہوئی۔ موصوف نے بیس آیاتِ قرآنیہ سے نفی علمِ غیب اور حاضر ناظر نہ ہونا پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا۔

جوابی تقریر میں مولوی عبدالحق نے شیخ القرآن کی پیش کردہ آیات کا کوئی جواب

نہ دیا اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں دو آیتیں پیش کیں۔ شیخ القرآن نے اپنی تقریر میں ان کی پیش کردہ آیات کا جواب دیا کہ ان آیات سے تو ساری امت کا غیب دان ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کیا تخصیص رہی۔ شیخ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ حاجی عبدالمنان نامی ایک شخص نے شیخ پر پتھر پھینکا اور پھر دونوں طرف سے لڑائی مار پٹائی شروع ہو گئی اور مناظرہ فساد کی نذر ہو گیا۔

مناظرہ ڈومیلی

ڈومیلی ضلع جہلم میں مولانا محمد عمر اچھروی سے شیخ القرآن کا مناظرہ ہونا قرار پایا مقررہ وقت پر فریقین ڈومیلی پہنچ گئے۔ موضوع علم غیب اور حاضر و ناظر تھا حالات سخت کشیدہ تھے۔ فریقین مسلح تصادم کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ لیکن پولیس کے بروقت پہنچ جانے سے تصادم ٹل گیا۔ چونکہ شیخ القرآن مناظرہ کیلئے مصر تھے اس لئے تھانیدار نے کہا کہ دونوں فریق مسجد میں چلیں اور تحریری طور پر مناظرہ کیا جائے۔ دونوں جانب کے علماء اپنا اپنا موقف اور دلائل لکھ کر ایک دوسرے کو پیش کریں۔ لیکن شیخ نے کہا۔ مناظرہ زبانی کلامی ہونا چاہیئے تاکہ سامعین کو بھی کچھ معلوم ہو سکے مگر فریقِ ثانی نے اسی بات کو بہانہ بنا کر راہِ فرار اختیار کر لی۔

روہڑی کا مناظرہ

نواب عطاء اللہ خان گنڈہ پور کا تعلق ایسے علماء اور پیروں کے ساتھ تھا جو غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز کھانے اور غیر اللہ کے نام کے نذرانے چڑھانے کی

لوگوں کو ترغیب دیتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں مولوی حکیم محمد ابراہیم اور پیر حافظ عبد الحمید کے درمیان اس موضوع پر سخت تلخ کلامی ہوئی۔ مولوی ابراہیم غیر اللہ کی نیاز ات کو حرام اور پیر صاحب حلال قرار دیتے تھے۔ جب دونوں علماء کے درمیان فیصلہ نہ ہوسکا تو نواب صاحب نے انہیں کہا کہ اپنے اپنے مسلک کے جید علماء بلاکر اس موضوع پر تفصیلاً گفت و شنید کراؤ۔ تاکہ حقیقت واضح ہوسکے۔ چنانچہ دیوبندی مسلک کے ترجمان شیخ القرآن وقتِ مقررہ پر بمقام روہڑی تحصیل کلاچی پہنچ گئے۔ لیکن بریلوی مکتبِ فکر کا کوئی عالم مقابلہ میں نہ آیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر نواب صاحب نے شیخ کو اس موضوع پر دلائل پیش کرنے کو کہا۔ شیخ نے قرآن وسنت کی روشنی میں انتہائی مدلل تقریر کی۔ جس سے نواب صاحب بے حد متاثر ہوئے اور اپنے مشرکانہ عقائد سے تائب ہو گئے۔ اور پھر گنڈہ پور میں دار العلوم تعلیم القرآن کے نام سے ایک عالیشان مدرسہ قائم کیا۔

مناظرہ ریڑکہ

مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۵۸ء اتوار کے دن موضع ریڑکہ زریں تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں شیخ القرآن اور مولانا محمد عمر اچھروی کے درمیان نفی واثبات علم غیب غیر اللہ کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ دیوبندی حضرات کی طرف سے مولانا محمد امیر خطیب سرگودھا صدر اور شیخ القرآن مناظر مقرر ہوئے۔ فریقِ ثانی کی جانب سے مناظر مولانا محمد عمر تھے شیخ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد یہ آیت تلاوت کی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا۔ علاوہ ازیں چھ دلائل نفیٔ علم غیب کلی و علم قیامت پر تفصیل

کے ساتھ پیش کئے۔ نیز لفظ اِنَّمَا اور لَوْ كُنْتُ کے قواعد مطول اور مختصر المعانی کے حوالہ جات سے بیان کئے۔ اور ان آیات میں بریلوی علماء جو حیلہ سازی کرتے ہیں ان کے جوابات دئے۔ پھر يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمام انبیاء کا یہی عقیدہ تھا کہ علم غیب اللہ کی صفتِ خاصہ ہے۔

اچھروی صاحب نے درود شریف پڑھنے کے بعد فرمایا۔ یہ میرے ہاتھ میں دیوبندیوں کی کتاب "بوادر النوادر" ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ دیوبندی چوہڑوں سے برے اور ہندوؤں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ مولوی اشرفعلی تھانوی کی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ غیر اللہ کا سجدہ مباح ہے۔ مولوی غلام اللہ کہتا ہے قیامت کا علم اللہ تعالےٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں کہ قیامت کا علم تو ہر امام کو بھی دیا گیا ہے۔ دیکھئے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ ٥

شیخ القرآن نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔ مولوی محمد عمر نے پہلی تقریر میں ہی موضوع مناظرہ چھوڑ دیا ہے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ میں نے نفیٔ علم الساعۃ پر چھ آیات پیش کی ہیں جنہیں مولوی عمر ہضم کر گئے اور کوئی جواب نہیں دیا اگر انہوں نے کتب فریقین پر گفتگو کرنی ہے تو وہ کل ہو جائے گی لیکن آج اپنے موضوع پر ہی کلام ہوگا۔ مولوی محمد عمر دیوبندیوں کی کسی کتاب سے اگر دکھا دیں کہ خدا جھوٹ بولتا ہے تو میں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ اور اگر حضرت تھانوی کی کسی کتاب سے ثابت کر دیں کہ خدا کے سوا غیر اللہ کو شریعتِ محمدیہ میں سجدہ کرنا مباح ہے تو ہم ہارے اور مولوی عمر جیتے۔

مولوی محمد عمر نے کہا کہ قیامت کا علم تو اماموں کو بھی ہے۔ کیونکہ قرآن میں امام مبین آیا ہے۔ اگر مولوی صاحب نے یہ تفسیر "علمی مہارت" سے کی ہے تو تحریف فی القرآن ہے یہودیوں کی طرح۔ اور اگر بغیر علم کے ایسی بات کہہ دی ہے تو ان سے بڑا جاہل کوئی نہیں۔ کیونکہ امام مبین سے مراد علم اللہ ہے۔

مزید سنیے۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔ اور اصحاب کہف کا کہنا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اور لَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ یہ سب آیات نفیِ علمِ غیب پر دلالت کر رہی ہیں۔

اچھروی:- دیکھئے مولوی غلام اللہ خان نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ مولوی غلام اللہ کہتا ہے کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں حالانکہ اسرافیل فرشتہ قرنا لئے کھڑا ہے۔ اگر اسے قیامت کا علم نہیں تو کیوں کھڑا ہے! ور قرآن مجید میں ہے۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ قیامت کا علم تو قلم کو بھی ہے۔ ان دیوبندیوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بھی آئندہ کی بات نہیں جانتا۔ ان کی تفسیر بلغۃ الحیران میں لکھا ہوا ہے! ور مبشرات میں لکھا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گر رہے تھے اور مولوی حسین علی نے انہیں گرنے سے بچا لیا۔ یہ دیوبندی سب رسول اللہ کی توہین کرتے ہیں۔

شیخ القرآن:- حضرات آپ نے دیکھ لیا کہ مولوی محمد عمر موضوع مناظرہ سے کس طرح بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ حضرات غور فرمائیں کہ اسرافیل کا صور لے کر کھڑا ہونا قیامت کے علم کی دلیل کیسے بن سکتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالےٰ

کے حکم کے انتظار میں کھڑا ہے۔ اگر اسے وقت معین کا علم ہوتا تو صدیوں سے انتظار میں کھڑا ہرگز نہ رہتا۔

دوسری دلیل عَلَّمَ بِالْقَلَمِ سے قیامت کے علم کا ثبوت کیسے فراہم ہوا کچھ تو عقل و ہوش کی بات کرو۔ قرآن کو بدلنے کی مذموم حرکت نہ کرو۔ باقی بلغۃ الحیران کی عبارت میں انہوں نے خیانت سے یہ کام لیا ہے۔ اس میں ایک خواب کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ جس میں دین پیغمبر کی کیفیت کا ذکر ہے۔ حدیث میں ایک صحابیہ کے خواب کا ذکر ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی کا ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آپڑا ہے۔ وہ پریشان ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ میری نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تو کرے گی۔

مولوی صاحب! اصل موضوع پر کوئی ٹھوس دلیل پیش کریں۔

مزید سنیئے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ۔ یہ سب آیات نفی علم غیب پر دلالت کر رہی ہیں۔

اچھروی:۔ حضرات آپ نے دیکھا کہ مولوی غلام اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور میرے دلائل کی طرف توجہ بھی نہیں دی۔ آؤ میں تمہیں قرآن مجید سے دلیل دکھاتا ہوں وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اصحاب کہف کے لئے اللہ تعالٰے نے جس نظام شمسی کو بدلا تھا۔ یا رسول اللہ آپ دیکھ رہے تھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ دوسرا تمہارا مولوی

خلیل احمد لکھتا ہے شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تو حضور کیوں نہیں ہو سکتے۔ یہ پیغمبر کی کھلی توہین ہے۔

شیخ القرآن:۔ لوگو! سن لو جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے وہ پکا کافر ہے۔ مولوی محمد عمر ہمارے بزرگوں پر جھوٹی تہمت اور بدترین بہتان لگا رہا ہے۔ مولوی صاحب نے تری الشمس کا جو معنیٰ کیا ہے اگر وہ معنیٰ وہ کسی بھی معتبر تفسیر میں دکھا دیں تو وہ جیتے اور ہم ہارے۔ یہ بالکل ان کا خود ساختہ معنیٰ ہے۔

رہا شیطان کے حاضر ناظر ہونے کا۔ تو یہ تمہارے مولوی رامپوری بریلوی کی کتاب انوار ساطعہ ہے۔ یہ ہماری عبارت نہیں۔ خدا سے ڈرو۔ لوگوں کو دھوکہ نہ دو۔ ہاں مولوی صاحب آؤ۔ میں تمہیں قرآن کی سیر کراؤں۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ الخ اس میں حصر ہے کہ علمِ قیامت اللہ ہی کے پاس ہے۔ دوسری بھی چاروں چیزوں کا علمِ کلی اللہ ہی جانتا ہے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ جو شخص ان پانچ کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور تفسیر مدارک میں ہے کہ خلیفہ منصور کے خواب کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰھِیْمَ بِالْبُشْرٰی الخ فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنا۔ ان کا نہ پہچاننا۔ اور ان کے لئے بچھڑا بھون کر کھانا تیار کرنا یہ نفی علم غیب کی صریح دلیل ہے۔ نیز ہمارے فقہاء احناف نے صاف لکھا ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں مردوں، عورتوں میں سے کسی کو گواہ نہ بنایا اور ان کی جگہ اللہ

اور رسول کو گواہ بنایا تو ایسے الفاظ کہنے والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اچھروی :۔ اب تک میری کسی بھی دلیل کا جواب نہیں ملا۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے نفیٔ علم غیب ثابت نہیں ہوتی! ابراہیمؑ کو سب کچھ معلوم تھا! انہوں نے اپنی مثالی مہمانداری کو برقرار رکھنے کے لئے بچھڑا بھونا تھا۔ مولوی غلام اللہ خان نے تمام انبیاء کی توہین کا ٹھیکہ لے رکھا ہے (استغفر اللہ) میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے حضور کو سب کچھ دے دیا ہے! ور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ میرے ہاتھ میں قصیدہ ہے اس میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شعر ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ امام صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھتے تھے! اور قرآن مجید میں ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لہذا حضور کو سب کچھ معلوم تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی کہا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لہذا ابراہیم زمین میں آسمان کی ہر ایک چیز دیکھ رہے تھے۔

شیخ القرآن :۔ حضرات! مولوی محمد عمر نے قصیدہ نعمانیہ کے اشعار سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ قصیدہ نعمانیہ امام صاحب کی کتاب ہی نہیں ہے نہ یہ اشعار ان کے ہیں۔ اگر بالفرض یہ اشعار ان کے ہوں بھی تب بھی ان میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قیامت تھا اور دیگر مغیبات بھی جانتے ہیں۔ جبکہ امام صاحب کی کتاب فقہ اکبر میں صاف لکھا ہوا ہے کہ جو شخص انبیاء کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ احناف کے عقائد میں بھی شامل ہے کہ غیر اللہ کے لئے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا بالاتفاق مسلمان نہیں رہتا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے لکھا ہے کہ یہ عقیدہ اہل تشیع کا ہے کہ ائمہ

ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب کافی کلینی میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مولوی محمد عمر کا کَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ابراہیم علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے کی دلیل پیش کرنا صریح جہالت ہے۔ اس سے مراد توحید کے دلائل ہیں۔ جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے۔ جمیع اشیاء نہیں۔ میں نے آپ کی تمام باتوں کا مدلل جواب دے دیا ہے۔ مگر میرے پیش کردہ دلائل کا اب تک آپ جواب نہیں دے سکے۔ مزید سن لیجئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے حالات معلوم نہ ہو سکے اور چالیس سال اس غم و اندوہ میں گذار دئے اگر وہ حاضر و ناظر ہوتے تو بتلاؤ پھر وہ اتنا کیوں روتے دھوتے کہ آنکھوں کی بینائی تک ختم ہو گئی ؟

اچھروی :۔ لوگو! دیکھ لیا۔ مولوی غلام اللہ خان نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور مسلسل حضور علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی شان گھٹا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔ مولوی غلام اللہ کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی چالیس سال تک اطلاع نہیں ہوئی۔ اگر مولوی صاحب قرآن مجید سے چالیس برس کے الفاظ دکھا دیں تو ہم مان جائیں گے دیکھئے قرآن مجید میں ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اس کی کسی کو اطلاع نہ دینا فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب کچھ جانتے تھے۔ چلو میں اپنے پانچ منٹ مولوی صاحب کو دیتا ہوں کہ وہ یہ ثابت کریں کہ قرآن مجید میں چالیس برس

کہاں لکھا ہوا ہے ؟

شیخ القرآن :۔ حضرات ! اگر کسی بھی مفسر نے فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا کی تفسیر میں لکھا ہو کہ یعقوب علیہ السلام سب کچھ جانتے تھے تو ہم ہارے اور مولوی عمر جیتے ۔ مولوی صاحب نے چالیس برس کا حوالہ مانگا ہے ۔

شیخ القرآن نے ابھی اتنی بات کہی تھی کہ مولوی محمد عمر کے سب ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب نے کتابیں بند کرنا شروع کر دیں ۔ شیخ القرآن نے کہا مولوی محمد عمر بھاگنا نہیں ۔ مرد بنو اور فیصلہ کر کے جانا ۔ حضرت شیخ اور مولانا محمد امیر نے بیحد کوشش کی مگر مولوی محمد عمر اور ان کی پارٹی نے ایک نہ سنی اور راہِ فرار اختیار کر لی ! اور مناظرہ سے بالکل لاتعلق ہو گئے ۔ جس کے باعث عوام الناس پر انکی شکستِ فاش عیاں ہو گئی ۔

مناظرہ خانقاہ ڈوگراں

تقسیم ملکی سے پہلے خانقاہ ڈوگراں میں مناظرہ ہوا جو تین دن جاری رہا ۔ اس مناظرہ میں ثالث عوام الناس کو قرار دیا گیا تھا ۔ حضرت شیخ مناظر اور سید عنایت اللہ شاہ بخاری صدر تھے ۔ فریقِ مخالف کے مناظر مولوی محمد عمر اچھروی اور صدر مولانا عبد الغفور ہزاروی تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب ، حاضر و ناظر اور مختارِ کل وغیرہ موضوعات پر دونوں طرف سے دلائل دیئے جاتے رہے ۔

حضرت شیخ نے یہ حدیث پیش کی کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہوں گے اور اپنے امتیوں کو جامِ کوثر پلا رہے ہوں گے۔ اس دوران کچھ لوگ آئیں گے اور آپ فرمائیں گے اُصیحابی اصیحابی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا اِنّکَ لاتدری ما احدثوا بعدک اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن بھی آپ عالم الغیب نہیں ہوں گے! ورنہ ہی ہر ایک چیز کا علم حاصل ہو گا۔

اس کے جواب میں مولوی عمر نے کہا کہ اصل عبارت لَا تَدْرِیْ نہیں اَلَا تَدْرِیْ ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ اگر مولوی عمر حدیث کی کسی بھی کتاب سے اَلَا تَدْرِیْ کا جملہ دکھا دیں تو وہ جیتے اور ہم ہارے۔ مگر مولوی عمر کہاں سے دکھائیں کیونکہ یہ تو حدیث میں تحریفِ لفظی تھی۔ اور آج تک کسی کتاب میں یہ چھپا ہی نہیں

بہرحال مناظرہ تین دن جاری رہا۔ تیسرے دن شیخ کی آخری تقریر ختم ہوتے ہی ایک بہت بڑا آڑھتی سکھ دوڑتا ہوا سٹیج پر چڑھ گیا اور مائیک پر آکر کہنے لگا

حضرات! فیصلہ تو مسلمان عوام نے کرنا ہے۔ مگر میں اپنے تاثرات بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ میں غیر مسلم ہوں لیکن میں تین دن سے سن رہا ہوں کہ مولانا غلام اللہ خان کے دلائل تمام قرآن مجید اور حدیثِ پیغمبر سے تھے۔ انہوں نے قرآن وحدیث کے باہر سے کوئی دلیل نہیں دی۔ لیکن میں دیانتداری سے کہہ رہا ہوں کہ مولانا محمد عمر اچھروی کا دامن قرآن وحدیث کے دلائل سے خالی ہے! انہوں نے اپنا سارا وقت قصے کہانیاں بیان کرنے میں ضائع کیا۔ میں مولانا غلام اللہ خان کو کامیاب قرار دیتا ہوں۔ اس پر سارے مجمع میں زوردار تالی بجی اور مولانا اچھروی ندامت سے سرنگوں ہو گئے۔

مناظرہ بمقامِ کولیاں

کولیاں، پنج کٹھہ، نزد ٹیکسلا میں قاضی کھلا بٹی ہزاروی کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ جنہوں نے لوگوں کے عقائد و اعمال خراب کر دیئے تھے۔ حسنِ اتفاق سے مذکورہ گاؤں کے ملک غلام فرید تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ جس سے ان کے عقائد کی اصلاح ہو گئی۔ ایک مرتبہ حسبِ سابق قاضی کھلا بٹی رات کے وقت تقریر کر رہے تھے کہ اہلِ حق کی شان میں بد کلامی شروع کر دی۔ ملک صاحب موصوف نے مولانا محمد جان موضع سموکے ذریعہ شیخ القرآن کو راولپنڈی سے بلا لیا۔ جو رات گئے وہاں پہنچ گئے جب کہ قاضی کھلا بٹی کی دھواں دھار تقریر جاری تھی وہ شیخ کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ بہر حال حاضر ناظر کے مسئلہ پر مناظرہ شروع ہو گیا جو طلوعِ فجر تک مسلسل جاری رہا۔ نماز فجر اور ناشتہ کے لئے وقفہ کیا گیا اور پھر مناظرہ شروع ہو گیا۔ دونوں جانب سے دلائل کا سلسلہ جاری رہا۔ کھلا بٹی طویل تقریر اور مناظرہ کے باعث نڈھال ہو گئے تھے۔ آخر میں شیخ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ہُدہُد اور چیونٹی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب تمہاری نسبت تو ہُدہُد اور چیونٹی اچھی ہے جو صرف اور صرف ایک اللہ کی ذات کو حاضر ناظر اور عالم الغیب سمجھتی تھی۔ مگر قاضی صاحب تھک ہار کر بالکل خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ بن آیا۔ اس پر گڑھی افغاناں کے ایک شخص نے تلوار سونت لی اور قاضی صاحب کو کہنے لگا۔ اگر آئندہ اس گاؤں میں آئے تو ہم تمہاری

تکا بوٹی کر دیں گے۔ ساری عمر ہمیں گمراہ کرتے رہے اور اب منہ پر مہر سکوت لگ گئی ہے۔ بحمد اللہ لوگوں پر حق واضح ہو چکا ہے اس لئے تمام گاؤں کے لوگ اپنے مشرکانہ عقائد سے تائب ہو گئے اور شیخ پر دل و جان سے فدا ہونے لگے اور اب تک اس گاؤں میں بریلوی عقائد و نظریات دوبارہ نہیں اپنائے گئے۔

غیر مقلّدین کی چھیڑ خانی

شیخ القرآن کو غیر مقلدین سے متعدد مسائل میں اختلاف تھا مگر ان سے مخاصمت نہ تھی لیکن جب انہوں نے ائمہ احناف اور حنفی مقلدین کو کافر قرار دینے کی مہم شروع کر لی اور آٹھ اور بیس رکعات تراویح اور فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دینے کا معمول بنا لیا تو چار و ناچار شیخ کو جواب دینا پڑا۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء میں غیر مقلدین نے فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جسے شیخ نے قبول کر لیا عین وقت پر غیر مقلدین نے مناظرہ سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہماری جماعت نے سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا غلام اللہ خان سے مناظرہ کرنے سے منع کر دیا ہے کچھ عرصہ خاموش رہنے کے بعد ۱۹۶۸ء میں پھر غیر مقلدین کو اسی موضوع پر مناظرہ کا شوق ہوا۔ حافظ عبد القادر روپڑی نے شیخ کو چیلنج دیا جسے قبول کر لیا گیا۔ شیخ نے جمعہ کی تقریر میں کہا۔ حافظ صاحب جب چاہیں راولپنڈی لیاقت باغ میں اس موضوع یا کسی بھی موضوع پر مناظرہ کر لیں۔ میں تیار ہوں۔ اس کے جواب میں ۱۶ر فروری ۱۹۶۸ء کو ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور میں دس ہزار روپیہ کا انعامی اعلان شائع ہوا۔ جس کے جواب میں شیخ نے کہا۔

"مولانا عبدالقادر روپڑی کہتے ہیں کہ آج سے چار سال قبل مولانا غلام اللہ خان نے میرے اور مولانا ابراہیم خادم کے ساتھ فاتحہ خلف الامام پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین روپڑی صاحب کا یہ مجھ پر صریح الزام اور بہتان ہے۔ انہوں نے مجھے کبھی بھی گفتگو کرنے کو نہیں کہا۔ اس لئے میرے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز حافظ عبدالقادر صاحب نے جو الفاظ میری طرف منسوب کئے ہیں" میں حلفیہ کہتا ہوں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی کوئی حدیث نہیں ہے" اس کا جواب یہ ہے کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ حافظ صاحب اپنا دعویٰ تحریر فرما دیں۔ اور راولپنڈی لیاقت باغ پر میں مناظرہ کرنے کو تیار ہوں لیکن حافظ عبدالقادر صاحب سکھر کا واقعہ بھول گئے ہیں جہاں مناظرہ کی تاریخ طے ہو جانے کے باوجود مقابلہ پر نہیں آئے۔

اس کا جواب حافظ روپڑی صاحب نے ۲۳ فروری ۱۹۶۸ء کے "تنظیم اہلحدیث" میں شائع کیا کہ "گھر بیٹھے کوئی صحیح مرفوع حدیث دکھائی جائے جس میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا حکم ہو، ہم دس ہزار روپیہ انعام دیں گے"

حالات اس بات کے متقضی تھے کہ علماءِ دیوبند متحدہ پلیٹ فارم سے غیر مقلدین کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ حضرت شیخ نے راولپنڈی کے تمام علماءِ کرام کا اجلاس طلب کیا۔ جس میں متفقہ طور پر غیر مقلدین کا مقابلہ کرنے کا لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ اور ایک تنظیم "جمعیۃ الاحناف" کے نام سے قائم کی گئی جس کے امیر حضرت شیخ منتخب ہوئے۔ تنظیم کا دفتر پرانہ قلعہ کی مسجد میں قائم کیا گیا۔

اس کے بعد دونوں جانب سے بیان بازی اور اشتہار بازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بالآخر مناظرہ کی تاریخ کا تعین کر کے مقام مناظرہ لیاقت باغ کا میدان طے پایا۔ حافظ عبدالقادر روپڑی بھی راولپنڈی آچکے تھے۔ شہر میں زبردست ہیجان پایا جاتا تھا۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر انتظامیہ نے لیاقت باغ میں لوگوں کو جمع ہونے سے روک دیا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ کی جماعت کتابیں اور لاؤڈ اسپیکر لے کر وقت مقررہ پر لیاقت باغ پہنچ گئی تھی۔ مگر غیر مقلدین کا کوئی آدمی نہیں پہنچا دیر تک انتظار کے باوجود جب کسی غیر مقلد کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی تو حنفی علماء انتظامیہ کی ہدایت پر واپس دارالعلوم تعلیم القرآن آ گئے تھے۔

انتظامیہ نے شیخ القرآن اور مولانا عبدالقادر کو کوتوالی بلا لیا! ور حالات کی سنگینی کے باعث مناظرہ سے روک دیا تھا۔ لیکن وہاں بھی علمی بحث شروع ہو گئی حضرت شیخ نے کہا کہ اگر حافظ عبدالقادر کوئی ایک حدیث پیش کر دیں جس میں نبی کریم ﷺ نے مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو تو میں مناظرہ سے دستبردار ہو جاؤں گا لیکن حدیث صحیح صریح اور متصل ہو۔

حافظ عبدالقادر نے ہر چند اپنا بھرم رکھنے کے لئے کئی ایک روایات پیش کیں۔ لیکن شیخ نے ان پر محدثین کے اعتراضات پیش کئے جن کا جواب حافظ صاحب نہ دے سکے۔

اس طرح ایک مرتبہ پھر حافظ عبدالقادر اور ان کی جماعت مقابلہ میں آنے سے گریزپا ہو گئے۔ چونکہ اس موضوع پر حضرت شیخ نے زبردست علمی تیاری کی تھی احادیث کے حوالہ جات اور روایات پر نقد و جرح پر مشتمل بے شمار دلائل اکھٹے کئے تھے جب

مناظرہ کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آئی تو شیخ نے اپنے سینہ میں محفوظ اس علمی و تحقیقی خزینہ سے علماء، طلباء، اور عوام کو مستفیض و مستفید کرنے کی غرض سے تین گھنٹے پر مشتمل ایک بصیرت افروز مدلل اور جامع تقریر ریکارڈ کرائی، جو آج بھی محفوظ ہے۔

دُعا بعد الجنازہ

موضع "لیٹری" تحصیل تلہ گنگ میں دُعا بعد الجنازہ کے متعلق شیخ القرآن کا مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ مولوی عنایت اللہ کا چیلنج تھا کہ ملّا غلام اللہ میرے ساتھ مناظرہ نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وقتِ مقررہ پر شیخ آ پہنچ گئے تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ پولیس کی بھاری جمعیت پہلے سے موجود تھی اور انہوں نے مناظرہ پر پابندی لگا دی تھی۔ مگر شیخ نے پہنچتے ہی لاؤڈ سپیکر پر مولوی عنایت اللہ کو للکارا کہ میں آ گیا ہوں، آپ بھی مسجد میں آ جائیں تاکہ مناظرہ شروع کیا جائے۔ اگرچہ مولوی صاحب بمع اپنے ہمراہیوں کے مسجد میں آ گئے مگر پہلے تو پولیس پر بھروسہ کیا کہ وہ مناظرہ نہیں کرنے دے گی اور جان چھوٹ جائے گی۔ جب پولیس کی بات پر شیخ نے کان ہی نہ دھرا اور مناظرہ شروع کرنے پر زور دیا۔ تو مولوی صاحب کہنے لگے۔ میں مناظرہ کرنے آیا ہی نہیں نہ میرے پاس کتابیں ہیں۔ اس پر حضرت کے شاگرد مولانا خلیل احمد سکھر والوں نے کہا "مولانا بغیر کتابوں کے میرے ساتھ مناظرہ کر لیں" بہرحال مجبوراً مناظرہ کرنا ہی پڑا شیخ نے دریافت کیا کہ دعا بعد الجنازہ فرض ہے، واجب ہے یا سنت۔ مولوی صاحب نے کہا۔ سنت ہے۔ شیخ نے پوچھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یا صحابہ کی۔ انہوں نے کہا صحابہ کی اور پھر ابوداؤد شریف کی ایک روایت پیش کی۔ "حضرت

عمر کسی جنازہ میں تاخیر سے پہنچے جب کہ نمازِ جنازہ پڑھی جاچکی تھی اور دعا ہونیوالی تھی حضرت عمرؓ نے آواز دی کہ میں نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہوسکا۔ اب دُعا میں تو شامل کرلو۔"

شیخ نے کہا اس روایت میں تدفین کے بعد والی دُعا کا ذکر ہے۔ جنازہ کے متصل بعد دُعا کا ثبوت پیش کرو۔ مولوی عنایت اللہ نے یہ احادیث پیش کیں۔ الدعاء ھو العبادۃ اور الدعاء مخ العبادۃ۔ شیخ نے ان احادیث کی تشریح کی۔ اور فرمایا کہ کوئی صریح حدیث یا فقہ کا واضح حوالہ پیش کرو جس میں جنازہ کے متصل بعد دعا کرنا ثابت ہو۔ لیکن جب اے۔ سی صاحب نے دیکھا کہ مولوی صاحب کا دامن دلائل سے خالی ہے اور شکست کھا چکے ہیں تو فوراً مناظرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ مولوی صاحب اور ان کی پارٹی مسجد سے اس طرح بھاگ گئے کہ جس طرح شیر کو دیکھ کر گیدڑ بھاگتے ہیں۔ شیخ لاؤڈ اسپیکر پر بار بار کہتے رہے مولوی صاحب بھاگو نہیں، ثبوت پیش کرو۔ مگر انہوں نے ایک بھی نہ سنی۔ اس مناظرہ میں شیخ کے حکم پر مولانا خلیل احمد سکھروی۔ قاضی احسان الحق اور احقر بھی شامل ہوئے تھے۔ ہم کتابوں سے حوالہ جات نکال کر دیتے رہے۔ اس پر شیخ نے ہمیں انعام سے بھی نوازا تھا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور
شیخ القرآن کا موقف

یہ مسئلہ کیسے شروع ہوا؟ اور پھر یہ خالص علمی نزاع، کدورتوں اور جدال کی صورت کیسے اختیار کر گیا یہ جگر فگار داستان اور اس میں حضرت شیخ کے مسلکِ اعتدال کی کیفیت درج ذیل ہے۔

"خیر المدارس (ملتان) کے سالانہ جلسہ (۱۹۵۸ء) میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے ارشاد فرمایا۔" یہ نظریہ قطعاً بے بنیاد ہے کہ معاذ اللہ! انبیاء علیہم السلام کی ازواجِ مطہرات قبروں میں پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان سے شب باشی کرتے ہیں۔ یہ قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ رضؓ کے خلاف ہے۔ جب کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، کہ حضور علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ کی آیت صاف دلالت کرتی ہے۔ اِس سے بعض علماءِ کرام نے یہ بات

نکال لی کہ سید عنایت اللہ شاہ اور مولانا غلام اللہ خان حیات النبی کے قائل نہیں ہیں۔" (ماہنامہ تعلیم القرآن نومبر ۱۹۵۸ء ص۳۵)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ ابتدائی مرحلہ ہی میں مقتدر علماء کرام یکجا بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعہ شکوک و شبہات کے طوفانِ بلاخیز کی راہ میں سدِ سکندری کھڑی کر دیتے اور معاملہ بڑھنے نہ پاتا۔ اس موضوع پر راولپنڈی میں پہلی تقریر مولانا محمد علی جالندھری نے جامع مسجد بھوسہ منڈی میں کی تھی۔ جس کا جواب حضرت شیخ نے اپنے خطبہ جمعہ میں دیا۔ رفتہ رفتہ جانبین سے اس میں اس قدر شدت پیدا ہو گئی جس سے ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری اس کی سنگینی اور نقصانات کا تجزیہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

"مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تین سال سے بحث و تمحیص کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ تقریر و تحریر کے ذریعے اس پر کافی لے دے ہو چکی ہے۔ اس وقت یہ اختلاف کی ایک خطرناک اور افسوسناک منزل میں داخل ہو چکا ہے۔ فریقین میں نفرت اور بُعد کی ایک وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے۔ ایک دوسرے پر اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ عزت و احترام اور مہر و محبت کے جذبات سرد پڑ چکے ہیں۔

یہ اختلاف دو شہروں کے دو باشندوں کے درمیان نہیں، یہ اختلاف ایک شہر کے دو مختلف محلوں میں رہنے والے دو آدمیوں کا نہیں، یہ اختلاف ایک محلہ میں بسنے والے دو خاندانوں کے مابین نہیں۔ یہ حقیقت کس قدر دردناک اور کربناک ہے کہ یہ اختلاف جو اب شقاق و افتراق کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے، ایک ہی خاندان کے دو افراد، ایک ہی مادرِ ملت کے دو فرزندوں کے درمیان ہے۔ یہ وہی

دونوں بھائی ہیں جنہوں نے ایک ہی چھاتی سے دودھ پیا۔ ایک ہی سائے میں پل کر جوان ہوئے اور ایک ہی گود میں پروان چڑھے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ یہ گلے لگ کر ملا کرتے تھے۔ مل کر پیار اور محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک جگہ بیٹھ کر توحید و سنت کی اشاعت، شرک و بدعت کی اماتت۔ ملک و ملت کی بہتری اور بہبود کے لئے منصوبے بنایا کرتے تھے اور متحدہ نصب العین کی خاطر دوش بدوش اور شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کام کیا کرتے تھے۔

لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جب اس اختلاف کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو کوئی ایسی چیز سامنے نہیں آتی جو اس قدر نفرت اور بیگانگی کا باعث بن سکتی ہو۔ اور جس کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے کے خلاف باقاعدہ محاذ بنا کر جدال و قتال اور طعن و تشنیع پر آمادہ ہو جائیں۔" (ماہنامہ تعلیم القرآن جنوری ۱۹۶۰ء صٓ)

اختلاف کی بادِ صرصر ایسی شدت کے ساتھ چلی کہ پاکستان میں دیوبندیت کا "قصرِ رفیع" زمیں بوس ہو جانے کا گمان ہونے لگا۔ دیوبندی جماعت کے جس دبدبہ اور رعب سے ایوانِ بدعت، استعماری قوتیں اور باطل فرق ہمیشہ لرزہ براندام رہتے تھے، اس کے اتحاد و یگانگت کا شیرازہ تار تار ہو گیا! اس انتہائی افسوسناک حالت پر کتنے ہی عمائدینِ اسلام کے دل خون کے آنسو روتے رہے متعدد بار اس خلیج کو پاٹنے اس خلا کو پُر کرنے اور اس اختلاف و انشقاق کے سدِباب کی مخلصانہ کوششیں بھی بے اثر ثابت ہوئیں۔ ۱۸ر جون ۱۹۶۰ء کو فریقین گفت و شنید کے ذریعے اس قضیۂ نامرضیہ کو ختم کرنے کی غرض سے لاہور پہنچے لیکن شومئ قسمت کہ شیرانوالہ و ترجمانِ اسلام کے دفتر کے مابین قابَ قوسَین جتنا

فاصلہ نہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بالمشافہ گفت گو تک نہ ہو سکی۔ جبکہ دونوں طرف سے ممتاز اور مقتدر علماءِ کرام موجود تھے۔

سارے ملک کی نظریں لاہور کے اجتماع کی طرف مرکوز تھیں۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے ہر فرد کی توجہ کا مرکز لاہور کا اجتماع تھا۔ اس اجتماع سے قوم کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں لیکن انتہائی افسوس اور دکھ سے کہنا پڑتا ہے۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ایک مرتبہ پھر بعض حضرات کی مخلصانہ جدوجہد کے نتیجہ میں جنوری ۱۹۶۱ء کو حاجی محمد ابراہیم سکھر والوں کی دعوت پر سکھر میں اس مسئلہ کو حل کرنے کا تہیہ کیا گیا اور مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو متفقہ طور پر ثالث تسلیم کر لیا گیا لیکن عین وقت پر مولانا محمد علی جالندھری کو کسی قابلِ اعتراض تقریر کے باعث ملتان میں گرفتار کر لیا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کے رفقاء سکھر نہ پہنچ سکے۔ جبکہ حضرت شیخ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری وغیرہ سکھر پہنچ گئے تھے۔ اس طرح پھر یہ مسئلہ معرضِ التواء میں پڑ گیا۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن۔ فروری ۱۹۶۱ء۔ ص۶)

سکھر کے اجتماع سے قبل فریقین درجِ ذیل عبارت پر متفق ہو کر تصفیہ کے طلبگار ہوئے تھے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔

بخدمت گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی و حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہم (چاروں آدمیوں) جانبین فریقین مسئلہ

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حیاتِ برزخی وحیات دنیوی) کے تصفیہ کے لئے آپ دونوں بزرگوں کو حکم تسلیم کرتے ہیں۔ مہربانی فرماکر مسئلہ مذکور میں فریقین کے دلائل سُن کر آپ جو فیصلہ کریں گے، ہمیں وہ منظور ہوگا۔"

یہ اجتماع سکھر میں ہوگا۔ تاریخ ۱۷، ۱۸ر جنوری ۱۹۶۱ء مقرر کی گئی ہے۔

دستخط محمد علی جالندھری   بقلم لال حسین اختر   لاشئ غلام اللہ خان   عنایت اللہ شاہ

اس مسئلہ میں حضرت شیخ کا مسلک ان کی عبارات کی روشنی میں حسب ذیل ہے۔

ایک سوال کے جواب میں دار العلوم تعلیم القرآن کے مفتی عبد الرشید تحریر فرماتے ہیں جس کی تصدیق و توثیق کے لئے شیخ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

"کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے۔ خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے۔ اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔"

مفتی عبد الرشید ۲۷ر صفر ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح ۔ لاشئ غلام اللہ خان

(ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۵۹ء ص ۱۰۷)

اسی طرح مولانا محمد شفیع مدرس مدرسہ اسلامیہ صادقیہ عباسیہ منچن آباد ضلع بہاولنگر کے سوال کے جواب میں مفتی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچایا جاتا ہے۔ اور قبر مبارک پر پڑھنے کے وقت بنفسِ نفیس سنتے ہیں۔ جیساکہ کئی روایات میں آیا ہے۔ اور یہی جمہور علماء دیوبند کا مسلک ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فرعی

ہے، بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے۔ فلہذا اس میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے دلائل کی بنا پر اگر اس میں کوئی صاحبِ علم اختلاف کرے تو وہ معذور ہے۔"

مفتی عبدالرشید۔ ۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ ھ

اور شیخ القرآن اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے فیصلہ کو مان لینا چاہیئے۔ اگرچہ ہم اور اکابرین علماءِ دیوبند سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں لیکن جو دوام کے قائل نہیں ہیں وہ بھی علماءِ اہلِ سنت و الجماعۃ اور علماء دیوبند میں سے ہیں۔"

لاشئ غلام اللہ خان ۱۷ ر جمادی الاول ۱۳۸۲ ھ

سورۂ آلِ عمران کی آیت بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ کی تفسیر میں ایک طویل بحث کے اختتام پر حضرت شیخ القرآن فرماتے ہیں:۔

" خلاصۃ الکلام یہ کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہے وہ ہمارے ادراک و حواس سے بالا ہے لیکن حیاتِ شہداء سے بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ اور پھر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت ارفع و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے۔" (تفسیر جواہر القرآن۔ ج ۱ ص ۱۹۴)

سماعِ موتیٰ کا مسئلہ زمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔ بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص و نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ

دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماءِ کرام کی یہ رائے رہی ہے کہ مردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماءِ کرام نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماعِ موتیٰ کی نفی کی ہے۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ جو علماء سماعِ موتیٰ کی نفی کرتے ہیں، ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ہے۔ جبکہ قائلینِ سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔" (تفسیر جواہر القرآن۔ ج ۲۔ ص ۹۰۲)

بالآخر حکیم الاسلام قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہٗ کے ذریعہ اللہ رب العزت نے اس مسئلہ کو حل کرایا۔ موصوف نے فریقین سے خط و کتابت کر کے فیصلہ پر آمادہ کر لیا۔ حضرت شیخ کے نام موصوف کا ایک مکتوب اور فیصلہ کی تفصیلات پیشِ خدمت ہیں۔

از لاہور

مخترمی و معظمی۔ زید فضلکم

السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہٗ۔

جناب سے رخصت ہو کر راولپنڈی سے بائی ایر لاہور اور وہاں سے کراچی اور آج وہاں سے ہوائی جہاز سے صبح نو بجے لاہور پہنچا۔ راولپنڈی سے اکوڑہ پہنچ کر بھاگ دوڑ کے ساتھ معاملہ متعلقہ مسئلہ حیات النبی ؐ کی روداد قلمبند کی جو رہ گئی وہ پشاور میں۔ جو وہاں سے رہ گئی وہ ہوائی جہاز میں۔ غرض اسے مکمل کیا۔ کراچی میں مسودہ نقل کرایا مگر وہ غلط نقل ہوا۔ آخر خود ہی اولاً صاف کیا۔ پھر زاہر سلمہٗ سے نقل کرایا۔ جو ارسالِ خدمتِ گرامی ہے۔ اس کی نقل خدام الدین کو طباعت کے لئے دی

گئی ہے اور ایک جناب کے پاس ارسال ہے۔ اسے رسالہ تعلیم القرآن میں شائع کرا دیا جائے۔

اس کے ارسال میں تاخیر غیر معمولی ہوگئی مگر کیا عرض کروں مصروفیت بے حد رہی بہرحال وَالخَیرُ فِیمَا وَقَعَ۔

مولانا قاری نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صدمہ قلب پر غیر معمولی رہا۔ اور کئی دن تک ان کے حادثہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رہا حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ احقر ان شاء اللہ تعالیٰ ۸ر جولائی ۶۲ء بروز اتوار وطن واپس ہوگا۔ دعا کا خواستگار ہوں، امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

محمد طیب غفرلہ۔ سمن آباد۔ سخاوت منزل ۵ر جولائی ۱۹۶۲ء

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چار سالہ نزاع کا خاتمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

برزخ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا مسئلہ مشہور و معروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ علماءِ دیوبند حسبِ عقیدہ اہلِ سنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ کے ساتھ ارواحِ مبارکہ کا ایسا

ہی تعلق قائم ہے۔ جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ اور وہ قبورِ مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام بھی سنتے ہیں۔ وغیرہ۔ علمارِ دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب و سنت سے وراثتاً پایا ہے۔ اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔ حتی کہ جب بریلوی حلقوں سے ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ برزخ میں حیاتِ انبیار کے منکر ہیں! وراس افترار سے علمارِ حرمین شریفین کو ان کی طرف سے بدظن بناکر اور دھوکہ دے کر ان کے خلاف فتویٰ بھی حاصل کر لیا گیا لیکن جب علمارِ حرمین پر اس دھوکہ دہی کی حقیقت کھلی اور انہوں نے اس قسم کے تمام مسائل کے بارے میں از خود ایک مفصل استفتار مرتب کر کے علمارِ دیوبند سے جواب مانگا جس میں حیاتِ انبیار کا سوال بھی شامل تھا۔ تو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل جوابی فتویٰ بنام المہنّد علی المفنّد مرتب فرما کر علمائے حرمین کے پاس ارسال فرمایا۔ جس میں مسئلہ حیات النبی وحیاتِ انبیارِ کرام کے بارے میں علمارِ دیوبند کا نقطۂ نظر غیر مشتبہ اور واضح الفاظ میں تحریر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیار علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور برزخ میں ان کی یہ حیات حیاتِ دنیوی ہے۔ نیز اسی ذیل میں اس نقطۂ نظر کو مزید واضح اور مضبوط تر کرنے کے لئے انہوں نے بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے رسالۂ آبِ حیات کا حوالہ بھی دیا۔ جو اس موضوع پر ایک مستقل اور پُر از حقائق و معارف کتاب ہے۔ جس کا مقصد اس مسئلہ کو ایک مستحکم تائید کے علاوہ یہ بھی تھا کہ علمارِ دیوبند کا یہ عقیدہ (حیاتِ انبیار) انہیں

ان کے اسلاف سے بطور توارث کے ملا ہے۔ کوئی انفرادی رائے یا وقتی ہنگامی فتویٰ نہیں ہے، جو حوادث کے پیش آنے سے اتفاقاً سامنے آگیا ہے۔ پھر اس مسئلہ اور اس کے بارے میں حضرت نانوتوی کے رسالہ کے حوالہ کی تائید میں اس وقت کے تمام اکابر علماءِ دیوبند کے توثیقی دستخط بھی اس میں ثبت کرائے جس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ مسئلہ حیاتِ انبیاء کے بارے میں یہ مذکورہ عقیدہ صرف ان کے سلف ہی کا نہیں بلکہ خَلَف بھی اس کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح سلف قائل تھے اور اس طرح یہ مسئلہ (اثباتِ حیاتِ انبیاء) بہ طرز مذکور سلف سے لے کر خلف تک یکسانی کے ساتھ مسلمہ اور متفق رہا ہے اور تمام علماءِ دیوبند کا یہ اجماعی مسلک ہے، جس سے کوئی منحرف نہیں ہے۔ بخت واتفاق سے وقت کے بعض فضلاءِ دیوبند نے اس مسئلہ کی تفصیلات میں کچھ اختلاف فرمایا جس کا ظہور تین چار سال سے ہوا۔ نفسِ اختلافِ رائے مضر نہ ہوتا لیکن سوءِ اتفاق سے یہ اختلاف اسٹیج پر آگیا اور اس میں ردو قدح کی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ عوام کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوگئی! اور آخر کار اس مسئلہ کی بحث علماء سے گذر کر عوام میں ان کے رنگ سے پھیل گئی۔ جس سے قدرتاً اس اختلاف نے نزاع وجدال باہمی کی صورت اختیار کرلی۔ گروپ بندی شروع ہوگئی! اور یہ بحث آخر کار ایک جماعتی فتنہ کی صورت میں آگئی۔ جس سے مسئلہ تو ایک طرف رہ گیا اور فساد آگے آگیا۔ اور خود جماعتِ دیوبند میں تفریق وتفرق اور تحزب کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ جانبین سے رسالے لکھے گئے۔ اخباری بحثیں چھڑ گئیں جس سے جماعت کی اجتماعی قوت کو سخت نقصان پہنچا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اور اخبارات ورسائل سے ان مناقشات کی خبریں معلوم کرکے دل زخمی ہوتا رہا

اور جوں جوں یہ فتنہ بڑھتا گیا ووں ووں دل کا غم بھی ترقی کرتا گیا۔ دلی آرزو تھی کہ کسی طرح یہ فتنہ، نزاع و جدال کی یہ صورت ختم ہو جائے۔ حسنِ اتفاق سے ۲۶ر اپریل ۱۹۶۲ء کو احقر کو پاکستان حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ اور اسی ماہ میں بزمانہ قیامِ لاہور جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب اور محترم مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری احقر سے ملاقات کے لئے قیامگاہ پر تشریف لائے۔ دورانِ ملاقات احقر نے اس نزاع و جدال کا شکوہ کرتے ہوئے اس صورتِ حال کے مضر اثرات کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ یہ صورت بہر نہج ختم ہونی چاہیئے۔ جبکہ یہ مسئلہ کوئی ایسا اساسی مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے اسٹیج پر لایا جائے اور اس کی وجہ سے تفریق و تفرق اور تحزب کے ان مضر اثرات کو نظر انداز کیا جاتا رہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ مسئلہ یا تو اسٹیج پر آئے ہی نہیں۔ اور اگر اتفاقاً آجائے تو اس کا عنوان نزاعی نہ رہے! اس پر ان دونوں بزرگوں نے نہایت مخلصانہ اور دردانگیز لہجہ میں کہا کہ ہم خود بھی اس صورتِ حال سے دل گرفتہ ہیں اور دلی تنگی محسوس کرتے ہیں۔ کاش آپ (احقر) ہی اس درمیان میں پڑ کر اس نزاع کو ختم کرادیں! ورنہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے سوا یہ قصہ کسی دوسرے کے بس کا ہی بھی نہیں۔ اس بارہ میں آپ کی اب تک کی تحریرات نہایت معتدل انداز سے سامنے آئی ہیں جن کو دونوں فریق نے نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اب بھی اس بارے میں آپ کی مساعی احترام و قبول کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ احقر کو ان مخلصانہ جملوں سے نزاع کے ختم ہونے کی کافی توقع پیدا ہو گئی اور ارادہ کر لیا گیا کہ فریقین کے ذمہ دار افراد سے مل کر کوئی

مفاہمت کی صورت پیدا کی جائے۔ چنانچہ جواب میں یہی عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب دام مجدہٗ شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان سے مل کر میں اس سلسلے میں کوئی رائے قائم کروں گا۔ کراچی پہنچ کر احقر نے اس سلسلے میں مولانا غلام اللہ خانصاحب سے مراسلت شروع کی تاکہ معاملہ کے کچھ ابتدائی مبادی طے ہو سکیں ظاہر ہے کہ کسی دینی مسئلہ میں مفاہمت کے معنی خلافِ دیانت رائے تبدیل کر دینے یا مسئلہ کو کم و بیش کر کے کسی اجتماعی نقطہ پر آجانے کے تو ہو ہی نہیں سکتے۔ اس لئے طریقۂ مفاہمت اور فریقین کے لئے نقطۂ اجتماع ذہن میں یہ آیا۔ کہ اولاً یہ مسئلہ عوام میں لایا ہی نہ جائے اور اگر بیان مسئلہ کی نوبت آئے تو اس کا قدر مشترک پیش کر کے اس کی تفصیلات اور اختلافی خصوصیات پر زور نہ دیا جائے۔ بلکہ عوام کو ان کی گہری خصوصیات میں پڑنے سے روکا جائے۔ تو کم از کم عوام میں سے یہ نزاعی صورتیں ختم ہو جائیں گی جو مضر ثابت ہو رہی ہیں۔ پھر اگر علماء کی حد تک تفصیلات میں کچھ اختلاف باقی رہ بھی جائے جس کا عوام سے کوئی تعلق نہ ہو تو گروپ بندی کے مضر اثرات ختم ہو جائیں گے جو فتنہ کی اصل بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے احقر نے اپنی محدود معلومات کی حد تک اس مسئلہ کے قدرِ اشتراک کا ایک عنوان تجویز کر کے مولانا ممدوح کو لکھا کہ وہ اس بارے میں اپنی رائے ظاہر فرمائیں تاکہ دوسرے حضرات کی رائے بھی حاصل کی جا سکے۔ اس عریضہ کا جواب مجھے ملتان پہنچ کر مدرسہ خیر المدارس میں ملا۔ جس میں مولانا غلام اللہ خانصاحب نے احقر کے عنوان کو رد کئے بغیر خود بھی ایک عنوان لکھ کر بھیجا۔ اس موقع پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب مولانا محمد علی جالندھری اور دوسرے معتمد علماء جمع تھے جن کے سامنے احقر نے اپنا منصوبہ

اور یہ دونوں عنوان رکھ کر گفتگو کی۔ طے یہ پایا کہ قیامِ ملتان کی قلیل مدت اس مسئلہ کے لئے کافی نہیں ہے اور بعض ضروری افراد بھی یہاں موجود نہیں اس لئے اس مسئلہ پر گفتگو جہلم میں رکھی جائے اور وہاں ایک مستقل دن اس کام کے لئے فارغ رکھا جائے۔ ساتھ ہی احقر نے ملتان ہی سے اپنی تقریروں میں اس منصوبہ کے لئے زمین ہموار کرنی شروع کر دی۔ ملتان، سرگودھا، جہلم اور راولپنڈی میں خصوصیت کے ساتھ اس سلسلہ میں اصلاحی عنوانات اختیار کئے گئے۔ احقر نے اس سلسلہ میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی اور مولانا محمد علی جالندھری سے جہلم تشریف لے چلنے کے لئے عرض کیا جس کو ان حضرات نے بخوشدلی منظور فرما لیا۔ مقررہ تاریخ پر یہ سب حضرات جہلم میں جمع ہو گئے اور مسئلہ حیات النبیؐ کا قدرِ مشترک زیرِ غور آیا۔ طے یہ پایا کہ قدرِ مشترک کم از کم اتنی تفصیل ضرور لئے ہوئے ہونا چاہیئے جس سے مسئلہ کے تمام بنیادی گوشوں پر روشنی پڑ سکے اور عوام بطور عقیدہ کے اسے سمجھ سکیں۔ چنانچہ گفتگو کے بعد ایک جامع تعبیر احقر نے قلمبند کی اور ارادہ کیا گیا کہ راولپنڈی میں ان حضرات ممدوحین کی موجودگی میں دوسری جانب کے ذمہ دار حضرات مولانا غلام اللہ خان صاحب قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو جمع کر کے اس منصوبہ اور مجوزہ عنوان پر گفتگو کی جائے اور اس مسئلہ کا آخری طور پر فیصلہ کر دیا جائے۔

چنانچہ ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء بروز جمعہ دونوں جانب کے یہ سب بزرگ احقر کی قیامگاہ (مدرسہ حنفیہ عثمانیہ) میں جمع ہو گئے۔ اس مجلس میں احقر نے اس معاملہ کی

اول سے آخر تک ساری روداد بیان کر کے مسئلہ کا وہ منقّح قدرِ مشترک دونوں جانب کے ان ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا۔ گفتگو نہایت دوستدارانہ اور مخلصانہ ماحول میں ہوئی۔ اور ختمِ مجلس تک الحمدللہ یہی ماحول قائم رہا۔ نہ اس میں ہار جیت کے جذبات تھے، نہ غلبہ و مغلوبیت کے تصورات تھے۔ بلکہ مسئلہ کو سلجھانے اور نبٹانے کے جذبات نمایاں تھے۔ اور آخر یہ نتیجہ نکلا کہ دونوں حلقوں نے احقر کی پیش کردہ قدرِ مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا۔ اور اس قدرِ مشترک کی تحریری یادداشت پر جو احقر نے اپنے دستخط سے پیش کی، فریقین نے دستخط فرما دئیے۔ اس تحریری یادداشت کا متن بلفظہٖ حسبِ ذیل ہے :۔

"عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارتِ ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ (عنوان) مسئلہ کا قدرِ مشترک ہوگا۔ ضرورت پڑنے پر اسی کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ عبارت حسبِ ذیل ہے :۔

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلقِ روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونیوالوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب۔ وارد حال راولپنڈی ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء

(مولانا قاضی) نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ

لاشئ (مولانا) غلام اللہ خان (مولانا) محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ

اس مختصر عبارت کی کافی تفصیل چونکہ مولانا قاضی شمس الدین صاحب (برادرِ خورد

مولانا قاضی نور محمد صاحب) اپنے مکتوب میں لکھ کر مولانا محمد علی صاحب جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے اس لئے یہ عبارت بالا ان کی مسلمہ ہے۔ بنا بریں اس عبارت پر ان کے دستخط کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ عبارت بالا کو ان کی مسلمہ سمجھا جائے۔

چونکہ اس موقع پر سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری بوجہ علالت راولپنڈی تشریف نہ لا سکے اس لئے احقر کے عرض کرنے پر اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ان کے بارے میں حسبِ ذیل تحریر دستخط کر کے بندہ کو عنایت فرمائی۔ جس کا متن بلفظہٖ حسبِ ذیل ہے۔

ہم (مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب) اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر (مندرجہ بالا) پر دستخط کرائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں۔ اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی میں اس تحریر کی حد تک اُن سے برارت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ کرائیں گے۔ اور اگر اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے۔

نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ لاشئ غلام اللہ خان (۲۲ جون ۱۹۶۲ء)

اس تحریر سے ہر دو دستخط کنندہ بزرگوں کی حق گوئی اور حق پسندی ظاہر ہے۔ باوجودیکہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے ان بزرگوں کے قوی ترین تعلقات اور مخلصانہ روابط ہیں مگر اس بارہ میں کسی رُو رعایت سے کام نہیں لیا۔ جس سے ان کی انصاف پسندی اور دین کے بارے میں بے لوثی نمایاں ہے۔ تاہم سید صاحب ممدوح کے بارے میں مجھے اپنی معلومات کی حد تک یہ عرض کرنے میں کوئی جھجھک

محسوس نہیں ہوتی کہ وہ برزخ میں انبیاء کی حیاتِ جسمانی کے کلیۃً منکر نہیں ہیں صرف اس کی کیفیت اور نوعیت میں کلام کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہ حاضرین قبر شریف کے درود و سلام کے حضور کے سمع مبارک تک پہنچنے اور آپ کے سننے کا بھی علی الاطلاق انکار نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے دوام اور ہمہ وقتی ہونے کے قائل نہیں۔ ان کا یہ ناتمام اقرار چونکہ ان کی مفہومہ حجت سے ہے اس لئے انہیں اس بارہ میں منکر نہیں کہا جائے گا بلکہ مؤول سمجھا جائے گا۔ گو ان کی یہ تاویل بمقابلہ جمہور اس ناچیز اور ہر دو دستخط کنندہ بزرگان ممدوحین بالا کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں لیکن مذکورہ صورتِ حال کے ہوتے ہوئے جبکہ ان کا یہ اختلاف حجت سے ہے، ان پر زبانِ طعن و ملامت کھولنا یا تشنیع کرنا کسی طرح قرینِ انصاف و صواب نہیں بالخصوص جب کہ وہ دوسرے مسائل میں بحیثیت مجموعی اہلِ دیوبند اور اہلسنت والجماعت کے حامی و خادم بھی ہیں۔ اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر سکوت اختیار کر لیا جانا ہی قرینِ مصلحت اور جانبین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ ساتھ ہی مجھے اپنے محترم سید صاحب ممدوح سے بھی پوری توقع اور امید رکھنی چاہیئے کہ وہ مسئلہ حیات کی ان تفصیلات میں جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کا احترام قائم رکھنے کے لئے اپنے کسی خصوصی مفہوم کو خواہ وہ ان کی دانست میں مفہوم اہلسنت والجماعۃ ہی ہو مگر جمہور علماء کے نزدیک وہ ان کا خصوصی مفہوم شمار کیا جا رہا ہو۔ اور خواہ وہ کتنی بھی دیانت پر مبنی ہو ضروری الاشاعت نہ سمجھتے ہوئے سکوت کو کلام پر ترجیح دیں گے۔ مسئلہ کوئی ایسا اساسی اور بنیادی عقائد کا نہیں ہے کہ اس میں تکلف بحد تعسّف روا رکھا جائے۔

اسی طرح عام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ مسائل اور ان میں علمار کے جزوی اختلافات کو مناقشات اور جدال و نزاع کا ذریعہ نہ بنائیں۔ اس قسم کے اختلافات امت کے لئے آسانیوں کا ذریعہ بنائے گئے ہیں نہ کہ نزاعات اور مناقشات کا۔ اس لئے عملاً و اعتقاداً جمہور سلف و خلف کا دامن تھام کر دوسری جانبوں سے مسامحت اختیار کریں۔ لڑنے اور لڑانے کی خو پیدا نہ کریں آج امت کے بہت سے اہم اور بنیادی مسائل ہیں جو ان کی ہیئت اجتماعی کے متقاضی ہیں۔ اور یہ ہیئت جب ہی برقرار رہ سکتی ہے کہ اسے اس قسم کے فروعی اختلافات میں بصورت گروہ بندی ضائع نہ کیا جائے۔ آخر میں میں دونوں جانب کے بزرگوں اور بالخصوص فریقین کے نامزدہ اکابر کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز کی گذارشات کو پوری توجہ اور التفاتِ خاطر اور سمعِ قبول کے ساتھ سنا۔ اور ملت کو بہت سے مفاسد اور مہالک سے بچا لیا۔ فجزاہم اللہ عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزار۔ اس نئی اصلاحی صورت کا سب سے زیادہ شاندار مظاہرہ راولپنڈی کے اس عظیم الشان جلسۂ عام میں ہوا جو احقر کی تقریر کے سلسلہ میں مدرسہ حنفیہ عثمانیہ کے زیر اہتمام ایک بڑے میدان میں زیرِ صدارت حضرت مولانا خیر محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان منعقد کیا گیا تھا۔ احقر کو منظوم سپاسنامہ دینے سے جلسہ کا آغاز ہوا اور احقر کی تقریر شروع ہوئی جو تقریباً ڈھائی گھنٹہ جاری رہی۔ تقریر کے آخر میں احقر نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اس نزاع کے ختم ہونے کی بشارت تفصیل سے سنائی جس سے عوام میں خوشی کی ایک بے پناہ لہر دوڑ گئی۔ اور ان ہزارہا انسانوں کے ہجوم نے بے تحاشا تبریک و تہنیت کے نعرے لگانے شروع کر دئے

جس سے فضا گونج اٹھی۔ ختم تقریر پر ایک جانب سے مولانا غلام اللہ خانصاحب نے اور دوسری جانب سے مولانا محمد علی جالندھری نے اپنی تقریروں سے اس بیان کی توثیق کی اور نہایت فراخدلانہ اور مخلصانہ لب ولہجہ سے فرمایا کہ ہم نے مہتمم دار العلوم دیوبند کے درمیان میں پڑ جانے سے اس مسئلہ کی نزاعی صورت حال کو ختم کر دیا ہے۔ اور جو چیز ہمیں ناممکن نظر آرہی تھی وہ اس شخصیت (احقر ناکارہ) کے درمیان میں آجانے سے نہ صرف ممکن ہی بن گئی بلکہ واقع ہو کر سامنے آگئی۔ اور ہم کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس مہم کو مہتمم دار العلوم ہی کی شخصیت انجام دے سکتی تھی جس میں ایک طرف دار العلوم دیوبند جیسے علمی و مذہبی مرکز کی سربراہی کی نسبت موجود ہے جو ہم سب کا مرکز قلوب ہے! اور دوسری طرف بانی دار العلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی وہ قاسمی نسبت بھی موجود ہے جو پوری قاسمی برادری کو اس پر متحد کئے ہوئے ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے سوا دوسرے سے یہ مہم انجام نہیں پا سکتی تھی۔ بہر حال ہم نے اس نزاع کو ختم کر دیا ہے اور ہم اس بارے میں عوام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔ ان دو تقریروں کے بعد یہ ہزاروں آدمیوں کا عظیم اجتماع جذباتِ مسرت سے ابل پڑا۔ اور اس نے مہتمم دار العلوم زندہ باد، دار العلوم دیوبند زندہ باد اور علماءِ دیوبند زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کئے۔ کئی منٹ تک فضا نعروں سے گونجتی رہی۔ مجمع میں جذباتِ مسرت کی ایک عجیب حرکت تھی۔ جس سے مجمع متموّج دریا کی طرح متحرک نظر آرہا تھا اور نعروں میں تقریریں بند ہو گئیں۔ بالآخر جلسہ نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اور جو تحریک احقر کے قلم سے کراچی سے شروع ہوئی تھی وہ ملتان، سرگودھا، حافظ آباد

اور جہلم نیز اپنے مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی راولپنڈی میں حدِ اتمام تک پہنچ گئی۔ خدائے برتر و قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چار سال کی مکدّر فضا صاف ہوئی اور اس کے المناک آثار روبہ زوال نظر آنے لگے۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً۔

حق تعالےٰ اس یگانگت کو پائیدار اور برقرار رکھے! اور مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ دین و ملت کے اہم کاموں کو جزئیاتِ فرعیہ کے مقابلے میں اہم سمجھتے ہوئے اپنی اجتماعی قوتوں کو اُن پر لگائیں۔ آمین۔

احقر محمد طیّب مدیر دار العلوم دیوبند نزیل حال جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک
ضلع پشاور۔ ۲۴ر جون ۱۹۶۲ء

اس طرح اختلاف کا ہنگامہ خیز طوفان نہ صرف رک گیا۔ بلکہ اس کا دھارا ہی تبدیل ہوگیا۔ عرصہ سے جو کام ناممکن نظر آرہا تھا، وہ ممکن ہی نہیں بلکہ وقوع پذیر ہوگیا۔ اکابر اور اصاغر سب ہی نے قلبی مسرت کا اظہار کیا اور حکیم الاسلام کے سپاس گذار اور مرہونِ احسان ہوگئے۔

مولانا مودودی کے نظریات سے اختلاف

مولانا مودودی کے افکار و نظریات سے اختلاف کے باوصف حضرت شیخ کی وسعتِ ظرفی کا کرشمہ تھا کہ ان سے نہ صرف مراسم قائم رکھے بلکہ اپنا پُرلطف دسترخوان بھی ان کی خاطر سجاتے رہے ہیں لیکن جب ان کے ستم کار قلم کی جولانیاں بڑھتی گئیں اور علمائے کرام کی ناصحانہ اصلاح کی تمام کوششیں ناکامی کا شکار ہوگئیں اور سب سے زیادہ دل آزار کتاب "خلافت و ملوکیت" بھی لکھ ماری جس سے عظمتِ

صحابہ کا تابناک محل مسمار ہو گیا۔ اس کتاب میں صحابہ کبار کے خلاف الزام تراشی، بہتان طرازی اور کذب بیانی کی اس قدر بھرمار ہے کہ شیعیت بھی دم بخود ہو گئی مودودی صاحب نے من گھڑت اور جھوٹی تاریخی روایات سے عظمتِ صحابہ رضی کی مقدس چادر کو تار تار کر دیا۔

اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد بیشمار مقتدر علماءِ کرام نے اس کا دنداں شکن جواب لکھ کر "دفاعِ صحابہ" کا حق ادا کیا۔ یہانتک کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی جیسے معتدل مزاج، درویش منش اور صلح پسند بزرگ بھی مولانا مودودی کی زہر افشاں قلم سے صحابہ کرام کی تذلیل و تنقیص برداشت نہ کر سکے اور سراپا احتجاج بن گئے۔ ایک ضخیم کتاب "فتنۂ مودودیت" تالیف فرما کر امت کی رہنمائی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے۔

حضرت شیخ القرآن بیان کرتے تھے کہ ڈیرہ غازیخان کے علاقہ میں مجھ سے ایسے آدمی بھی ملے جنہوں نے برملا کہا کہ ہم نے جب سے خلافت و ملوکیت کا مطالعہ کیا ہے، صحابہ کرام کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اندریں حالات حضرت شیخ نے مولانا مودودی کے ساتھ قائم ذاتی مراسم اور تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر "فتنۂ مودودیت" کا تعاقب کیا، ان کی ریشہ دوانیوں کو طشت ازبام کیا۔ عظمتِ صحابہ کا پھریرا دشت و صحرا میں لہرایا۔ عصمتِ انبیاء اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ جس کے باعث جماعتِ اسلامی کے کارندے سیخ پا ہو گئے! اور انہوں نے الزامات و افترارات کی توپ کا دہانہ حضرت شیخ کی طرف موڑ دیا۔ اور موصوف کے خلاف ہر طرف سازشوں

کا جال بچھادیا۔ لیکن شیخ نے نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اس فتنہ کا بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ سعودی عرب میں بھی اپنی تقاریر کے ذریعہ مودودی صاحب کی خلافِ اسلام تمام عبارات کا پردہ چاک کیا۔

حضرت شیخ کی ایک تقریر پر آغا شورش کاشمیری نے سیخ پا ہو کر ایک شذرہ سپردِ قلم کیا تھا جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"مدیر"

مولانا غلام اللہ خان بنام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا غلام اللہ خان کا ایک انٹرویو پیپلز پارٹی کے نوزائیدہ ترجمان مساوات کے صفحۂ اول پر ۹ر جولائی کے شمارہ میں چھپا ہے۔ یہ انٹرویو معاصر مذکور کے نامہ نگار مقیم لائلپور نے حاصل کیا ہے ——————

مولانا فرماتے ہیں:۔

"مودودیت پاکستان کی داخلی سلامتی کے لئے سخت خطرہ بن گئی ہے! اور مسٹر مودودی حسن بن صباح سے زیادہ گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ قرآن میں تحریف کرنے سے بھی باز نہیں رہے۔" فرمایا کہ " مودودیت کے فتنے کو روکنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کا وقت آگیا ہے۔" مزید فرمایا " مودودی عالمِ اسلام کا قائد بننے کے جنون کا شکار ہیں۔ ان کی تمام اسلام دشمن تحریریں ضبط کی جائیں ہم قربانی دے کر پاکستان میں مودودی ازم کو پنپنے نہیں دیں گے۔

مولانا کے ارشادات کا سیاسی اور نفسیاتی بلکہ ہر نوعی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم اپنا یہ حق محفوظ رکھتے ہیں لیکن ہمارے دل میں چونکہ مولانا غلام اللہ خان کا

بے حد احترام ہے اور ہم انہیں غلام غوث کی طرح غیر مخلص یا فرستادہ نہیں سمجھتے لہٰذا ہم اپنے احترام کے اقتضا پر مولانا سے کہتے ہیں۔ اس بیان سے ہمارے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ:۔

مولانا ان تحریفات کی نشاندہی کریں جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کلام اللہ میں کی ہیں۔ اگر مولانا یہ ثابت کر دیں تو ہم مولانا کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ ہمیں کلامُ اللہ عزیز ہے مولانا مودودی نہیں۔ اور عزیز ہیں تو صرف اس لئے کہ انھوں نے قرآن واسلام کو نئی نسل کے دماغوں میں اُتارا ہے۔ نئی نسل یورپی تعلیم سے گمراہ ہو رہی تھی امولانا مودودی نے اپنے قلم سے اس گمراہی کو روکا اور اس پود میں اسلام کی صداقت نقش کر دی ہے۔

اگر تفسیر و بیان کے معاملہ میں کوئی اختلاف ہے تو یہ اختلاف ہمارے تمام مفسرین کی تفسیروں میں پایا جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی دَور محفوظ نہیں رہا۔ مولانا غلام اللہ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ مولانا مودودی نے فلاں آیت، سورت یا پارے میں تحریف کی ہے اور وہ تحریف کیا ہے؟ مولانا غلام اللہ از راہِ کرم بتائیں کہ وہ کون سی اسلام دشمن تحریریں ہیں جو حکومت کو ضبط کرنی چاہئیں۔

اگر مولانا نے ان تحریروں اور تحریفوں سے آگاہ فرما دیا تو ہم ایک دفعہ پھر انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ گو ہم جماعتِ اسلامی کے رکن نہیں اور نہ اس جماعت کے ارکان کو نطشے کا فوق البشر سمجھتے ہیں۔ تاہم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ اس دَور میں

جتنی خدمت اسلام کی ان کے قلم اور زبان سے ہوئی ہے ایک ایسا شخص ہی سرانجام دے سکتا ہے جس کے ساتھ تائیدِ ایزدی ہو۔ کیا مولانا غلام اللہ خان نئی نسل کو قرآن و سنت سے معرّیٰ سمجھتے ہیں کہ وہ حسن بن صباح کے گرد جمع ہو رہی ہے اور قرآنِ پاک میں تحریف کو برداشت کر رہی ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے خون سے کلام اللہ کی حفاظت کی ہے۔ کیا اب مسلمان فروتر ہو گیا ہے۔ کہ قرآن میں تحریف دیکھتا اور آپ ایسے بزرگوں کے احتجاج یا تحریک کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج آپ بغیر سند یا بغیر حوالہ قرآن میں تحریف کا ذکر کرتے ہیں۔ کل کلاں کمیونسٹ اور ان کے ساتھی قرآن میں تحریف کر دیں تب بتائیں تو عوام نوٹس نہ لیں اور محرف کہیں کہ علماء کا پرانا شعار اور سیاسی شعبدہ ہے! کیا مسلمان بے حس ہو گئے ہیں یا اس قسم کے بیانات کا نتیجہ بے حسی پر منتج ہوا ہے؟ دو باتیں اور بھی سن لیجئے۔ مولانا لال حسین اختر جو مجلسِ ختم نبوت کے راہنما ہیں اور ہم ان کا یہ واقعہ کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں۔ زمانہ ہوتا ہے انہیں ایک صاحب سی آئی ڈی کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی کوٹھی میں لے گئے۔ وہاں پر دسترخوانِ نعمت بچھایا گیا تھا۔ ان سے کہا گیا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے متعلق جو کچھ آپ تقریروں میں فرماتے ہیں، اس کو جاری رکھیں۔ میں اتنے روپے ماہانہ نذر کرتا رہوں گا۔ مولانا لال حسین پیش کش مسترد کر کے واپس آ گئے۔ یہ ایوب خان کے عہد کا واقعہ ہے اور مولانا نے بے شمار دوستوں کی موجودگی میں ہم سے بیان کیا۔

(ب) تین چار روز ہوتے ہیں حضرت مفتی محمد حسن کے صاحبزادے مولانا

عبید اللہ نے بیان کیا کہ "اباجان نور اللہ مرقدہٗ حیات تھے تو مولانا مودودی انہیں ملنے آئے۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے انہیں کہا۔ آپ کی کتابوں سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں قرآن و سنت کی تحریف کی گئی ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، مخلص ہوں تو سب سے پہلے مجھے کہیں! کلام تو متکلم کا ہوتا ہے متکلم نے جو کچھ کہا ہو اس سے دریافت کیا جائے کہ تمہارا مطلب کیا ہے۔ خود مطلب پہنانا انصاف ہے نہ دیانت۔ بالفرض اگر میں نے کوئی غلطی کی ہے تو صحیح طریقِ کار یہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو اصلاح کی دعوت دیں، نہ کہ احتجاج کا ہنگامہ کھڑا کر دیں۔ اور وہ باتیں مجھ سے منسوب کریں جو میری کسی تقریر و تحریر میں نہیں۔"

مولانا عبید اللہ راوی ہیں کہ مولانا مودودی نے کہا کہ آپ مولانا احمد علی صاحب کو بلالیں، میں بھی حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر میں غلط نکلا تو آپ میری تحریروں کے جس جس حصے پر قلم لگا دیں گے میں فوراً کاٹ دوں گا۔ القصہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے وقت طے ہو گیا لیکن جس دن مولانا احمد علی کو حوالے لے کر نشاندہی کے لئے آنا تھا وہ تشریف نہ لائے۔ ان سے کچھ دیر پہلے غلام غوث ان کا ایک خط لے کر وارد ہوئے اباجان کے نام تحریر تھا کہ:-

"میں منشی مودودی کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔"

اس پر اباجان کبیدہ خاطر ہو گئے انہوں نے خط پڑھ کر غلام غوث سے کہا۔

"مولانا سے کہنا۔ آپ ایک غیر اسلامی تحریک میں نا مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو سکتے تھے لیکن اسلامی مقصد کے لئے ایک مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے کو بھی تیار نہیں۔ مجھے اس گریز، انکار اور فرار سے دکھ ہوا ہے۔"

مولانا غلام اللہ خان کے قلب سلیم کی خاطر یہ دونوں واقعات نقل کئے ہیں۔ بحمد اللہ دونوں کے راوی زندہ ہیں۔ آخر میں ایک دفعہ پھر ہم مولانا غلام اللہ سے عرض کریں گے کہ وہ ہمیں تحریفات سے آگاہ کریں۔ ہم ان کے نیاز مند ہیں اور اپنے وعدے کے پابند۔ انہوں نے تحریفات ثابت کر دیں تو اللہ گواہ ہے۔ ہم مولانا مودودی کے بجائے ان کی صف میں ہوں گے۔"

آغا شورش کاشمیری کے اس شذرہ کے جواب میں حضرت شیخ القرآن نے حسب ذیل کھلا خط ارسال فرمایا۔

محترمی و مکرمی جناب آغا شورش کاشمیری صاحب۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ خیریت مطلوب۔

آج ہی سفر سے واپسی پر چٹان دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے "مولانا غلام اللہ اور مولانا مودودی" کے عنوان سے جو کچھ سپرد قرطاس کیا ہے اسے پڑھ کر خوشی ہوئی .... اور افسوس بھی ہوا کہ آپ مودودی صاحب کی تمام تحریرات کو عین اسلام سمجھنے کی شدید ترین غلطی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

آپ نے مطالبہ کیا ہے کہ میں ان تحریفات کی نشاندہی کروں جو مودودی صاحب نے کلام اللہ میں کی ہیں اور ان تحریرات سے آگاہ کروں جو اسلام دشمنی کی بنا پر قابلِ ضبطی ہیں۔ آپ نے "دو باتیں اور سن لیجئے" کے عنوان سے جو دو روایتیں نقل کر کے تعریض کی ہے۔ شاید میرا بیان بھی مودودی صاحب کے متعلق از قبیل گراف ہے۔ مجھے ان روایتوں کے صحت و سقم سے کچھ سروکار نہیں۔ حضرت مولانا احمد علی مرحوم و مغفور تو دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ مگر میں تو بفضلہ تعالٰی ابھی بقید حیات ہوں۔

آپ کا ممنون ہوں گا اگر آپ مودودی صاحب سے وقت اور جگہ متعین کر دیں۔ میں ان شاء اللہ اپنی جماعت کے رفقاء کی معیت میں جائے مقررہ اور وقت متعینہ پر حاضر ہو جاؤں گا۔ مودودی صاحب بھی اپنے معتمد علیہ رفقاء کے ساتھ موجود ہوں۔ پھر آپ کی موجودگی میں ان تمام تحریفات اور اسلام دشمن تحریرات کی نشاندہی کر دوں گا۔ جن کے پیشِ نظر مودودیت کو عظیم فتنہ سمجھتا ہوں تحریفِ آیات، توہینِ انبیاء اور تنقیصِ صحابہ کا زہر یلا اور غلط مواد مودودی صاحب کی کتابوں سے نکال کر سامنے رکھ دوں گا۔ ان شاء اللہ ایک ہی مجلس میں فیصلہ ہو جائے گا۔

میں دیانت و امانت سے صاف کہتا ہوں کہ آپ اصولِ تفسیر سے ناواقف اور نقدِ روایات کے معاملہ میں دسترس نہیں رکھتے۔ تفسیریں تو مرزائیوں چکڑالویوں نے بھی لکھی ہیں۔ کیا وہ بھی قابلِ قبول ہیں۔ نہیں اور یقیناً نہیں تفسیر کے بارہ میں علماء نے کچھ قواعد و ضوابط وضع فرمائے ہیں۔ جو میں موقع آنے پر بتا دوں گا۔ ان قواعد و ضوابط سے ہٹ کر جو تفسیر کی جائے گی وہ تفسیر بالرائے اور مردود ہو گی۔ بلکہ وہ قرآن کی تفسیر کی بجائے قرآن کی تحریف کہلانے کی زیادہ مستحق ہو گی۔ اگر ایسی ہی تفسیر کا نقش مودودی صاحب نے نئی پود کے دماغوں میں اتارا ہے اور آپ اسے عین اسلام سمجھیں تو یہ آپ کی صریح غلطی ہے۔

آپ کا یہ سوال کہ نئی نسل قرآن و سنت سے معرّٰی ہے جو حسن بن صباح کے گرد جمع ہو رہی ہے اور قرآن کی تحریف کو برداشت کر رہی ہے۔ نہایت دلچسپ ہے۔ وہ نئی نسل جس نے مغربی تہذیب کے گہوارہ میں آنکھیں کھولیں اور مغربی تمدّن

نے پروان چڑھایا، اُن کے متعلق آپ کا حسنِ ظن ناقابلِ فہم ہے۔ یہ سوال تو انگریزوں کے خود کاشتہ پودا کی آبیاری کرنیوالوں اور پرویز کے گرد جمع ہونیوالوں کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ رہا یہ کہ حق پرست علماء نے ہر دور میں فتنوں کا مقابلہ کیا ہے تو میں یہ استفسار کرنے میں حق بجانب ہوں گا کہ آپ مولانا حسین احمد مدنی رح، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتی، مولانا عبدالرحمٰن بہپودی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا شمس الحق افغانی وغیرہ اور اسی طرح ہزارہا علماء جنہوں نے مودودی صاحب کو ان کی تحریرات کی بنا پر گمراہ کہا ہے، کیا وہ سب دیانت و امانت سے معرّٰی تھے۔ میں نہایت ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کہتا ہوں کہ خدارا سوچیں کہ:

از کہ بریدی و با کہ پیوستی

مودودی صاحب کی 'خلافت و ملوکیت' جس کی مدح سرائی میں آپ عموماً رطب اللسان رہتے ہیں وہ تو اکاذیب و اباطیل سے مملو ہے۔ اکثر روایات کے راوی وضاع، کذاب اور متعصب رافضی ہیں۔ اور پھر مودودی صاحب نے اپنی طرف سے بھی عبارات میں خیانت کر کے امانت و دیانت کو داغدار کیا۔

اگر آپ مودودی صاحب سے گفتگو کا موقع فراہم کر دیں تو میں آپ کا رہینِ منت ہونگا۔ شاید اس میں بہتوں کا بھلا ہو۔ ایک ماہ کے اندر وقت کے تعین سے مجھے مطلع فرما دیں تاکہ میں دوسرے مشاغل سے فراغت حاصل کر سکوں۔

امید ہے کہ آپ اس مکتوب کو اپنے مؤقر جریدہ میں اشاعت کا شرف بخشیں گے۔

لاشئ غلام اللہ خان راولپنڈی ۲۷ / ۷ / ۷۰ء

شیخ القرآن کے اس مکتوب مشتمل بر احقاقِ حق کے جواب میں مولانا مودودی نے حسبِ ذیل عبارت ہفت روزہ چٹان میں شائع کرادی مگر علمی بحث کی جرأت نہ کرسکے۔

برادرم شورش صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۳ر جولائی کے چٹان میں آپ نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اور اس کے جواب میں ان کا جو خط آپ نے ۲۷ر جولائی کے چٹان میں شائع کیا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ صاحبِ موصوف اپنی تقریروں اور تحریروں میں جو زبان اور اندازِ بیان میرے متعلق استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کے رسالہ "تعلیم القرآن" میں جو زبان میرے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر کوئی شائستہ آدمی مجھ سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ میں ان سے ملنا یا بات کرنا پسند کروں گا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تحریفِ قرآن، توہینِ انبیاء اور تنقیصِ صحابہ کے جو الزامات وہ مجھ پر لگاتے ہیں، ان کے ثبوت میں وہ میری تحریریں پورے پورے حوالوں کے ساتھ چٹان میں شائع کرادیں۔ میں انشاء اللہ چٹان ہی میں ان کا جواب پیش کردوں گا۔ ملک اہلِ علم سے خالی نہیں ہے۔ لوگ خود ان کے الزامات اور میرے جوابات پڑھ کر رائے قائم کرسکتے ہیں کہ کس کی بات صحیح ہے۔

خاکسار ابوالاعلیٰ ۲۷ر جولائی ۱۹۷۰ء ہفت روزہ چٹان ۳ر اگست ۱۹۷۰ء

باب ہشتم

متاعِ مُلک و مِلّت

۱۹۴۷ء کے جہادِ کشمیر میں شرکت

۱۹۶۵ء میں مجاہدین کے شانہ بشانہ

۱۹۷۳ء کی تحریک میں شاندار کردار

۱۹۷۷ء کی عوامی تحریک میں بے مثل استقامت

بے دین حکمرانوں پر کڑی تنقید

جمعیّت اشاعت التوحید کا قیام

سوادِ اعظم کا قیام

متاعِ ملک و ملّت

حضرت شیخ کی ملکی و ملی شاندار خدمات تاریخ کے درخشندہ باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ملک و ملت کو پیش آنے والی ہر آزمائش میں جان جوکھوں میں ڈال کر دامے درمے سخنے ہر طرح کا مکمل تعاون پیش کیا۔ اگرچہ سیاسی وابستگی کسی جماعت کے ساتھ نہیں تھی۔ تاہم قیامِ پاکستان سے قبل انگریز کے خلاف اور ملک وملت کی آزادی و سرفرازی کی خاطر اکابر علماءِ دیوبند کی معیت میں مصروف جہاد رہے۔

۱۹۴۷ء کے جہادِ کشمیر میں آپ کی گرانقدر خدمات انتہائی قابلِ تبریک و تحسین تھیں۔ موصوف نے آزاد کشمیر کی ساری وادی میں جہاد کے موضوع پر آتش فشاں تقاریر کر کے مسلمانوں میں جذبہ حریت و جہاد اجاگر کیا۔ مجاہدین و مہاجرین کی امداد کے لئے وافر مقدار میں نقد اور دوسری اشیاء فراہم کیں۔

۱۹۵۶ء میں مغربی پاکستان کے تمام ممتاز علماءِ کرام کا ایک اجلاس ملتان میں طلب کیا گیا جس میں حضرت شیخ بھی مدعو تھے۔ جہاں جمعیۃ علماء ہند کے طرز پر جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے امیر شیخ التفسیر حضرت

مولانا احمد علی لاہوری اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث ہزاروی منتخب ہوئے۔ مجلسِ عاملہ میں حضرت شیخ بھی شامل تھے۔ بعد کے متعدد اجلاسوں میں بھی شریک ہوتے رہے لیکن اپنی تبلیغی اور تدریسی مصروفیات کے باعث یہ سلسلہ قائم نہ رکھ سکے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا اور جوشِ خطابت سے مسلمانوں کے دلوں کو جذبۂ جہاد سے خوب گرمایا۔ عوام کو پاک افواج کے بھرپور تعاون اور امداد کی ترغیب و تحریص دلائی اور جہاد فنڈ میں لاکھوں روپیہ کا چندہ پیش کیا۔

لیکن ستم ظریفی یہ کہ ملک و ملت کی اس قدر قابلِ رشک خدمات کے باوجود جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے صرف چھ ماہ بعد شیخ کو حق گوئی کے جرم میں ضلع بدر کر دیا گیا تھا جس کے باعث ساری قوم سراپا احتجاج بن گئی تھی۔ اس ضمن میں ایک پاکستانی شہری محترم محبوب احمد ایک اخباری بیان میں شیخ کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے۔

"۶ ستمبر ۱۹۶۵ء تاریخی دن ہے جس پر ہم اور ہماری آئندہ نسلیں جس قدر بھی فخر کریں، کم ہوگا۔ اس دن ہماری بہادر افواج نے دشمن کے ٹینکوں کو پورس کے ہاتھیوں کی طرح شکست دی تھی۔ ہمیں اس دن ان لوگوں کو نہیں بھولنا چاہیئے جنہوں نے اس آڑے وقت میں قوم اور ملک کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا غلام اللہ خان نے دفاعی فنڈ جمع کرنے کے لئے جس محنت اور جانفشانی سے کام کیا تھا اسے اربابِ اختیار کو نہیں بھولنا چاہیئے۔ مولانا کے ایک ہی اشارہ پر ان کے ہزاروں عقیدتمندوں نے نقدی کے علاوہ گھڑیاں اور انگوٹھیاں تک اتار کر دی تھیں

میں اربابِ اختیار سے التجا کرتا ہوں کہ اس تاریخی دن پر مولانا غلام اللہ خان کو رہا کر دیا جائے۔ (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء)

۱۹۷۳ء کی عوامی تحریک میں آپ پیش پیش تھے۔ اسی طرح ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نفاذِ اسلام میں بھی سرگرم حصہ لیا اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر تحریک کو مؤثر اور فعال بنایا۔ تحریک کے حق میں اٹھنے والی ہر آواز اور اس کی کامرانی کے لئے نکلنے والے ہر جلوس کا مرکز دارالعلوم تعلیم القرآن تھا۔

سوشلسٹ حکمرانوں پر کڑی تنقید

حضرت شیخ سوشلسٹ حکمرانوں پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے! اور ان کا سیاسی رشتہ فرعون سے ملایا کرتے تھے۔ اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں :۔

"یہ پُرانا دستور چلا آرہا ہے کہ ظالم بادشاہ اور ظالم وزیر اعظم اپنے مخالفین کو قتل کروایا کرتے ہیں تاکہ کرسی اور اقتدار محفوظ رہے۔ قرآن آواز دیتا ہے۔

یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَهُمْ۔ فرعونی بنی اسرائیلیوں کے لڑکوں کو ذبح کرتے اور ان کی بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

مفسرین کے مطابق فرعون نے اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر نوّے ہزار بچوں کو قتل کیا۔ لیکن اقتدار کو دوام پھر بھی نہ مل سکا۔

یہاں تمہارے ملک میں اور اسی لیاقت باغ (راولپنڈی) میں ایک تنظیم (قومی اتحاد) نے حق کی آواز بلند کرنا چاہی جس کے نتیجہ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے

تھے۔ ہر طرف خونِ ناحق کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ ملک بھر کے متعدد اور چیدہ چیدہ رہنماؤں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اور دلائی کیمپ کی داستانِ خونچگان تو اس سے بھی کہیں زیادہ اندوہگین ہے۔

اے اللہ! ان قتل کرنے والوں اور قتل کروانے والوں کو ذلیل وخوار کر دے میرے مولا! ہماری آہوں کو سُن لے۔ اللّٰھم خذھما خذ عزیز مقتدر۔

فرعون بھی کہا کرتا تھا میری کرسی بہت مضبوط ہے۔ میرے سامنے کوئی بولنے والا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا اور کہتا تھا۔

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ	بتاؤ میں اچھا ہوں کہ یہ گھٹیا آدمی
ھُوَ مَھِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ۔	جو اچھی طرح بات بھی نہیں کر سکتا۔

اور کہا کرتا تھا۔

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ	کیا ہم ان دو آدمیوں کی بات مان
قَوْمُھُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ہ	لیں جن کی قوم ہماری غلام ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام خدا کے دربار میں رو پڑے عرض کرنے لگے۔

رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَ	اے اللہ! تو نے فرعون اور اس کی
مَلَاَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی	پارٹی کو دنیا کی زیب و زینت اور
الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا	طرح طرح کے مال کوٹھیاں۔ پلاٹ
عَنْ سَبِیْلِکَ۔ رَبَّنَا اطْمِسْ	امپورٹ۔ ایکسپورٹ لائسنس وغیرہ
عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی	دے رکھے ہیں۔ اور اس بنا پر بےحیائی

قُلُوْبِهِمْ — بدکرداری اور تیری نافرمانی پھیلاتے
ہیں۔ یا اللہ ان کے مال کو تباہ کر اور
ان کے دلوں کو سخت کر دے۔

میں ملکی حالات سے مجبور ہو کر کہتا ہوں اگر نہ کہوں تو خدا کا مجرم ہوں۔ اس ملک میں بے حیائی اور فحاشی کو لایا گیا۔ ملک میں شراب نوشی عام کر دی گئی۔ تعلیم کے لئے جو چالیس کروڑ روپے مختص کئے گئے تھے وہ معصوم بچوں اور بچیوں کو ناچ گانا سکھانے پر خرچ کئے جا رہے ہیں تاکہ پوری قوم بے حیا بن جائے۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ہم نظام مصطفیٰ جاری کریں گے۔ یہ نیشنل آرٹ کونسل والے سب کمیونسٹ جمع ہو چکے ہیں۔ ان کی تمامتر کوششیں ملک میں بے حیائی۔ فحاشی، عریانی، رشوت اور ظلم و ستم کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔

ہم بھی بھٹو حکومت کی منصوبہ بندی اور بے حیائی کو فروغ دینے کے باعث ان سے نا امید ہو چکے ہیں۔ یہ ملک میں بے حیائی اور کافرانہ نظام تو لا سکتے ہیں مگر اسلامی نظام نہیں لائیں گے۔

دوسری طرف ہم قومی اتحاد کو دیکھتے ہیں جس میں مفتی محمود ہیں۔ جن کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ان کا صاف ستھرا اور اجلا لباس دیکھو جو میرے مدنی کا نمونہ ہے۔ جس کے دل میں ایمان اور بدن پر اسلام کا راج ہو اور جس کے گھر سے لے کر باہر تک کی زندگی اسلام کا نمونہ ہو، وہ تو ملک میں اسلام لا بھی سکتا ہے اور ہم مفتی محمود کی حق گوئی پر قربان جائیں۔ انہوں نے علمائے دیوبند کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔

مولانا کوثر نیازی کا بیان آپ لوگوں نے پڑھا ہوگا جس میں قومی اتحاد کی جماعتوں کے متعلق کہا تھا یہ چار شادیاں یعنی بیویاں اور پانچ لونڈیاں ہیں ۔ تاکہ نو جماعتیں پوری ہو جائیں ۔ صدقے جاواں ۔ واہ، مولانا واہ" نیازی بھٹو کی تعریف میں کہتا ہے" بھٹو سورج ہے اور ہم اس کی کرنیں ہیں ۔ وہ سمندر ہے اور ہم اس کی لہریں ہیں ۔" مولانا کوثر نیازی نے نو جماعتی اتحاد جس کے سربراہ مفتی محمود تھے ۔ اسے ابرہ کے نو ہاتھیوں سے تشبیہ دی تھی اور کہا تھا ابرہ کے بڑے ہاتھی کا نام بھی "محمود" تھا ۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام

۱۹۵۵ء میں مولانا احمد حسین سجاد بخاری نے پہلی مرتبہ توحید و سنت کی تبلیغ کو منظم طریقہ سے انجام دینے کا پروگرام بنایا اس سلسلہ میں " جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جسے بعد میں "جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ" کے نام سے شہرت حاصل ہوئی ۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۵۷ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن میں جمعیت کے حسبِ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے ۔

مولانا قاضی نور محمد گوجرانوالہ امیر اعلیٰ ۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات نائب امیر ۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی ۔ ناظم اعلیٰ اور حاجی فیروز دین راولپنڈی ۔ خازن ۔

شیخ القرآن تا دمِ مرگ جمعیۃ کے ناظم اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے ۔ ان کی رحلت کے بعد صاحبزادہ قاضی احسان الحق مدظلہ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے ۔

جمعیت نے توحید وسنت کی اشاعت میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں اور اس میں شیخ کے کارنامے بہت ہی نمایاں تھے۔

سوادِ اعظم اہلِ سنت کا قیام

خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی اس کا پس منظر یوں بیان کرتے ہیں:۔

"ملک میں رضاخانی بازیگروں اور جعفریوں نے فتنۂ تکفیر بپا کر رکھا ہے جس میں نورانی میاں نے مرکزی کردار ادا کیا۔ چنانچہ رضاخانی راہبوں کے جھوٹ اور تلبیس کو طشت از بام کرنے کی شدید ضرورت کا اظہار میں نے شیخ القرآن سے کیا۔ انہوں نے بھی اس کی اہمیت کا اعتراف کیا۔ حسنِ اتفاق سے ان دنوں مفکر اسلام مولانا مفتی محمود راولپنڈی کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ چنانچہ راقم الحروف (مولانا قاسمی) حضرت شیخ القرآن اور مولانا عبدالستار توحیدی حضرت مفتی صاحب کی ملاقات کے لئے ہسپتال چلے گئے۔ ان کی خدمت میں ہم نے اپنی تجویز پیش کی۔ مفتی صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا اور طے پایا کہ تمام دیوبندی جماعتوں کے سربراہ اور اہلحدیث کی مختلف تنظیموں کو حضرت شیخ القرآن کی طرف سے دعوت نامے جاری کئے جائیں اور اہلِ بدعت کی سرکوبی کے لئے ایک مؤثر اور فعال جماعت بنائی جائے چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت شیخ نے تمام جماعتوں کے راہنما اور سرکردہ شخصیات کو دعوت نامے جاری کر دئیے! اور مقررہ تاریخ پر تقریباً تین ہزار علماءِ کرام نے اجلاس میں شرکت کی۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب باوجود شدید علالت کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اس عظیم تاریخی اجتماع کی صدارت فرمائی! اجلاس

کے تمام شرکاء نے فتنۂ تکفیر اور شرک و بدعت کے استحصال کے لئے بھرپور جدوجہد کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور متفقہ طور پر تنظیم کا نام سوادِ اعظم اہلِ سنت پاکستان تجویز ہوا۔"

چنانچہ شیخ القرآن نے ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا اور ہر بڑے شہر میں سوادِ اعظم اہلِ سنت کی تنظیمیں قائم کیں۔ جو آج تک دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

باب نہم

ذاتی محاسن

حلیہ

لباس

عادات و اخلاق

مہمان نوازی

حلیہ

خوبصورت خدوخال کے ساتھ سرخ وسپید چہرہ، سڈول جسم، سرمگیں آنکھوں میں مئے توحید کا خُمار۔ آغا شورش کاشمیری اپنے ادیبانہ انداز میں مرحوم کے حلیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

مولانا غلام اللہ خان۔

پکا موحّد، شرک کا اتنا ہی دشمن، جتنا تلوار کو زخم لگانے سے ہوتا ہے۔ سرتاقدم شمشیر برہنہ، راولپنڈی میں توحید وسنت کا علمبردار، کتاب اللہ کا شیدائی، سنت نبوی کا مبلغ، شاہ اسمٰعیل شہید کی ڈگر کا باوقار مسافر، چہرہ کتابی، ناک ہمزۂ وصل آنکھیں مصحف کا مقدمہ، دانت آبدار، ہونٹ تابدار، وجود بتکدوں میں اذان کی صدا، لب ولہجہ تلوار کی دھار، خود مردِ میدان، رزم گاہ میں جوان، لقب شیخ القرآن، فی نفسہٖ بُرہان، خوف سے بیگانہ، امتوں کی ہلاکت کا شارح، الفاظ میں تیزی بلکہ نعرۂ رستاخیز، مطالب میں سچائی لیکن بیان میں طغیانی، دعوت وتذکیر کا مجسمہ، صحیح الخیال علماء کے چہرہ کی آبرو، افکار واعمال میں تشدد، مفاہمت ومیثاق

سے نفور، اکل کھرا انسان، عالم نہ ہوتا تو مجاہد ہوتا، الفاظ کی گولیاں برساتا اور بدعتوں کے قلعے مسمار کرتا چلا جاتا ہے۔ حکمران ہوتا تو شرک کے ساز و سامان کو ایندھن بنا کر جلا دیتا۔ چال میں صلاح الدین ایوبی، ڈھال میں قطب الدین ایبک، مزاج میں شاہی بھی فقیری بھی، قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا ایک ورق، سید احمد بریلوی رح کی سپاہ کا ایک شہسوار جو راولپنڈی کے خرابہ آباد میں جہاد باللسان کے پرچم لہرا رہا ہے اور جس کی اڑانیں گردو پیش کے علاقوں تک چلی جاتی ہیں[۱]۔

لباس سفید براق پوشاک زیبِ تن، کلاہ پر دھاریدار عمامہ یا ململ کی ٹوپی سر کی زینت۔ جوانی میں ہلکی سی میکشن اور پیرانہ سالی میں سادہ پنجابی جوتا۔ عالمِ شباب میں تلوار اور کبر سنی میں چھڑی ہاتھ میں لینے کی سنت پر عمل پیرا تھے۔

جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں تلوار ہاتھ میں رکھنے کا معمول عرصہ دراز تک رہا خطبہ کے وقت موسم کے مطابق چغہ پہننے کا معمول تھا۔ عمدہ قیمتی پرنا ہمہ وقت پاس رہتا۔ کلائی گھڑی بائیں ہاتھ کی زینت بنتی۔ ناخن تراش، لبیں لینے کے لئے قینچی، سرمہ، اور پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے عمدہ چھوٹا سا چاقو ہمیشہ سامان کے ساتھ رکھنے کی عادت تھی۔ سر اور ڈاڑھی کو روزانہ تیل لگانے کا معمول تھا۔ سر کے بال مشین سے منڈواتے اور لبیں لینے میں قصر پر حلق کو ترجیح دیتے۔

غذا غذا سادہ مگر عمدہ، خشک چپاتی، گوشت، سبزی کو ہمیشہ جزوِ بدن بننے کی سعادت حاصل رہی۔ مرغن اور چٹپٹی اغذیہ پسند نہ تھیں۔

---

[۱] ہفت روزہ چٹان ۱۰ ارجنوری ۱۹۶۶ء

عارضۂ قلب لاحق ہونے کے بعد گھی اور نمک کا استعمال انتہائی کم کر دیا تھا۔ بیحد نفیس، لذیذ اور عمدہ چائے نوشِ جاں فرماتے۔ مہمانوں کے ساتھ دن میں متعدد بار چائے کا دَور چلتا۔ تقریر کے دوران بھی چائے نوش کرتے۔ موسمِ سرما میں عموماً قہوہ کا شوق فرماتے جو انتہائی نفاست سے بنایا جاتا۔ کھانا ہمیشہ گھر ہی میں تیار ہوتا تھا۔ پھلوں میں آم اور سیب مرغوب تھا۔

بود و باش

مولانا حافظ محمد مہر شیخ کی بود و باش کے متعلق لکھتے ہیں۔

"سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ اتنے وسیع تعلقات والے بزرگ عالم نے قلعہ کی چھوٹی سی مسجد میں بلا صحن ایک دو کمروں (حجروں) پر مشتمل ایک چھوٹے سے مکان میں اپنی زندگی گزار دی۔ اپنی حیثیت کے مطابق نہ وسیع مکان بنایا نہ کرایہ پر لیا۔ گویا یہی گورنر ہاؤس تھا، اسمبلی ہاؤس بھی تھا اور رہائشی کوٹھی بھی تھا۔ ہر چند کہ علمارِ حق بالعموم تنگ اور چھوٹے مکانوں میں گذارہ کرتے آرہے ہیں۔ مگر آپ کی مثال بالکل منفرد نوعیت کی ہے[۱]"

عادات و اخلاق

حضرت شیخ اوائلِ عمر ہی سے شب خیزی کے خوگر تھے۔ زمانہ طالب علمی میں رات کی تاریکی میں خالق کے حضور گریہ بکا اور تضرع و انکساری کا نذرانہ پیش کرنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ سرما کی طویل راتوں میں "ٹھٹھہ" کی مسجد میں ورد و وظیفہ میں مشغول پاکر استادِ محترم نے زجر کی، کہ یہ زمانہ وظائف کا نہیں، حصولِ علم

---

۱ ماہنامہ تعلیم القرآن، شیخ القرآن نمبر: ص ۸۱

کا ہے"۔ شب زندہ داری کا معمول تا زیست قائم رہا۔ سفر و حضر، تندرستی و علالت ہر حال میں نمازِ تہجد کی پابندی کرتے۔ علمی مباحث، ملکی و ملی معاملات، دار العلوم اور خانگی حالات رات گئے تک موضوعِ سخن رہنے کے باوصف سحری اٹھنا بارِ خاطر نہ ہوتا تھا۔

کسی نے تخت کسی نے قلندری مانگی　　مری جبیں نے مگر توفیقِ بندگی مانگی

مارچ ۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کے سفر کے دوران اٹاری سے سپیشل ٹرین کے ذریعہ دیوبند جا رہے تھے۔ رات کو حضرت شیخ کا بستر برتھ پر بنایا گیا تھا، احقر اور کچھ دیگر علماء ریل میں فرش پر سوئے ہوئے تھے۔ رات کو تین بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو شیخ کو برتھ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ خیال گذرا کہ شاید کسی چیز کی طلب ہے مگر نیند سے بیدار کرنا کسی کو مناسب نہ سمجھا ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا۔ تم یہاں بستر پر آکر سو جاؤ۔ مجھے سوءِ ادب معلوم ہوتا تھا کہ میں برتھ پر سو جاؤں اور میرے شیخ زبردست سردی میں سیٹ پر بیٹھ کر رات گذاریں میں نے عرض کیا حضرت میں بڑے آرام سے سو رہا ہوں، مجھے قطعاً کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن بالتکرار و بالاصرار فرمایا" تم برتھ پر آکر سو جاؤ۔"

اب میرے لئے" الامر فوق الادب" کے پیشِ نظر تعمیلِ ارشاد کے سوا چارہ کار ہی نہ تھا۔ بادلِ ناخواستہ میں اپنا بستر چھوڑ کر برتھ پر آگیا اور شیخ نیچے اتر گئے۔ اب تک میں یہی سمجھ رہا تھا کہ میری راحت و آرام کے خیال سے برتھ پر سونے کا ارشاد ہو رہا ہے لیکن موصوف ربِّ کبریا کے حضور سربسجود ہو کر اشکوں کا نذرانہ پیش کرنے کی فکر میں بیتاب و بے چین تھے۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ

ہو گیا کہ گاڑی کے باتھ روم میں یخ بستہ پانی سے وضو کر کے نوافل میں مشغول ہو گئے۔ نوافل سے فارغ ہو کر دیر تک وِردو وظائف میں مصروف رہے۔ حالانکہ بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ سفر میں فرض نماز کا اہتمام بھی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ نمازِ تہجد اور وہ بھی چلتی گاڑی میں اور پھر اعضاء کو سُن کر دینے والے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے عارف رومی ایسے ہی واقعہ کی ان الفاظ میں منظر کشی فرماتے ہیں۔

خواب را بگذار امشب اے پسر　　　یک شب بر کوئے بیخواباں گذر

ترجمہ:۔ ایک رات کے لئے ذرا سونا چھوڑ دو اور اللہ والوں کے پاس جا کر رہو تو معلوم ہو گا کہ وہ لوگ رات کیسے بسر کرتے ہیں۔ تم ان کی شب بیداری کا نظارہ دیکھ کر اپنی نیند کا لطف بھول جاؤ گے۔

رات کی تاریکی میں خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں سوز و گداز اور نالہ ہائے نیم شبی کا معمول تو تھا ہی لیکن بعض اوقات مجمع میں بھی اشکوں کے سیلِ رواں پر قابو نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ ایسے کتنے ہی واقعات موجود ہیں لیکن یہاں صرف ایک ہی واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ شیخ بیان کرتے تھے۔

"حج کے موقع پر میں ملتزم پر حاضر ہوا تو گجرات کا ایک دیہاتی ملتزم سے چمٹا ہوا رو رہا تھا اور پنجابی میں کہہ رہا تھا" اللہ ماں کوئی بولی نہ آوندی اے۔ اکے پنجابی آنودی اے۔ تداں اکو گل اکھانداں، کوئی بندہ ساڈے ویہڑے دگھر تے آوے تے اسیں اُتوں خالی نہ موڑدے آں۔ میں وی تیرے ویہڑے تے آیا واں، توں مینوں خالی نہ موڑیں"۔

میں اس کے پیچھے کھڑا تھا جب وہ فارغ ہو گیا تو میں نے ملتزم سے چمٹ کر

بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا۔ یا اللہ جو کچھ تیرا یہ بندہ کہہ رہا تھا، میری التجا بھی یہی ہے۔
رفقاء کا کہنا ہے کہ پھر شیخ زار و قطار رونے لگے اور دیر تک ہچکی بندھی رہی۔

علامہ ڈاکٹر شبیر علی شاہ حضرت شیخ کی شب بیداری، جہدِ پیہم اور جود و سخا کا دلنواز تذکرہ یوں بیان کرتے ہیں کہ۔

"میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں عین افطاری کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا نے ناظمِ مدرسہ کو بلا کر فرمایا کہ بازار میں پھل کے جتنے اقسام ہیں سب لے آؤ۔ میں نے عرض کیا حضرت تکلف نہ فرمائیں۔ فرمایا۔ آپ مدینہ منورہ کے مہمان ہیں۔ بہر حال افطاری کے بعد نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے تو دسترخوان پر مختلف انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا کہ دارالعلوم کا نصابِ تعلیم نئی طرز پر مرتب کرنا ہے تاکہ عربی جامعات کے ساتھ ہمارے مدرسہ کا معادلہ ہو جائے۔ چنانچہ شیخ کی سرپرستی میں میں نے خاکہ بنانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد نمازِ تراویح کا وقت ہو گیا۔ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد تلاوت شدہ قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرنے کا معمول تھا جس کے باعث تراویح سے بہت دیر بعد فارغ ہوتے تھے۔ بہر حال نمازِ تراویح سے فارغ ہو کر پھر نصاب کی ترتیب کے لئے میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں جب زیادہ تھک گیا تو یہ بہانہ بنا کر اجازت کا طلبگار ہوا کہ اسلام آباد جانا ہے، مجھے اجازت دی جائے خیال یہ تھا کہ اس طرح کچھ آرام کر لوں گا۔ بعد طلوعِ شمس حاضر ہو جاؤں گا۔ فرمایا۔ جس وقت بھی واپس آئیں اگر میں سو جاؤں تو اٹھا دیں۔ میں حسبِ وعدہ طلوعِ شمس کے بعد حاضر ہوا۔ شیخ کو اٹھایا اور کام شروع کیا اور مسلسل نمازِ ظہر تک مصروف رہے۔

میں باوجود جوان ہونے کے تھک کر نڈھال ہو گیا۔ مگر شیخ القرآن کو پیرانہ سالی کے باوصف تھکاوٹ کی پرواہ تک نہیں۔ اس سے ان کی بے مثال قوت اور ہمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب نصاب مکمل ہو گیا۔ تو میں نے اجازت چاہی فرمانے لگے ایک دن اور میرے ہاں ٹھہر جائیں لیکن مجھے کچھ کام تھے اس لئے معذرت پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ جب میں چلنے لگا تو پانچ سو روپیہ مجھے دیا میں نے عرض کیا۔ حضرت مجھے شرمندہ نہ کریں۔ کہنے لگے یہ بچوں کے لئے دے رہا ہوں۔ میں نے علماء میں سخا کا وصف بہت ہی کم دیکھا ہے۔ حضرت شیخ اور مولانا عبداللہ درخواستی کو اس معاملہ میں صاحبِ کردار پایا ہے۔"

حضرت شیخ اپنے احباب، متعلقین، شاگردوں اور عزیزوں تک کے ساتھ بشاشت اور خندہ روئی سے پیش آتے تھے۔ پُر لطف اور شائستہ مزاح مجلس کو زعفران زار بنا دیتا تھا۔ آپ کا مزاج جلال و جمال کا مسحور کن مرقع تھا۔ جلال کا پرتو اگر ناقابلِ برداشت تھا تو جمال کی زیبائش بھی قابلِ صد ستائش تھی۔ جس کی ایک خوشگوار جھلک پیشِ خدمت ہے۔

شہر کے علماء کرام جن میں عموماً آپ کے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی، جب شیخ کی محفل میں حاضر ہوتے تو بسا اوقات شیخ پھلوں سے ان کی ضیافت کرتے۔ پھلوں کے چھلکے کسی برتن میں ایک طرف رکھتے جاتے اور جب پھل قریب الاختتام ہونے تو جن صاحب کے سامنے چھلکوں کا ڈھیر ہوتا انہیں مخاطب کرتے ہوئے ازراہِ تفنن فرماتے، کہ ان صاحب نے سارا پھل کھا لیا اور چھلکوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا سید اسعد مدنی

کی راولپنڈی میں پہلی مرتبہ تشریف آوری ہوئی۔ تو حضرت شیخ نے علماء کرام اور معززین کے ہمراہ شہر سے باہر کافی دور دریائے سواں کے اس پار فقید المثال استقبال کیا احقر مولانا عبدالستار توحیدی کی معیت میں قدرے تاخیر سے وہاں پہنچا مجھے دیکھتے ہی توحیدی صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا "اس کی ایک سو بیس ہے"۔ توحیدی صاحب نے تعجب سے عرض کیا حضرت کیا ایک سو بیس ہے۔ فرمایا "مولانا عبدالمعبود کی عمر ۱۲۰ سال ہے"۔ لیکن ابھی تک حقیقت مستور تھی۔ توحیدی صاحب کی طرح دوسرے علماء بھی کہنے لگے کہ یہ تو ابھی ۴۰، ۴۵ سال کے ہوں گے۔ آپ کیسے ان کی عمر ۱۲۰ سال قرار دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ "اسلام آباد میں مولانا عبدالمعبود صاحب کا کہنا ہے کہ میری عمر ۱۲۰ سال ہے۔ تو کیا یہ عبدالمعبود نہیں ہے"۔ تب معلوم ہوا کہ شیخ ازراہِ دل لگی فرما رہے ہیں۔

شیخ تقریباً سارا سال تقریروں کے لئے ملک بھر کا سفر کرتے تھے طبیعت میں خودداری اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ عام مقررین کی طرح تقریر سے پہلے یا بعد میں "فیس" نہیں لیتے تھے۔ اگر کوئی زیادہ مجبور کرتا تو مدرسہ کی رسید لکھ کر وہ رقم مدرسہ کے لئے وصول کر لیتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس اپنے سٹیج پر آنے والے علماءِ کرام کی دل کھول کر خدمت بھی کرتے اور نقد رقم سے معاونت بھی فرماتے تھے۔ حتّٰی کہ اپنے شاگردوں کو بھی کبھی خالی نہیں جانے دیا۔

مولانا کوثر نیازی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"اپنے حلقۂ ارادت بلکہ شاگردوں کو بھی اپنے دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں خطاب کے لئے بلاتے، تو زبردستی ان کی جیب میں سینکڑوں روپوں کے لفافے ٹھونس کر

انہیں واپس بھجواتے۔ کسی کا لباس پرانا دیکھتے تو نیا جوڑا بنوا کر دیتے تھے[1]۔"

ایک ہلکا پھلکا سا لطیفہ قارئین کی خوش طبعی کے لئے پیش خدمت ہے۔

۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے کہ موچی بازار راولپنڈی میں بریلوی مسلک کے لوگوں نے مولوی محمد عمر اچھروی کی تقریر کرائی۔ جس میں مولوی صاحب کی پیشگی وصول کردہ فیس اور دیگر اخراجات پر ۴۵۰ا روپے صرف ہوئے۔ اس زمانہ میں یہ رقم انتہائی زیادہ تھی۔ چند دنوں بعد اسی مقام پر شیخ القرآن کی تقریر بھی ہوئی۔ دوران تقریر شیخ نے گذشتہ جلسہ کے گراں بہا اخراجات کا ذکر بھی کیا۔ اور فرمایا۔ میری کوئی سرکاری فیس نہیں ہے۔ نہ آنے جانے کا کرایہ درکار ہے۔ حتیٰ کہ میں نوروٹی بھی گھر سے کھا کر آیا ہوں۔ البتہ جلسہ کے منتظمین نوجوانوں کو دریاں بچھانے والاؤڈ سپیکر کے لئے کچھ دینا چاہو تو تمہاری مرضی۔"

حضرت شیخ کے جاں نثار عزیز محمد امین بھٹی بیان کرتے ہیں کہ اس جلسہ پر مجموعی اخراجات صرف ۲۷ روپے ہوئے تھے۔ جب کہ شیخ کی تقریر دلپذیر سن کر دس کاندار اپنے مشرکانہ عقائد سے تائب ہو کر توحید کے شیدائی بن گئے تھے! اور لطف یہ ہے کہ چند روز بعد شیخ نے یہ مذکورہ ۲۷ روپے اپنی جیب خاص سے ہمیں عنایت فرما دیئے۔

مولانا منظور شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مہاری زمان خان آف کھلابٹ نے اپنے گاؤں میں تقریر کے لئے مجھے بلایا۔ میں حسب وعدہ چلا گیا۔ اتفاق سے میرے پاس صرف اتنے پیسے تھے جو

---

[1] تعلیم القرآن۔ شیخ القرآن نمبر ص۲۷

وہاں پہنچنے تک کا کرایہ بن سکا۔ تقریر سے فارغ ہو کر خان صاحب اور دوسرے احباب نے مجھے رخصت کیا اور ہری پور کے لئے تانگہ میں بیٹھا کر سب حضرات چلے گئے اب مجھے فکر دامنگیر تھی کہ پیسے تو پاس ہیں نہیں۔ تانگہ والے کو بھی کرایہ دینا ہے اور راولپنڈی پہنچنے کے لئے بھی ٹکٹ کے پیسے درکار ہیں۔ آخر خیال آیا کہ ہری پور پہنچ کر کسی واقف آدمی سے ادھار لے لوں اور اس ضرورت کو پورا کروں۔ چنانچہ اس طرح راولپنڈی پہنچا۔

علماء کے ساتھ ملاطفت، مروّت اور جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عالم ربانی حق گوئی کی پاداش میں حکمران ٹولہ کے جور وستم کا شکار ہو کر جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تو شیخ جیل میں جا کر اس کی دلداری و دلجوئی کرتے۔ تسلی تشفّی دیتے اور اس کے اہل وعیال کے جملہ مصارف کی کفالت فرماتے۔ اگرچہ ایسے واقعات کی فہرست طویل ہے لیکن یہاں صرف دو واقعات سپرد قلم کئے جاتے ہیں:۔

مولانا حافظ محمد اسحاق مہتمم جامعۃ العلوم الشرعیہ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں گرفتار ہو گئے اور کئی ماہ تک جیل میں رہے۔ ان کے گھر کے اخراجات ماہ بماہ شیخ پابندی کے ساتھ پہنچاتے رہے۔

حضرت مولانا قاری عبدالحی عابد بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۷۰ء میں فیصل آباد کے جلسہ میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کرنے کی پاداش میں مجھے چھ ماہ قید بامشقت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ شیخ القرآن ان دنوں بلوچستان کے تبلیغی دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ جب راولپنڈی واپس تشریف لائے دراحباب نے

میری گرفتاری کا ذکر کیا تو موصوف نے اپنے لیٹر پیڈ پر مجھے خط لکھا جس میں میری حق گوئی کی تعریف فرمائی، مجھے استقلال و استقامت کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے بچوں کے ماہانہ اخراجات کا تخمینہ بتائیں میں خود آپ کے گھر جا کر انکے مصارف پہنچاؤں گا۔ چنانچہ چھ ماہ تک شیخ مجھے اور میرے بچوں کو اپنی بے مثال شفقتوں سے نوازتے رہے۔

حضرت شیخ کی تقریر دلپذیر سننے کے لوگ اس قدر مشتاق ہوتے تھے کہ بعض مقامات پر ایک ایک سال پہلے تقریر کی تاریخ نوٹ کروا دی جاتی۔ ہر کسی کی یہی خواہش ہوتی کہ ہمارے جلسہ میں حضرت شیخ ضرور رونق افروز ہوں۔ سفر و حضر میں نوٹ بک پاس رہتی۔ تقریر کی دعوت دینے والے حضرات کے اسماء، مقام جلسہ اور تاریخ نوٹ کر لی جاتی۔ ہر ایک پروگرام میں شمولیت کا عزم مصمم ہوتا۔ اور مقدور بھر حاضری کی کوشش بھی فرماتے تھے۔ تاہم بعض عوامل اور عوارض کے باعث کئی پروگرام تشنۂ تکمیل رہ بھی جاتے تھے۔ مثلاً چار چھ ماہ قبل کہیں تاریخ دے دی گئی۔ بعد میں کسی دوسرے مقام پر دینی مصالح کی اہمیت اور افادۂ عام کے پیش نظر اسے تبدیل کرنا ناگزیر ہو جاتا۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کسی دور دراز مقام پر جلسہ میں شرکت کے لئے تیاری کر رہے ہوتے کہ کسی غیر متوقع مہمان ذیشان کی اچانک آمد کے باعث روانگی مؤخر کرنا پڑتی جو تاخیر در تاخیر کے باعث التواء کا موجب بھی بن جاتی۔ اور کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ کسی ذاتی یا دارالعلوم کی مصروفیت کے باعث جلسہ میں شرکت پر تردد پیدا ہو جاتا۔ حاضرینِ مجلس سے مشورہ طلب فرماتے کہ اس کام کو نبھایا جائے یا جلسہ کو ترجیح دی جائے۔ جس پر بعض احباب جلسہ میں شرکت

پر دوسرے کام کی اولیت کا مشورہ دیتے جس کی وجہ سے منتظمین جلسہ انتظار کی جان لیوا گھڑیوں کی صعوبت میں اضطرابِ سیمابی میں مبتلا رہتے مگر حضرت شیخ نہ پہنچ سکتے اور بعض دفعہ فون یا تار کے ذریعہ پروگرام ملتوی ہونے کی اطلاع بھی کر دیتے تھے۔

جب تک صحت و توانائی کی معاونت حاصل رہی، حضرت شیخ ریل گاڑی بس یا ویگن میں سفر کرتے تھے بعض دور افتادہ اور پسماندہ مقامات پر پا پیادہ چل کر بھی جلسوں کی رونق دوبالا فرماتے تھے۔ ریل میں اعلیٰ یا ادنیٰ درجہ کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ چونکہ آپ کو آرام کرنے کا وقت سفر ہی میں میسر آتا تھا، اس لئے ریل یا بس، ویگن میں سوار ہوتے ہی سو جاتے تھے۔ ریل میں برتھ پر استراحت فرماتے اور بس کی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے سو لیتے تھے۔

شیخ کے ممتاز تلمیذِ رشید علامہ شیر علی شاہ نے مدینہ منورہ کے ایک سفر کے دوران کہا "حضرت آپ تو گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں" تو فرمایا کہ سفر ہی میں مجھے نیند کرنے کی فرصت میسر آتی ہے۔ حضر میں تو مجھے سونے کا وقت ہی نہیں ملتا۔

شیخ بیان کیا کرتے تھے۔ میں ایک مرتبہ ریل کے درجہ اول میں سوار ہونے لگا تو وہاں پہلے سے سوار اپٹوڈیٹ مسافروں نے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مولوی صاحب یہ فرسٹ کلاس ہے" میں نے کہا۔ جی ہاں۔ میں فرسٹ کلاس ہی میں سوار ہو رہا ہوں۔

شیخ اکثر اوقات تنہا سفر کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار کسی خادم کو بھی سفر میں ہمرکابی سے نوازتے تھے۔

جوانی کے عالم میں عموماً ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی۔ ۱۹۵۶ء میں پشاور میں قاتلانہ حملہ کے بعد پستول کا لائسنس حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر ڈاکٹر خان کے دورِ وزارت میں موصوف نے شیخ کو لائسنس عنایت کر دیا۔ جس کے لئے ہمیشہ دُعا گو رہے کہ "اللہ خوش رکھے ڈاکٹر خان کو جس نے مجھے پستول کا لائسنس دیا۔ دوسرے حکمران تو مجھے لائسنس دینے سے انکاری تھے" اس کے بعد پستول بھی ساتھ رکھتے تھے۔ بعد میں بندوق کا لائسنس بھی حاصل کر لیا تھا۔

پھر جب پیرانہ سالی نے اپنے اثرات ڈالے اور صحت و توانائی میں ضعف آ گیا، اور سفری صعوبتوں کے تحمل کا یارا نہ رہا تو مجبوراً لمبا سفر ہوائی جہاز کے ذریعہ اور قریب کا سفر موٹر کار میں کرنے لگے۔

ہر کس و ناکس کی شکایت اور باتوں سے اثر پذیری کا عام شیوہ تھا۔ واقعہ کی گہرائی تک پہنچنا اور تحقیق و تفتیش کے مراحل طے کرنا بھی "طاقِ نسیاں" ہو جاتا۔ شکایت سنتے ہی جذبات میں ہیجان پیدا ہو جاتا۔ پھر جو اثرات طبیعت پر مرتب ہوتے انہیں عملی جامہ پہنانے میں ہمیشہ جلد بازی کا مظاہرہ ہوتا۔ آپ کے گرد و پیش ایسے کتنے ہی مہربان موجود تھے، جو شیخ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں رہتے۔ اس سے نہ صرف عزیز و اقارب اس کی بھینٹ چڑھ جاتے۔ بلکہ دوست، احباب اور بعض علماءِ کرام بھی شیخ کے غیظ و غضب کا شکار ہو جاتے تھے۔

تاہم یہ وصف بھی قابلِ تقلید اور لائق صد ستائش تھا کہ جب غصہ کافور ہوتا اور حقیقتِ حال منکشف ہوتی تو بغیر کسی ادنیٰ تامل کے خود اس شخص کے ساتھ اس

قدر خندہ روئی اور بشاشت سے پیش آتے گویا کہ اس کے خلاف نہ کوئی شکایت تھی اور نہ ہی زجر و توبیخ کا معاملہ پیش آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہو جاتے کہ ناراضگی کا گمان بھی نہ ہوتا تھا۔

حضرت شیخ کی طبیعت انابت اور تلیین سے بھی معمور تھی اور صلابت و تنفیر میں بھی منفرد تھی۔ صلح جوئی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی آدمی صلح و آشتی کا ایک قدم بڑھاتا تو شیخ سبک رفتاری کے ساتھ دو قدم بڑھاتے۔ اور اگر کسی کے دل میں کدورت موجزن ہوتی تو پھر شیخ کے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔ جس کی تصدیق مندرجہ ذیل دو واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

بریلوی علماء اور گدی نشینوں کے ساتھ شدید اختلاف کے باوجود جب کبھی اور جہاں کہیں سے مذہبی یا ملکی مصلحت کے پیش نظر متحدہ و مشترکہ کاز کی پیش کش ہوئی تو بغیر کسی توقف کے اس پر لبیک کہا۔ یہ آپ کی عالی ظرفی اور وسعت قلبی کا نادر شاہکار تھا کہ اجتماعی مفادات کے حصول کی راہ میں کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

چنانچہ ۱۹۶۱ء میں پیر دیول شریف نے تمام مکاتب فکر کے علماء و مشائخ کو مری میں دعوت دی تاکہ مشترکہ محاذ قائم کیا جائے تو شیخ القرآن نے خندہ پیشانی سے اس میں شمولیت فرمائی۔ جیسا کہ ماہنامہ تعلیم القرآن میں ہے۔

"۱۲ ر ۱۳ ر اگست ۱۹۶۱ء کو مری کے ایمبیسڈر ہال میں محترم خواجہ عبدالمجید صاحب المعروف پیر دیول شریف کی دعوت پر مغربی پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کے تقریباً دو صد علماء اور مشائخ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ جس میں

دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ علماء نے شرکت کی۔ پیر صاحب کا مقصد یہ تھا کہ قدیم مختلف فرقوں کے رہنماؤں کو اپنے مخصوص اور انفرادی نظریات پر قائم رہتے ہوئے ایک متحدہ محاذ بنا کر ہر نئے فتنہ کا اجتماعی طاقت سے سدّباب کرنا چاہیئے۔ دیوبندی اکابرین میں سے حسبِ ذیل علماء و مشائخ نے شرکت کی تھی۔

علامہ شمس الحق افغانی، مفتی محمد نعیم منڈی بہاؤالدین، مولانا خیر محمد، مولانا غلام اللہ خان، مولانا محمد اسحٰق ایبٹ آباد، سید عنایت اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحنان راولپنڈی، مولانا امیر الزماں آزاد کشمیر، مولانا محمد شفیع سرگودھا۔ سید گل بادشاہ مردان۔

اپریل ۱۹۸۰ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے دیوبندی جماعتوں میں اتحاد کی غرض سے خانپور میں ایک اجلاس بلایا۔ جس میں شیخ القرآن بھی مدعو تھے۔ چونکہ عرصہ دراز سے جمعیت اشاعت التوحید اور جمعیت علماء اسلام کے درمیان شکر رنجی کی فضا قائم تھی اور دونوں جماعتوں کے اکابرین کو باہم شیر و شکر کرنے کی کوئی سعیٔ مشکور وقوع پذیر نہ ہوئی تھی اس کے باوجود حضرت شیخ نے اپنے مسلک کے اکابرین کے مابین محبت و آشتی اور اتحاد و یگانگت کا امید افزا جذبہ لے کر اجلاس میں شمولیت کا فیصلہ فرما لیا۔ جس کی تفصیل خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی کے قلم سے ہدیۂ قارئین کی جاتی ہے۔

"حضرت شیخ نے مجھے فون پر فرمایا کہ میں فلاں فلائٹ سے راولپنڈی سے ملتان پہنچ رہا ہوں۔ اور مولانا عبدالستار تونسوی ریل سے پہنچ رہے ہیں۔ بس

نے عرض کیا تو حیدی صاحب کو طیارہ میں ساتھ لے آئیں اور ٹکٹ میرے ذمہ رہا۔ بہرحال شیخ حسبِ وعدہ ملتان تشریف لائے۔ توحیدی صاحب بھی ہمراہ تھے۔ ملتان سے عبدالستار تونسوی اور سید منظور احمد شاہ بھی ہمراہ ہو گئے اور اہلِ حق کا یہ قافلہ بہت ہی محبت و پیار کی فضا میں ملتان سے بذریعۂ کار خانپور روانہ ہو گیا مغرب کے بعد خانپور کے قریب "ظاہر پیر" آ پہنچ گئے۔ وہاں سینکڑوں سکوٹر، کاریں اور ویگنیں حضرت شیخ القرآن کے استقبال کے لئے موجود تھیں۔ جونہی ہجوم کی نظر ہماری کار پر پڑی، "شیخ القرآن زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اٹھی۔

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب رحیم یار خان والے اپنی جماعت کے ہمراہ ظاہر پیر ہی آ پہنچ گئے تھے۔ حضرت شیخ نے شفقت سے انہیں بھی اپنے ہمراہ کار میں بٹھا لیا۔ یہ قافلۂ توحید و سنت جونہی خانپور پہنچا تو اور قافلے بھی اس میں شریک ہو گئے۔

حضرت مولانا غلام ربانی جو حضرت شیخ القرآن کے خصوصی دوستوں میں شامل ہیں، وہ بھی تشریف لے آئے۔ حضرت مولانا قاری حماد اللہ صاحب، حضرت مولانا عبدالصبور صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور ان کے رفقاء بھی جو شیخ سے خاص محبت و عقیدت رکھتے تھے تشریف لے آئے! ور شہر سے ہزاروں لوگ شیخ کے استقبال کے لئے سڑکوں پر جمع ہو گئے۔ یوں حضرت شیخ القرآن کا استقبال خانپور میں ایک تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ طلباء اور علماء شیخ پر پروانہ وار نچھاور ہو رہے تھے۔ یہ سب برکات تھیں شیخ القرآن کے مسئلہ

توحید و سنت پر جان فدا کرنے کی۔ حضرت شیخ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید عوام و خواص کے دلوں میں بٹھائی تھی۔ آج اسی پروردگار نے شیخ کو مرجعِ عوام و خواص بنا دیا۔

حضرت شیخ کی گاڑی جیسے ہی مخزن العلوم میں داخل ہوئی تو ایک ہجوم ٹوٹ پڑا۔ بہت مشکل سے دوستوں نے گھیرا ڈال کر پوری قوت صرف کر کے ہیں اپنی قیامگاہ تک پہنچایا۔ اس طرح توحید و سنت کا متوالا اور شرک و بدعت کے لئے سیفِ بے نیام اور علماءِ دیوبند کی عزت و آبرو پر مر مٹنے والا یہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اس کانفرنس کا چیف گسٹ بن گیا۔ اور عوام و خواص نے حضرت شیخ کی تشریف آوری پر بہت ہی مسرت کا اظہار کیا۔

کانفرنس کے کھلے اجلاس بھی تھے اور بند کمروں میں خاص میٹنگیں بھی تھیں خاص میٹنگیں تو کسی مربوط فکر اور ایجنڈا نہ ہونے کی وجہ سے کسی تاریخی فیصلہ تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر ان کا ایک زبردست فائدہ ضرور ہوا کہ تمام روٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گلے مل گئے۔

جب شیخ القرآن اور حضرت درخواستی گلے ملے تو پورے ہاوس پر ایک رقت طاری تھی اور اس محبت و پیار کی فضا پر ہر شخص بہت ہی مسرور تھا مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بھی بیماری کے باوجود تشریف لے آئے اور آپ نے نہایت ہی درد میں ڈوبی ہوئی اور فکر انگیز تقریر فرمائی جس سے فضا میں سکون و اطمینان کی لہر دوڑ گئی! اس طرح خانپور کے اجلاس میں دیوبندیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی، اس میں بھی شیخ القرآن نے تاریخی کردار ادا کیا۔

رات کے اجلاس میں حضرت شیخ القرآن نے تاریخی تقریر فرمائی۔ اس وقت پنجاب کا گورنر سوار خان تھا جو اہلِ بدعت سے ملی بھگت کر کے اہلِ حق کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ حضرت شیخ نے اپنے مخصوص لہجہ میں اسے للکارا اور فرمایا کہ صدر صاحب ایک ماہ کے اندر اندر سوار خان کا بوریہ بستر گول کر دو۔ ورنہ پورے ملک میں سوار خان کے خلاف سخت تحریک چلائی جائے گی۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ سوار خان کا بوریہ بستر گول کر دیا گیا۔ اس طرح ایک درویش کی آواز کو خدا نے ایسی عزت بخشی کہ ایک اکڑے ہوئے حاکم کی گردن توڑ دی گئی[1]۔

مہمان نوازی

طبقۂ علماء میں مہمان نوازی اور فیاضی کا عموماً فقدان ہوتا ہے کیونکہ علماء کی اکثریت عسر و تنگی کے ساتھ بسر اوقات کرتی ہے۔ اگر وسعت و کشادگی میسّر بھی آجائے تو دل کا غنا بہت کم حاصل ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شیخ القرآن کو مالی وسعت کے ساتھ ساتھ غنائے قلبی کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ جود و کرم اور سخاوت و فیاضی ان کا طغرائے امتیاز تھا۔ ضیافت و مہمان نوازی ان کی روحانی غذا اور طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ مہمان کے ساتھ بیحد تواضع و انکساری، ملاطفت و نرمی اور عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ مہمانوں کی آمد و رفت شب و روز جاری رہتی۔ وقت بے وقت مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ باورچی خانہ کی آگ کسی لمحہ بھی نہ بجھتی۔ پُر تکلف انواع و اقسام کے کھانوں سے انکی ضیافت

---

[1] میرے شیخ القرآن ص۷۶ تا ص۷۸

کرتے۔ ۴۰۰،۵۰۰ مہمان تو روز کا معمول تھا۔ ہر آدمی کے مزاج کے مطابق اس کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا۔ وزرار سے لے کر فقرار تک شیخ کے دسترخوان پر یکساں طور پر شکم سیر ہوتے تھے۔ حضرت شیخ کے دسترخوان کی وسعت اور مہمانوں کا ہجوم دیکھ کر شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رح کے دسترخوان کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

موصوف کی بشاشت، انتظام ہستعدی اور اہتمام سے ظاہر ہوتا تھا کہ مہمانوں کی خدمت کر کے انہیں قلبی سرور اور روحانی لذت حاصل ہو رہی ہے اور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی عملی تصویر نظر آتے تھے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہٗ۔

حضرت شیخ القرآن کی رفیقۂ حیات کی امورِ خانہ داری میں محنت اور جفاکشی قابلِ ستائش اور باعثِ صد افتخار تھی۔ اپنے ہاتھ سے ناشتہ، روٹی اور ہانڈی تیار کرتیں۔ زمانۂ دراز تک بچیوں یا بہوؤں کا تعاون بھی حاصل نہیں تھا۔ نہ ہی کبھی خادمہ کو زیرِ بار کرنا گوارا ہوا۔ بارہا ایسا اتفاق بھی ہوا کہ آدھی رات کے وقت مہمان آ گئے تو مہمانوں کی خاطر راحت وسکون قربان کرتے ہوئے میٹھی نیند سے اٹھ کر پرتکلف کھانا تیار کرتیں اور تنگ دلی کی بجائے قلبی سرور محسوس کرتیں۔

ناشتہ، روٹی اور ترکاری ہمیشہ گھر ہی میں تیار کی جاتی تھی۔ بازار سے لانا خلافِ مروت سمجھتے تھے۔ ناشتہ، روٹی سالن انڈے اور دلیا پر مشتمل ہوتا روٹی ہمیشہ توے کی ہوتی۔ تین چار قسم کی ترکاری ہمہ وقت موجود ہوتی۔ گھر کی بھینس کا سارا دودھ ناشتہ اور دن بھر کی چائے پر صرف ہوتا۔ لطف یہ کہ جدید سہولیات سے استفادہ سے بے نیاز تھے۔ دورِ جدید میں عام استعمال میں

آنے والی چیز "فرج" تک گھر میں نہیں تھا۔ گھر والے دن رات کھانا پکانے کی خدمت کی انجام دہی میں ہی مصروف رہتے تھے۔

چونکہ دار العلوم تعلیم القرآن تمام مذہبی اور ملکی تحریکوں کا مستقل مرکز بن گیا تھا۔ اس لئے جب بھی کوئی میٹنگ ہوتی تو سو، دو سو علمائے کرام اور سیاسی زعماء کا کھانا گھر ہی میں تیار کیا جاتا تھا۔ مرغ مسلم، قورمہ، چاول اور روٹی ہر چیز اعلیٰ معیار کی تیار کی جاتی۔

اہل حدیث، بریلوی اور شیعہ مندوبین بھی حضرت شیخ کی فیاضی، دریا دلی اور حسن انتظام کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ عرب ممالک کے سفراء، زعماء کی اس قدر پُر تکلف اور شاہانہ ضیافت کرتے کہ خود مہمان بھی ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے۔ ان کی مرغوب چیزوں کا فراہم کرنا اور ان کے مزاج کے مطابق بڑے اہتمام سے تیار کرانا۔ بعض ضیافتوں میں سالم دنبے روسٹ کرا کر عربوں کی خدمت میں پیش کرتے۔ موسم کے مطابق مشروبات بھی پیش کرتے۔ سرما میں کھانے کے بعد قہوہ پلانے کا معمول تھا۔

حضرت شیخ کا معمول تھا کہ ناشتہ اور کھانا مہمانوں یا احباب کے ساتھ تناول کرتے۔ اکیلے کھانا ہرگز گوارا نہ ہوتا۔ اگرچہ اپنی ترکاری پرہیز کی وجہ سے نمک اور گھی کے بغیر ہوتی لیکن دوسری ترکاری ضرور ساتھ ہوتی۔ شیخ چپاتی توڑ کر چار ٹکڑے کرتے اور ایک ایک ٹکڑا پہلے رفقاء کے سامنے رکھتے اور پھر خود لیتے۔ اپنے سالن میں سے بوٹیاں احباب میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اپنی خوراک بہت قلیل تھی۔ اگر کسی ناگزیر وجہ سے کسی ساتھی کو کھانے میں شامل نہ کرتے تو بڑی ظرافت

سے فرماتے :-

"آپ کا عدم ہمارے ساتھ شریک ہے"

مولانا حافظ مہر محمد اپنا مشاہدہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"مہمان خانہ کی آگ نہ بجھتی تھی۔ گویا آپ کی اہلیہ رحمۃ اللہ علیہا آپ سے بھی زیادہ فیاض اور جفاکش تھیں کہ ۹ بجے تک ناشتہ، ۴ بجے تک دوپہر کا کھانا اور ۱۰، ۱۱ بجے تک رات کا کھانا۔ شہر یا باہر کے ہر قسم کے لوگ کھاتے تھے! در یومیہ دسیوں مہمان ہوتے تھے۔"

(ماہنامہ تعلیم القرآن شیخ القرآن نمبر: ص۸۱)

مادہ ہائے تاریخ وفات

حضرت شیخ القرآن

(۱)

بر موت شیخ دل برداشتہ شد

قصص، فہم و عمل، شیخ و فتی شُد

۱۹۰ ۱۲۰ ۱۰۰ ۹۰۰ ۹۰

۱۴۰۰ھ

حیا. قدر و شرف ہم شمع و محراب سحر، صبح و مسا، صیف و دشتا شد

۹ ۳۰۰ ۳۸۰ ۳۷۰ ۵۱ ۲۶۰ ۹۸ ۴۱ ۱۷۰ ۳۰۱

۱۹۸۰ء

(۲)

وہ اُٹھے تو بے سر و پا اور بے دل ہو گئی

یہ نظارت، یہ امانت، یہ درایت، یہ اثر[1]

۱۱۰۰ ۹۰ ۲۱۰ ۰

۱۴۰۰ھ

اور دیکھو بے سر و پا ہو گئے فکر و نظر حکمت و دین و قرآن، ذکر و کرم، وعظ و اثر

۲۰ ۹۰۰ ۶۰ ۱۰ ۲۰۰ ۳۰ ۳۰ ۰ ۵۰۰

۱۹۸۰ء

ابو احمد سجاد بخاری مدیر تعلیم القرآن

[1] بہ روایت شہ عمان زرکی ستہ ناشر۔ سجاد بخاری

باب دہم

مَوتُ العَالِم، مَوتُ العَالَم

سانحۂ ارتحال

سانحۂ ارتحال

تجہیز و تکفین

مفتریوں کا افترا اور حقیقت

باقیاتُ الصّالحات

سانحۂ ارتحال

تاریخ سانحۂ ارتحال سوموار اور منگل کی درمیانی شب ۱۱ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مطابق ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء - ۱۳ جیٹھ ۲۰۳۷

شیخ ماہ اپریل ۱۹۸۰ء میں حرمین شریفین کے فیوضات سے بہرہ یاب ہونے کی غرض سے عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گہر بار میں ہدیۂ سلام پیش کرنے مدینہ باسکینہ میں حاضری دی۔ بعد میں تبلیغِ دین کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں متحدہ عرب امارات پہنچے۔ جہاں متعدد عظیم الشان جلسوں سے خطاب کیا وہاں کی تبلیغی مصروفیت کی تفصیل حضرت مولانا محمد اسحاق خان مدنی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"دوبئی میں مولانا مرحوم کی آخری تقریر جو آپ کی زندگی کی بھی آخری تقریر ثابت ہوئی، وہ تھی جو آپ نے قصیص نمبر ۳ کی جدید و خوبصورت اور عظیم الشان مسجد میں نمازِ عشاء کے بعد فرمائی۔ پونے دو گھنٹے کی اس طویل تقریر میں آپ نے

قرآن وسنت کی روشنی میں عقیدہ توحید اپنے روایتی جوش وخروش اور دلکش انداز میں بڑی وضاحت سے بیان کیا! ورآخر میں اعلان فرمایا کہ اس کی تکمیل کل کی تقریر میں کرونگا جو دوبئی کی سب سے بڑی اور مرکزی جامع مسجد میں نمازِ عشار کے بعد ہوگی۔ دوسرے دن حسب اعلان وپروگرام آپ وہاں تشریف لائے۔ سامعین دُور دور سے کشاں کشاں جمع ہورہے تھے۔ یہاں کی عام روایت کے خلاف ایک بڑا مجمع اکٹھا ہوگیا تھا۔ آپ منبر کے قریب تشریف فرما تھے۔ ابھی ابتدائی نوعیت کے اعلانات ہی جاری کئے جارہے تھے کہ یکایک مولانا کی طبیعت کچھ علیل ہوگئی۔ آپ اپنے رفیقِ سفر حافظ نورحسین صاحب کو مائیک پر کھڑا کرکے خود دوجاں نثاروں کے ہمراہ راشد ہسپتال تشریف لے گئے۔"

اکرم خان اور نسیم خان دوجاں نثار ساتھی بھی ہمراہ گئے۔ راشد ہسپتال جو یہاں کا سب سے بڑا ہسپتال ہے، وہاں گئے اور ان کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کردیا گیا۔ اور امراضِ قلب کا ماہر عملہ پوری مستعدی سے علاج میں مشغول ہوگیا مگر موت کا وقتِ مقرر آچکا تھا جس سے کسی کو مفر نہیں۔ آپنے اسی کلمۂ توحید کا وِرد شروع کردیا جس کی توضیح وتشریح اور خدمت وتبلیغ کے لئے آپنے اپنی ساری عمر کی متاعِ گرانمایہ کو وقف کر رکھا تھا۔ کلمہ پڑھتے پڑھتے اپنی جان جان آفرین کے حوالے کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

اس جاں گداز سانحہ سے آپ کا پروانہ اکرم خان بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ اور دوسرا ساتھی نسیم خان بھی غم کی تصویر بنا خاموش کھڑا تھا۔

بہر حال سرکاری ہدایات کے مطابق پاکستانی قونصل خانے کے تعاون سے

مستشفی المکتوم (مکتوم ہسپتال) میں آپ کو غسل دیا گیا۔ غسل دینے میں کئی جید علماءِ کرام اور دوسری ممتاز ہستیوں نے حصّہ لیا۔ پھر آپ کا جنازہ ایک تابوت میں دیدارِ عام کے لئے رکھ دیا گیا۔ اژدہام اور بے پناہ ہجوم کی وجہ سے نمازِ جنازہ ادا کرنے میں خاصی دقت پیش آئی۔ نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں آپ کا جنازہ ایئرپورٹ لایا گیا۔

دوبئی کی تاریخ میں آج تک کسی عوامی جنازے پر اتنا بڑا ہجوم اور اس قدر رقت انگیز مناظر کبھی دیکھنے میں نہیں آئے (ماہنامہ تعلیم القرآن۔ شیخ نمبر)

اس طرح توحیدِ خداوندی کا علمبردار، علومِ نبوت کا پاسدار اور آفتابِ علم و دانش کم و بیش ۷۵ سال تک اپنی تابانی سے مسلمانانِ عالم کے قلوب منور کرنے کے بعد ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

وہ پاسبان گلشنِ توحید و رسالت، جو دینی حمیت اور اسلامی غیرت سے سرشار اشاعتِ دین کے لئے زندگی بھر سرگرمِ عمل رہا۔ آخر کار اسی دُھن اور لگن میں سارے عالم کو سوگوار چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملا۔

حضرت شیخ القرآن اکثر یہ دُعا کیا کرتے تھے "یا اللہ تو زندگی دے تو اپنی توحید کی اشاعت کے لئے اور موت بھی کلمۂ توحید بلند کرتے ہوئے عطا فرما۔ تاکہ اس آیت کا صحیح مصداق ثابت ہو جائے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ — بے شک میری نماز اور میری قربانی اور

مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ میری زندگی اور میری موت اللہ رب

(الانعام ۱۶۲) العلمین کے لئے ہے۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی اس دیرینہ آرزو کو بتمام وکمال پورا فرما دیا اور وہ توحیدِ خداوندی کی اشاعت کرتے ہوئے فائزالمرام ہو کر مالکِ حقیقی کے پاس جا پہنچے۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لیکر

یوں تو عالمِ کون ومکان کے لئے فنا اور موت مقدر ہے۔ جو بھی مستعار زندگی کی خلعت زیبِ تن کر کے بساطِ ہستی پر نمودار ہوا۔ موت اس کی قدمبوسی کے لئے چشم براہ ہے۔ جس طرح خالقِ کائنات نے انسانوں میں فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا ہے اسی طرح ہر ایک کی موت بھی یکساں نہیں ہوتی۔ اس چرخِ نیلی فام نے ایسے ایسے افراد واشخاص کی اموات کا نظارہ بھی کیا جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کی عمارتِ حیات کو متزلزل کر گئیں جو موت کے پنجہ کی گرفت میں آنے والی شخصیت کے دامانِ عقیدت وارادت سے وابستہ ہوتے ہیں۔

پھر اس داغِ مفارقت دے جانیوالی ہستی کا ماتم آنکھوں کے چند قطرہ ہائے اشک سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہزاروں دلوں کی پرسکون آبادیاں ایک مستقل غمکدہ آمالِ دامانی بن کر رہ جاتی ہیں۔ امیدوں اور ولولوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ نشاط وکامرانیٔ حیات کے آتشکدے سرد ہو جاتے ہیں۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثۂ جانکاہ نے کائناتِ عالم کی ہر ہر چیز کو اداس اور غمگین بنا دیا ہے موت کی اسی نوعیت کو ایک عربی شاعر اس طرح پیش کرتا ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنّه بنيان قوم تهدّما

(قیس کا مرنا ایک شخص کا مرنا نہیں۔ بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا جو منہدم ہو گئی۔)

شیخ القرآن کا سانحہ ارتحال بھی نہ صرف فرزندانِ توحید کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا موجب بنا۔ بلکہ اس عظیم المیہ نے پوری علمی دنیا کی بساط اُلٹ کر رکھ دی۔

تجہیز و تکفین میت بذریعہ طیارہ راولپنڈی لائی گئی۔ ہزاروں لوگ ایئرپورٹ پر جمع تھے۔ سب ہی کی آنکھیں اشکبار اور دل فگار تھے۔ ضبط و تحمل کے بند ٹوٹ رہے تھے۔ کل تک جو لوگ شیخ القرآن کے تبلیغی دوروں سے واپسی پر استقبال کرنے ایئرپورٹ آیا کرتے تھے، آج وہ اس مردِ قلندر کی میت کو کندھا دینے آئے تھے۔ جو لوگ مسرت و شادمانی کے پھول نچھاور کرنے کے لئے آتے تھے آج وہی جان نثار اشکوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے اضطراب بیمائی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

اگلے روز اس عالمِ ربانی اور مجاہدِ اعظم کی نمازِ جنازہ لیاقت باغ کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ ہر طرف عقیدتمندوں اور سوگواروں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ پروانہ وار جمع ہو گئے تھے۔ جن میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ اور صدرِ مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق بھی شریکِ جنازہ ہوئے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا

موقع تھا کہ ایک عالمِ دین کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے صدر مملکت نے شرکت کی بعدازاں میّت اٹک لے جائی گئی۔ وہاں بھی لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ ان کے شدید اصرار کے باعث دوبارہ جنازہ پڑھا گیا۔ اور بالآخر اس منبعِ علم و عرفان کو جامعہ اشاعت الاسلام اٹک کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جہاں وہ آج آسودۂ خواب ہیں۔

مفتریوں کا افترا اور اصل حقیقت

شیخ القرآن زندگی بھر شرک، بدعت اور غیر اسلامی رسومات کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ جس کے باعث دین فروش پیروں اور مولویوں کو سخت تکلیف تھی زندگی میں بھی ان پر الزامات عائد کرتے رہے مگر عوام الناس نے کوئی اثر قبول نہ کیا چراغِ زندگی گل ہو جانے پر یہ بہتان تراشا گیا کہ شیخ کی شکل بگڑ گئی تھی۔ جب کہ اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ پاکستان میں کسی کو (کثرتِ ہجوم کی وجہ سے) منہ نہیں دکھایا گیا۔ جب کسی نے آپ کا چہرہ دیکھا ہی نہیں تو پھر اس الزام تراشی کی کیا حقیقت ہے۔ سوائے اس سوءِ ظن کے کہ چہرہ نہ دکھانا اسی وجہ سے ہے کہ چہرہ بگڑ گیا تھا۔

بہرحال خطیبِ پاکستان مولانا ضیاء القاسمی نے دو ایسے جاکر ان حضرات کا حلفیہ بیان قلمبند کیا۔ جنہوں نے شیخ کو غسل دیا، دیدار کیا اور پھر ان کو بند تابوت میں رکھا اور نمازِ جنازہ ادا کی۔

ان کے اسماء یہ ہیں:۔

مولانا محمد فہیم، خطیب جامع مسجد ابوبکر صدیق، دوبئی۔ مولانا محمد اسمٰعیل امام مرکزی جامع مسجد قصیص ۳۔ مولانا محمد سعید خان، خطیب جامع مسجد النور دوبئی۔ مولانا محمد اکرم خان، خطیب جامع مسجد الشیرازی۔ حافظ کریم بخش خطیب العزیز دوبئی۔ مولانا محمد اسحٰق خان ممبر اسلامک مشن برائے متحدہ عرب امارات دوبئی۔ مولانا محمد شفیق خان، خطیب جامع مسجد شارجہ۔ حافظ اشتیاق حسین عثمانی مسجد سی سی ابوظہبی۔

ان سب حضرات نے اپنے حلفیہ بیانات میں وضاحت کی کہ شیخ کی میت اور چہرہ بالکل صحیح حالت میں تھے۔ اور چہرہ میں کوئی تغیر نہیں۔ نہایت بارونق اور پُرانوار چہرہ ہم نے دیکھا۔

باقیاتُ الصّالحات

حضرت شیخ القرآن کے علمی اور مجاہدانہ کارنامے ان شاء اللہ رہتی دنیا تک قائم ودائم رہیں گے اور ان کی بلندئ درجات کا موجب بنتے رہیں گے۔ علاوہ ازیں آپ کی باقیات الصالحات میں آپ کے تین فرزندانِ ارجمند بھی ہیں۔ آپ کے خلف الرشید صاحبزادہ مولانا احسان الحق، مولانا حسین علی اور مولانا اشرف علی بحمداللہ نینوں علم کی دولت سے مالامال اور جیّد عالم ہیں۔ شیخ نے دارالعلوم تعلیم القرآن کے انتظام وانصرام اور مسجد دارالعلوم کی خطابت کے فرائض اپنی زندگی ہی میں مولانا احسان الحق کے سپرد کر دئیے تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد علماءِ کرام کے ایک عظیم اجتماع میں مولانا موصوف کی دستار بندی کر کے باقاعدہ طور پر جانشین مقرر کر دیا گیا

ہے۔

آپ اپنے والدماجد کے لگائے ہوئے گلشنِ علم و دانش کی آبیاری اپنے خون و پسینہ سے کر رہے ہیں۔ اور ان کے مشن کو پروان چڑھانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

جامعہ اشاعت الاسلام اٹک جہاں حضرت شیخ آج بھی آسودہ خواب ہیں، کا انتظام و اہتمام مولانا حسین علی کو تفویض فرمایا تھا۔ گو کہ موصوف اکثر علیل رہتے ہیں لیکن جامعہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق رُو بترقی ہے۔

مولانا اشرف علی مدرسۃ البنات الاسلامیہ سوترگلی کے منتظم ہیں۔ جہاں بچیوں کو درسِ نظامی کے علاوہ حفظ و قرأت کی تعلیم کا معیاری انتظام ہے۔

شیخ القرآن نے اپنے پسماندگان میں دو صاحبزادیاں بھی چھوڑی ہیں۔ جن میں سے ایک مدرسۃ البنات میں تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

حضرت شیخ کی اہلیہ محترمہ اُن سے پہلے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکی تھیں۔

[م جہرل]